بسم الله الرحمن الرحیم

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس جب اللہ کسی کو ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جیسے کہ وہ زبردستی آسمان پر چڑھ رہا ہے (اس کی طرف اونچا ہو رہا ہے) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر کثافت مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ یہ تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

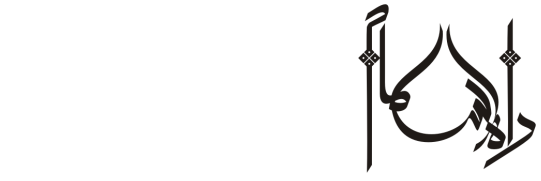

اسلامی علوم و معارف اور علمی و ثقافتی افکار و عقائد کا ترجمان
شمارہ: ۲۵۴ / خصوصی شمارہ (۱۴۴۳ھ)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قرآن

ایران کلچر ہاؤس، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷
ichdelhi@gmail.com
http://newdelhi.icro.ir

مشاورین علمی

پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین، پروفیسر اختر الواسع

پروفیسر سید علی محمد نقوی، پروفیسر سید طیب رضا نقوی

ادارتی بورڈ

پروفیسر سید اختر مہدی رضوی، ڈاکٹر حیدر رضا ضابط، ڈاکٹر علی رضا قزوہ

چیف ایڈیٹر	:	ڈاکٹر محمد علی ربانی
ایڈیٹر	:	پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی
جوائنٹ ایڈیٹر	:	حجۃالاسلام والمسلمین مولانا سید غلام حسین رضوی
ناظر اشاعت	:	حارث منصور
پریس	:	الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی۔

ISSN: 2349 – 0950

صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com ارسال فرمائیں۔

مقالہ، ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

مقالہ کی اشاعت کے لئے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

مقالہ نگار افراد کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست مضامین

اداریہ		۱
قرآنی مخطوطات کی تاریخ جدید علمی روش کی روشنی میں	مؤلف: آلاء وحید نیا مترجم: مولانا سید اطہر عباس رضوی	۳
قرآن کریم میں تاریخ کا مطالعہ	مؤلف: سید محمد نقیب مترجم: مولانا سید نذر امام نقوی	۴۵
قرآن کریم میں پیغمبرؐ کے صفات و کمالات	گروہ مؤلفین: عبد العلی شکر و فرج تلاشیان مترجم: مولانا سید محمد باقر	۷۷
پیغمبرؐ کی اخلاقی سیرت پر ایک نظر	گروہ مؤلفین: عسکر آرمون و عبداللہ اسدی مترجم: مولانا ظہیر عباس	۱۰۰
پیغمبرؐ کی سیرت و شخصیت پر مغربی نظریات اور اس کی تردید	گروہ مؤلفین: سید محمد موسوی مقدم و سید رضا مؤدب مترجم: سید اطہر عباس	۱۳۰
سیرت پیغمبر اکرمؐ میں خواتین کے ساتھ اجتماعی رابطوں کے اصول	گروہ مؤلفین: طاہرہ رجبی و حسن علی بختیار مترجم: مولانا سید توکل حسین شمسی	۱۷۷
قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے آداب	مؤلف: محمد رضا نور محمدی مترجم: مولانا سید محمد جعفر زیدی	۱۹۷
نواسۂ رسول امام حسینؑ مذہبی یکجہتی کی گفتگو کا محور	مؤلف: سید محمد تقی شاکری مترجم: محمد کاظم دہلی	۲۲۵

اداریہ

پیغمبر اکرم حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی ذات گرامی تمام مخلوقات میں سب سے بالا و برتر ہے، آپ تمام انبیاء کی مشترکہ صفات کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کی نظر میں مقام اور منزلت کے لحاظ سے دیگر تمام انبیاء کے مقابل مکرم اور محترم ہیں۔ آپ کا وجود مبارک، اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے عظیم احسان ہے۔ اللہ نے آپ کے ذریعے کاروان بشریت کی ہدایت کی سبیل فرمائی ہے۔ آپ کی شخصیت کو پہچاننے کے لئے قرآن کریم بہترین وسیلہ ہے۔ چنانچہ اس کی متعدد آیات میں خداوند کریم نے آنحضرتؐ کے باب میں گفتگو کی ہے اور کسی شفاف آئینہ کی طرح جمال محمدیؐ سے آشنا کرایا ہے تاہم ان کے اخلاقی محاسن کی طرف دعوت فکر دی ہے جو در اصل اپنے آپ میں اسلام کے نشو ونما کے راز کی حیثیت رکھتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ، مکارم اخلاق، سیرت وصورت کے حسن، ظاہری اور باطنی زیبائی، ایثار وہمدردی، بخشش وبردباری، فصاحت وبلاغت، صبر واستقامت، سخاوت وشجاعت، توکل وقناعت، امانتداری اور دیانتداری، نرم خوئی اور مہربانی میں یکتائے روزگار ہیں، آپ کی سیرت طیبہ، اہل جہان کے لئے نمونۂ عمل ہے۔ آپ کی سنت اور آپ کا شیوہ حیات، انسانی زندگی کی نورانیت، سعادت، شرافت، عزت، کمال اور کامیابی کا اصلی محور ہے۔

علاوہ ازیں، بعض خصوصیات کو اللہ نے صرف آپؐ کی ذات والا صفات سے مختص کیا ہے جبکہ دیگر انبیاء کو ان حسنات سے آراستہ نہیں کیا گیا ہے اور قیامت تک وہ صفات صرف آپ سے ہی مخصوص رہیں گے۔ البتہ سردست تحریر میں حضور اکرمؐ کی تمام خصوصیات کا ذکر ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم آپؐ کے انفرادی امتیازات پر گواہ ہے چنانچہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ آپ کی سیرت کے تعلق سے آگاہ رہے اور اپنی زندگی اسی کے مطابق آگے بڑھائے چونکہ انسان کو زندگی میں اخلاقی، تربیتیں

درجات کی بلندی کے لئے ، نمونہ عمل کی تلاش ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیات ، دینی پیشواؤں سے منسوب روایات ، اور ائمہ معصومین کے ارشادات کی رو سے آپ کی ذات گرامی بہترین نمونہ عمل ہے۔ بے شک، آنحضرتؐ کا اتباع انسان کو فردی اور سماجی، زندگی میں تقدس اور آخرت میں نجات فراہم کرنے والا ہے چنانچہ دنیا وآخرت میں قابل اطمینان مامن اور مقام حاصل کرنے کے لئے آپؐ کی سیرت کا مطالعہ نا گزیر ہے، زیر نظر رسالہ آنحضرت کی نورانی شخصیت کی سیرت طیبہ سے مخصوص ہے جس میں ایران وہند کے قلمکاروں نے مقالے لکھے ہیں۔

امید ہے اس کا مطالعہ، مخاطبین بالخصوص جوانوں کے لیے پیغمبر اکرم ﷺ کی معرفت میں اضافے کا سبب بنے گا۔

ڈاکٹر محمد علی ربانی

چیف ایڈیٹر

قرآنی مخطوطات کی تاریخ جدید علمی روش کی روشنی میں

مؤلف: آلاء وحید نیا [۱] *

مترجم: مولانا سید اطہر عباس رضوی

خلاصہ

مطالعات تاریخ قرآن میں عینی اسناد و مدارک کے عنوان سے قرآنی خطی نسخوں کی اہمیت کے پیش نظر، بعد ہجرت، ابتدائی صدیوں میں قدیم قرآنوں کی تاریخ اوران کی قدمت کا ثابت ہونا قرآنی محققین کے ہاتھ میں ایک قوی مدرک ومنبع کے عنوان سے قرآن کی تاریخ کے حوالہ سے نظریہ قائم کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہو سکتا ہے۔آخر کے برسوں میں قرآن کے قدیم خطی نسخوں کے اوپر کاربن ۱۴ کی آزمائش کی انجام دہی اور اس آزمائش کے نتائج کا اخبارات اور نیوز چینلوں پر اعلان ،قرآنی خطی نسخوں سے متعلق تحقیقات میں ایک نئی تبدیلی کا باعث ہوا ہے۔اس مقالے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک تاریخی اور قدیمی شئی کے تعلق سے روش تعیین قدمت کے اصول وقوانین کی تشریح کی جائےاور کاربن ۱۴ سے استفادہ کرتے ہوئے اس روش کے کمزور اور مضبوط پہلوؤں اور اس دائرہ اختیار کی نشاندہی کی جائے اور اسی طرح بحر المیت مخطوطات نیز قدیم قرآنی مخطوطات بالخصوص نسخہ صنعاء کے اوپر جو آزمائش ہوئی ہے اس کے نتائج کی تحلیل کی جائے اور اس بات کی نشاندہی کی جائے کہ قدیم اشیاء بالخصوص قدیم خطی نسخوں کی عمر کے تعین کے لئے ریڈیو کاربن کی روش سے تعیین تاریخ، ایک قدر تمند روش ہے۔چنانچہ اسی طرح اس کے ذریعے ایک شئی کے قدیم اور اصیل ہونے کے تعلق سے اور ایک یا دو صدی سے اس کے انتساب کے حوالے سے وثوق واطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے ؛لیکن قید وشرط کے بغیر اور احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر ان نتائج پر تکیہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بعض

۱۔ * قرآنی مطالعات، تحقیق علوم انسانی اور مطالعات تمدن میں استاد معاون، a.vahidnia@ihcs.ac.irتاریخ دریافت: ۱۳۹۷/۰۶/۰۲، تاریخ پذیرش: ۱۳۹۷/۰۸/۰۱۔

نامعلوم اور اضافی تبدیلیاں جن کا ہمیں اس روش کے نتائج کے قطعی نہ ہونے میں علم نہیں ہے، باعث ہوتی ہیں کہ جو نتائج برآمد ہوئے ہیں کتابت نسخہ کے یقینی سن کے انکشاف میں مدد و معاون نہ ہو۔ مثلاً ایک خطی نسخہ کے عثمانی ہونے یا نہ ہونے میں جو کہ پہلی صدی ہجری میں مطالعہ تاریخ قرآن میں کافی اہمیت کا حامل ہے، مددگار نہ ہو۔

۱۔ مقدمہ

آخر کی دہائیوں میں قرآنی مطالعات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں قدیم قرآنی مخطوطات کو روز افزوں اہمیت حاصل ہوئی ہے کیونکہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے باقیماندہ قدیم قرآنی نسخوں کے بارے میں اطلاعات کی فراہمی کے نتیجے میں اسلام کی ابتدائی صدیوں کے مسلمانوں کی کتابوں اور منابع و مآخذ سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ محققین تاریخ قرآن، عینی اسناد و مدارک سے بھی روشناس اور باخبر ہیں اور یہ اسناد و مدارک اس شعبے میں نظریہ پردازی کو بشدت تقویت پہونچا سکتے ہیں اور قدیم نظریات کی تنقید یا تردید میں وارد عمل ہو سکتے ہیں۔ جو بحث قرآن کے تاریخی مسئلۂ اعتبار سے بہت زیادہ مرتبط ہے وہ قرآن کی نہائی اور آخری تاریخ تثبیت کا مسئلہ ہے۔ علماء اسلام نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ تدوین قرآن سے مربوط روایات کو جمع کرکے اس سوال کا جواب دیا جائے کہ قرآن کس زمانے میں جمع کیا گیا اور کس نے جمع کیا ہے۔ مسلمان علماء کی نگاہ میں قرآن کی تدوین یا خود پیغمبرؐ کے عہد رسالت مہد میں ہوئی ہے یا ابو بکر کے دور میں یا پھر عثمان کے دور میں مدوّن کیا گیا ہے، اور بعض اہل تحقیق حضرت علی علیہ السلام کو جامع قرآن کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا مشہورترین نظریہ یہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی تدوین عہد ابو بکر میں ہوئی اور اس کی آخری جمع آوری اور اس کی رسمی اور قانونی یکساں سازی عثمان بن عفان کے عہد خلافت میں ہوئی (برائے مثال نک۔ خوئی، ۲۳۷۔ ۲۵۷، ۱۳۷۶ش اور حجتی، ۳۸۵۔۴۶۲، ۱۳۸۷ش) مغرب میں بھی نلدکہ (Theodor Noldeke) کی کتاب تاریخ قران، سرگرم اور سنجیدہ بحثوں کا محور قرار پاتی ہے اور جمع قرآن کے تعلق سے اس نے ایک مستقل فصل مختص کی ہے۔ یہ فصل جو فریڈریس شوالی کے تعاون سے رشتۂ تحریر میں آئی ہے اس میں دور ابو بکر (نولدکہ ۲۳۲۔۲۲۸، ۲۰۱۳ء) میں جمع قرآن سے متعلق روایات کے ضعف کی چھان بین کرنے کے بعد ارمنستان اور آذربائیجان میں مسلمان فوج کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف کے نتیجے میں

دور عثمان میں جمع قرآن سے متعلق مشہور روایت پر سیر حاصل بحث ہوتی ہے اور اس گزارش کا "آنا کرونیسم" یا "زمان پریشی" کے استدلال کے ذریعے تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے اور اسی طرح کوشش کی جاتی ہے کہ ان گزاشات میں تمام جانبدارانہ پہلوؤں کی نشاندہی کی جائے۔لیکن ایسا لگتا ہے آخر میں بتوسط عثمان جمع قرآن کا نظریہ کچھ ملاحظات کے ساتھ قابل قبول واقع ہوتا ہے۔[نولدکہ ۲۶۳۔۲۵۱، ۲۰۱۳ء] [1] سن عیسوی کی ۷۰ویں دہائی سے غرب کی اکیڈمی میں جب تجدید نظر کا مطالبہ کرنے والوں کے مکتب کی تشکیل ہوئی تو جمع قرآن کی بحث، ایک بار پھر بشدت تنقید تر کا سبب قرار پائی۔[2] مغرب میں مسلمانوں کی اطلاعات و معلومات کو شک کی نگاہوں سے دیکھنا اس بات کا باعث ہوا کہ کبھی ایک مساوی اور اتفاقی نتیجہ حاصل نہ ہو ۔متفقہ نتیجہ برآمد ہونا تو دور کی بات ہے، بعض کی رو سے بالکل متفاوت نتائج برآمد ہوئے۔"جان ونزبرو" جمع قرآن کے حوالے سے اپنا ایک اہم اور منفرد نظریہ رکھتا ہے اور آج اس شکل میں ہمارے درمیان رائج قرآن کو پہلی اور دوسری صدی ہجری کی توسیع یافتہ پیداوار جانتا ہے اور اس کا سبب، روایات جمع قرآن کا نااستوار قلمداد کرنا ہے۔[جان ونزبرد ۴۷۔۲۰۰۴ء] دوسری طرف "جان برتون" اسی مفروضہ کے تحت یعنی جمع قرآن سے متعلق مسلمانوں کی گزارشات کو نامعتبر سمجھتے ہوئے "ونزبرو" کے بالکل برعکس ایک نتیجہ اخذ کرتا ہے اور معتقد ہے کہ موجودہ قرآنی نسخہ جو آج ہمارے درمیان موجود ہے، وہی ہے جو پیغمبر لائے ہیں اور اپنی امت کے درمیان چھوڑ کر گئے ہیں اور اس نسخہ کا عثمان یا کسی دوسرے سے کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے۔اس کے بقول جو جو روایات اس کے برعکس کوئی دوسرا تصور پیش کرتی ہیں وہ روایات جعلی اور من گھڑت ہیں[Burton،۱۰۵۔۱۸۹:۲۵۵۔۲۴۰] "ونزبرو" کے علاوہ سب سے پہلا شخص جو زمانہ خلفاء میں جمع قرآن سے متعلق روایات کو بے اعتبار جاننے کی وجہ سے جمع قرآن کو بہت بعد کے ادوار سے مربوط جانتا ہے' [بل کاز انووا] ہے۔اس کے نظریہ کے مطابق اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں عراق کے حاکم حجاج بن یوسف ثقفی کے بدست قرآن کی تدوین عمل میں آئی ۔(Casanova ,103-142,1924,)اس کے علاوہ بھی بہت سارے محققین ہیں جو متن قرآن کو عہد اموی تک ایک سیال اور قابل تغییر متن کی حیثیت سے جانتے ہیں؛چنانچہ اس حوالے سے " آلفرد ولچ" (Weleh,VII,405,1998)،" اسٹفن شومیکر")، (Shoemaker,1087-1090, 2012اور دی پر یمر (De Premare , 278-306, 2002,) جیسے محققین کے نام قابل ذکر ہیں۔اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کی گزارشات کو شک کی نگاہ سے دیکھنا یہ

مغربی اکیڈمی اور اداروں کا کوئی اکلوتا اور اچھوتا نظریہ نہیں ہے۔ بطور مثال ''ہیر الڈ موٹز'' نے شکاکین کی استدلالات پر اعتراضات کی بھرمار کرتے ہوئے جمع قرآن سے متعلق مسلمانوں کی رپورٹس اور اطلاعات کی کافی حد تک تائید کی ہے[اموٹز کی، ۳۴،۲۰۰۱ء] ۳۔

ان تمام نظریہ پردازیوں، کی بنیاد صرف انتزاعی نظریات اور منقولہ گزارشات کی تحلیل پر تکیہ کرتے ہوئے ہے۔ لیکن مطالعات کے میدان میں قرآنی خطی نسخوں کے وارد عمل ہونے سے عینی اسناد و مدارک کی بات سامنے آتی ہے اور یہیں سے قرآن کے قدیم خطی نسخوں کی تاریخ گزاری، تعیین زمان و مکان اور ان کی تحلیل بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ اگر پہلی صدی ہجری میں قدیم قرآنی مصاحف کے وجود کو ثابت کیا جا سکے تو ایسے قوی شاہد اور ثبوت کی موجودگی میں [پل کازانووا''،[جان ونزبرو]،ا''لفرڈ ولچ] ،'' اسٹفن شومیکر ''اور'' ڈی پریمر'' جیسے نظریہ پردازوں کا راستہ کہ جن کا محوری نظریہ، زمان و مکان تدوین قرآن کے حوالے سے مسلمانوں سے منقولہ گزارشات کے اعتبار کو مشکوک و کمزور قرار دینا ہے، خود بخود بند ہو جائے گا۔

آج کل دنیا بھر میں قرآن کے خطی نسخے بہت زیادہ تعداد میں کتب خانوں، عجائب گھروں اور دیگر کتابی مجموعوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نسخوں کو ماہرین خطاطی نے خط شناسانہ [پالی گرافی] روش کے مطابق اور مصحف شناسی روش کی رو سے بہت قدیمی یہاں تک کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے مربوط اور متعلق جانا ہے۔

لیکن آخر کے برسوں میں قرآن کے قدیم خطی نسخوں پر علوم تجربی پر مبتنی روش کے عنوان سے جو کاربن ۱۴ کی آزمائش ہوئی اور اخبارات اور نیوز چینلوں پر اس آزمائش کا جو نتیجہ اعلان ہوا کہ ان میں سے بعض خطی نسخے بہت زیادہ قدمت تاریخی رکھتے ہیں یہاں تک کہ بعض نسخے تو عصر اسلام سے پہلے کے ہیں، اس نے قرآن کے خطی نسخوں سے مربوط تحقیقات میں ایک نئی راہ اور جہت پیدا کی۔ اس مقالے میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ ریڈیو کاربن کے ذریعے کسی قدیم تاریخی شئی کی عمر معلوم کرنے کے اصول کیا ہوں گے؟ اور اسی طرح اس روش کے کمزور اور مضبوط پہلوؤں کی بھی تحقیق کی جائے گی اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس روش کے ذریعے قرآنی نسخوں کی تاریخ گزاری میں اعلان شدہ نتائج پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ ریڈیو کاربن کے ذریعے کسی قدیم تاریخی شئ کی تعیین عمر کے اصول و ضوابط

امریکائی شیمی فیزیک دان ''ویلارڈ فرانک لیبی'' نے اس بات کا پتہ لگایا کہ ہر جاندار کی موت سے اس کے بدن میں ایزوتوپ کاربن ۱۴ کی دریافت رک جاتی ہے [۴] ، بنابراین، موت کے بعد ہر ارگانیک ترکیب اپنے اندر ایک ایٹمی ساعت پیدا کرتی ہے، کیونکہ کاربن ۱۴ کے ناپائیدار ایزوتوپ ، منفی بیٹا[-beta] کی پرتو افگنی اور نورانیت سے دوبارہ نائٹروجن ۱۴ میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور چونکہ کاربن ۱۴ کی نصف عمر 5,730+40 برس[۵] ہے (Godwin, 984,1962) اس لئے نصف عمر 5,730+40 سال کے ہمراہ اس ایزوٹوپ کے اضمحلال کے نتیجے میں ،اس کی مقدار کمسے کم تر ہو جاتی ہے۔ یہ کسر مقدار تاریخی آثار میں موجودہ ثابت مقدار کے مقابلے میں نشان دہی کرتی ہے کہ ارگانیسم کی موت کی کتنی مدت مدّ نظر رکھی گئی ہے ۔(libby،۶۷۱۔۶۷۲،۱۹۴۶) [۶] بنابراین، ارگانیک کی جائے پیدائش کے ہمراہ کسی قدیم تاریخی شئی کی عمر معین کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوگی کہ ہمیں ریڈیو کاربن کے ایزوتوپ کی تعداد معلوم ہو۔ آج کے دور میں کسی ایک نمونے میں کاربن ۱۴کے ایزوتوپ کی تعداد اور مقدار کا اندازہ لگانے کے لئے دو ٹیکنیکوں کا استعمال کیا جاتا ہے:

۱۔ ریڈیو میٹریک ٹیکنیک (radiometric dating)اس روش میں کاربن ۱۴ کی پاشیدگی سے پیدا شدہ ''بیٹا '' ذرات کسی ایک نمونہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس روش سے تقریباً دو یا تین دن میں سال کا پتہ چلتا تھا ،لیکن اس میں ارگانیک مواد کے بڑے نمونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ چونکہ اس روش سے کسی قدیمی اور تاریخی چیز کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے یہ روش کچھ خاص توجہ کا سبب نہیں بن پائی۔

۲۔طیف سنجی جرمی کی سرعت دہندگی (accelerator mass spectrometry)یا(AMS) سے استفادہ : یہ مشین ریڈیو میٹریک روش کے برخلاف جو کہ صرف پاشیدگی سے پیدا شدہ ''بیٹا '' ذرات کو شمار کرتی تھی، کسی تحقیق کی جانے والی چیز کے ایک نمونے میں پائے جانے والے کاربن ۱۴کے تمام ایزوتوپ کی تشخیص اور گنتی کر سکتی ہے۔ تاریخ گزاری کے حوالہ سے ریڈیو میٹرک کا سب سے بڑا امتیاز ، بہت چھوٹے نمونوں سے استفادہ کرنا ہے۔اس ٹیکنیک سے استفادہ کرتے ہوئے ۲۰ ملی گرام یا بعض موارد میں زیادہ سے زیادہ ۵۰۰ ملی گرام کے ارگانیکی نمونوں کی عمر معلوم کی جاسکتی ہے؛ جبکہ دوسری ٹیکنیکوں میں لکڑی اور کوئلہ جیسے نمونوں کے لئے

کم سے کم ۱۰ گرام اور ہڈی کے لئے ۱۰۰ گرام کی ضرورت پڑتی ہے۔اس ٹیکنیک اور روش کے ذریعے سالیابی یعنی سال کا معلوم کرنا ہر نمونہ کے لئے بہت جلد اور چند گھنٹوں ہی میں ممکن اور میسر ہے؛ لیکن دوسری ٹیکنیکوں کے مقابلے میں یہ ٹیکنیک اور روش بہت زیادہ مہنگی اور قیمتی ہے۔ ۷

ہر نمونہ میں موجود ایزوتوپ کی مقدار کا اندازہ لگانے کے بعد ایک سادہ فارمولہ سے استفادہ کرتے ہوئے کسی بھی نمونہ کی عمر کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ۸

۱/۲۔ لیباٹریل اندازہ گیری میں قطعیت کا نہ ہونا

ہر چند ایک قدیمی اور تاریخی شئی کی عمر معین کرنے کا نظریہ اور آئیڈیا بہت سادہ اور منطقی نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دقیق نتائج تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اسی مرحلے میں یعنی مشین کے ذریعے طول عمر کا حساب لگانے میں ہمیں دو طرح کی لیبی خطا ۹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ غلطیاں ایٹم کی تعداد یا "بیٹا" ذرات کی تعداد کو شمار کرنے میں ہوتی ہیں۔ان میں سے ایک غلطی اور خطا، اتفاقی و تصادفی ہوتی ہے اور دوسری سیسٹمیٹک ہوتی ہے۔لیباٹری، ریڈیو کاربن کی اندازہ گیری کے نتائج کو چند فیصد خطا کا لحاظ کرتے ہوئے اعلان کرتی ہے۔اصولی طور پر لیباٹریل نتائج اس طرح اعلان ہوتے ہیں :لیباٹری کا نام اور نمونہ نمبر: لیباٹری ـ + لیناٹری میں محاسبہ شدہ کربنی سال BP ± لیباٹری میں خطائے احتمالی۔

مثال کے طور پر : ۳۳ + - ۱۳۶۳ BP یعنی ۱۹۶۳-۱۹۵۰ مطابق با سن ۵۸۷ عیسوی، ۳۳ سال سے کم یا زیادہ خطا کے فیصد کے ساتھ ۔

اصولی طور پر اتفاقی اور تصادفی غلطیاں مبہم ہوتی ہیں اور ایسی غلطیاں اس وقت آشکار ہوتی ہیں جب یکساں شرائط کے تحت ایک کمیت کی پے در پے اندازہ گیری کے نتیجے میں یکساں نتائج برآمد نہ ہوں ۔بنابراین ،ہمیشہ اور ہر اندازہ گیری میں تردید اور عدم قطعیت کا شگوفہ موجود ہوتا ہے جو اندازہ گیری میں خطا کا سبب ہوتا ہے اور نتیجہ ، صرف مقدار واقعی کا تخمینہ ہوتا ہے اور یہ نتیجہ اس وقت کامل ہوتا ہے جب خاص طور پر عدم قطعیت کے بارے میں ایک بیانیہ کے ہمراہ ہو۔اندازہ گیری کی غلطیاں نارمل ۱۰ تقسیم کی پیروی کرتی ہیں اور شمارش کی روش سے استفادہ کرتے ہوئے متوسط مقدار اور ان کے معیار انحراف کو مشخص کیا جاسکتا ہے۔

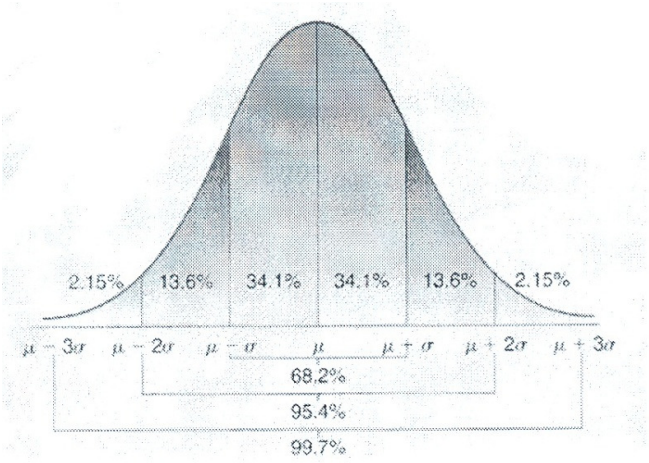

نارمل تقسیمی فنکشن یاگاوسی فنکشن

اس فنکشن کے چارٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اندازہ گیری میں ٦٨ فیصدی قرائت شدہ مقادیر، درمیانی حس سے ایک انحرافی معیار کے دائرے ہیں (۱۰)۔۹۵ فیصد مقادیر درمیانی حد سے دو انحرافی معیار کے دائرے میں ہیں۔ (۲۰)/۷ /۹۹ فیصد مقادیر درمیانی حد سے تین انحرافی معیار کے حدود میں ہیں۔(۳۰)۔بنابراین، کاربن ۱۴ کی آزمائش کے نتائج غالبا ۱۰ کی اساس پر یعنی ٦٨ فیصدی احتمال کے ساتھ ؛یا ۲۰ کی اساس پر یعنی ۹۵ فیصدی احتمال کے ساتھ اور کبھی ۳۰ کی اساس پر بیان ہوتے ہیں۔البتہ واضح رہے کہ ۲۰اور ۳۰ کی سطح پر احتمالی مدّت زمانی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔بنابراین، ریڈیو کاربن کی آزمائش کے ذریعے کسی قدیم اور تاریخی شئ کی تعیین عمر سے برآمد نتائج میں ہمیشہ کسی وقفہ کاسامنا کریں گے اور یہ وقفہ اور فاصلہ کبھی اتنا طولانی ہوتا ہے کہ تقریباایک یادو صدی کی تاریخ بتاتا ہے۔ جیسے سینٹ پیٹرزبرگ ،بخارااور تاشقند میں عثمان سے منسوب قرآن کے ایک ورق پر پر کاربن ۱۴ کی آزمائش سے مربوط نتائج ،سینٹ پیٹرزبرگ میں انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کی لائبریری میں E20manuscript شمارہ کے ساتھ ٦٨ فیصدی (سطح ۱۰)احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۷۸۱تا ۷۹۱ ؛ ۸۲۵ تا ۸۴۳؛ ۸۵۹ تا ۹۰۳ ؛۹۱۵ تا ۹۷۷ عیسوی اور ۹۵ فیصدی(سطح ۲۰)احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۷۷۵تا ۹۹۵عیسوی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ (اا ۲۰۰۰،۱۹۔Rezvan یعنی اس درجۂ احتمال کے ساتھ اس خطی نسخے کے زمان تولید کے لئے تقریبا۲۲۰برس کاوقفہ مدّ نظر رکھا جاسکتا ہے یعنی دوصدی سے کچھ زیادہ

۔ورق شمارہ ۸۲۶۴۔OR پر آزمائش کے نتائج کا دوسرا مورد لائیڈن یونیورسٹی ہے جو ۹۵/۴ فیصدی احتمال کے ساتھ اس کی تاریخ کی نشان دہی مابین سالہائے ۶۳۵تا ۷۶۶،۱۱۳ برس کی طولانی مدّت زمانی میں کرتا ہے۔اس کا مطلب ہے ایک صدی سے زیادہ غیر یقینی صورتحال ! یاجرمن کی قومی لائبریری میں wetzstein II 1913 نسخہ کے اوپر کاربن ۱۴ کی آزمائش کا نتیجہ تقریباً ۸ /۷۲ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۶۶۲تا ۷۱۴ عیسوی اور 22/6 فیصدی احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۷۴۵تا ۷۶۵ کی تاریخ معین کرتا ہے (۲۵،۲۰۱۵ marx & jocham). کاربن ۱۴ کی آزمائش کے نتائج کے مطابق یہ مصحف ۹۵ فیصدی احتمال کے ساتھ ۴۱ سے ۷۱۴ قمری کے درمیان قرار پاتا ہے۔ایک دوسرے نمونہ کی رو سے برلین میں جرمن کی قومی لائبریری میں موجود ۱۹۱۹ء (Wetzstein II, (Ahlwardt 331 نسخہ کے لئے حاصل شدہ فاصلہ زمانی کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جو ۹۵/ ۴ فیصدی احتمال کے ساتھ ۶۷۰ اور ۷۶۹ عیسوی کے درمیانی برسوں کا ہے[۱۲] یعنی 95% احتمال کے ساتھ یہ قرآن ۱۴۹ اور ۱۵۱ ہجری قمری کے درمیانی برسوں میں معرض وجود میں آیا ہے۔یہ نتائج زیادہ احتمال کے ساتھ ہمیں ایک صدی یا اس سے زیادہ کا فاصلہ دکھاتے ہیں جو ہمیں کسی معین تاریخ کی رہنمائی نہیں کر سکتے ہیں۔صرف یہ اطمینان حاصل ہو سکتا ہے کہ مثلاً کسی زمانے میں کھال پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کتابت پہلی یا دوسری صدی ہجری کی ہے۔

لیکن کچھ دوسرے موارد میں یہ فاصلہ نسبتا مختصر ہے اور ہمیں ایک قابل قبول مدت زمانی کی نشان دہی کرتا ہے :برلین میں جرمن کی قومی لائبریری (staatsbibliothek) میں ایک قرآنی خطی نسخہ [۱۳] کے نمونہ پر ریڈیو کاربن کے ذریعے تعین عمر کی آزمائش کا نتیجہ موجود ہے اور یہ اس طرح کے نمونہ کی ایک دوسری مثال ہے اور اس کا شمارہ ms or fol 4313 ہے،اس آزمائش کی رو سے اس ورق کی عمر ۴ / ۹۵ فیصدی احتمال کے ساتھ ۶۰۶ اور ۶۵۲ عیسوی کے مابین تعین کی گئی ہے۔ (marx and locham, 22, 2015)اسی طرح نسخہ ٹوبنجن جس کا شمارہ m a vi 165 ہے اور وہ ٹوبنجن کی لائبریری میں کوفی ویٹرسٹین قرآنی مجموعات کا خط کوفی میں لکھا ہوا ایک قرآنی نسخہ ہے۔اس کی آزمائش سے حاصل شدہ نتیجہ بھی تاریخ کے گئے چنے نتائج میں سے ایک ہے جو ۶۴۹ اور ۶۷۵ عیسوی کے درمیانی برسوں کی نشان دہی کرتا ہے (. marx and jocham 2015 [۱۴] 23) یعنی وفات پیغمبر اسلام کے بعد بیس سے چالیس برس۔دوسرا نمونہ inv no 20. 33.1 صنعاء [۱۵] کا نسخہ ہے

جس کی تاریخ سار لنڈ یونیورسٹی کے تین محققین کارل بینزااولیگ، گیرڈ روڈیکر پوائن اور جینیز کاسپر فن بتمر، نے تاریخ ہنر اور پالیو گرافیک تحقیات کو بروئے کار لاتے ہوئے پہلی صدی ہجری کی آخری دہائیوں میں ۷۱۰ اور ۷۱۵ کے درمیانی برسوں میں (۹۱ اور ۹۶ ہجری کے درمیان) معین کی ہے۔ وہ اعلان کرتے ہیں کہ اس نسخہ پر جو کاربن ۱۴ کی آزمائش انجام پائی ہے اس آزمائش کے نتائج کی رو سے اس کی تاریخ ۶۵۷ اور ۵۹۰ عیسوی کے درمیانی برسوں کی نکلتی ہے۔ (BOTHMER, OHLIG AND PUIN, 45, 1999) وہ اس آزمائش کے نتائج کی کوئی دقیق اطلاع نہیں دیتے ہیں۔ مثلا یہ معلوم اور مشخص نہیں ہے کہ یہ نتائج کتنے فیصد احتمالی ہیں۔ لیکن اس آزمائش میں جو بہت مختصر سا فاصلہ زمانی پایا جاتا ہے وہ تقریبا ۳۳ برس ہے، کچھ عجیب لگتا ہے۔

۲/۲۔ آزمائش شدہ نمونہ کی سطح سے آلودگیوں کو دھونا اور زائل کرنا

ریڈیو کاربن کی روش سے تاریخ گزاری میں ایک دوسرا اہم نکتہ اس آلودگی اور گرد کو پاک کرنا ہے جو مرور زمانہ سے نمونہ کے اوپر بیٹھ گئی ہے اور آزمائش اور ٹیسٹ کے نتائج پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ موضوع شیمی فیزیک کے شعبے میں خود بخود ایک مفصل اور طولانی بحث ہے اور امید کی جاتی ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ اس حوالے سے مفصل تر تحقیقات سامنے آئیں گی مثلاً پاکسازئ نمونہ کی کون سی روش بہتر نتائج پیش کر سکتی ہے اس سلسلہ میں بہت سارے آراء و نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ اوران تحقیقات کی تکمیل سے ریڈیو کاربن کی آزمائش کے نتائج میں بھی بہتری آسکتی ہے۔ خاص طور پر ماس اسپیکٹومیٹری ایکسلریٹر کے ذریعے ماس ڈیٹنگ میں اس بات کے پیش نظر کہ آزمائش شدہ نمونہ بہت چھوٹا اور مختصر ہے، ان آلودگیوں کو کنٹرول کرنا بہت مشکل کام ہے جو ممکن ہے نمونہ پر بیٹھ گئی ہوں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان آلودگیوں کو ختم اور زائل کرنے کے لئے بہت شدید تدابیر اختیار کی جائیں۔ چنانچہ اس حوالے سے تحقیق شدہ قدیمی اشیاء سے آلودگیوں کو زائل کرنے کے عام طور پر ۱۶ اور جانور کی کھال پر سے آلودگی کو برطرف کرنے کے لئے خاص طور پر ۱۷ بہت ساری تحقیقات انجام پائی ہیں۔

۲/۳۔ calibration۔ انشانکن۔ ڈیٹاز

ریڈیو کاربن کی روش سے جو تاریخیں نکلتی ہیں وہ ریڈیو کاربن سال پر مشتمل ہوتی ہیں جنھیں کلنڈر سال میں تبدیل کرنے کیلئے انشانکن یا واسنگی ۱۸ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کاربن آسوٹوپ ۱۴ کاربن ۱۲ کی بہ نسبت

جو ریڈیو کاربن کی عمر کے محاسبہ میں ایک اساسی عنصر ہے، پوری تاریخ میں یکساں نسبت سے محروم ہے۔ بذریعہ کاربن، تعین عمر کے آزمائشی نتائج کے زیادہ سے زیادہ دقیق تر ہونے کی خاطر انشانکن یا وابستگی نمودار (چارٹ) کی ضرورت ہے۔ بذریعہ ریڈیوکاربن تعین عمر کا یہ نقشہ کچھ ان نمونوں سے حاصل ہوتا ہے جن کی عمر بطور دقیق معین و مشخص ہے۔ معمولا نتائج کااندازہ لگانے اور نتائج کو معلوم۔ Caliber۔ کرنے کی مطمئن ترین روش درختوں کے حلقوں کی علامات سے استفادہ کرنا ہے۔اسی بنیاد پر اولین منحنی کالیبراسیون ۱۹۶۷عیسوی میں بذریعہ ہانس سوس[Hans Suess] منتشر ہوئی ،(۱۹۵۵،۲۰۔ ۱۶۔Bowman)۔ لیکن ۱۹۸۹عیسوی سے اس فکر اور نظریہ کے تحت کہ کاربن ایزوتوپس میں رونما ہونے والی تبدیلیاں تمام اطراف واکناف عالم میں اور تمام ادوار تاریخ میں یکساں نہیں ہیں، متعدد منحنی کالیبراسیون متفاوت اور علیحدہ شمارشی روشوں اور طریقہ ہائے کار کے ساتھ منتشر ہوئی جس کی یہ کوشش رہی کہ ہر بار سابقہ نموداروں میں بہتری آئے۔ اہم انشانکن ڈایاگرام کی سب سے اہم سیریزIWG گروہ(Intcal Working Group) سے تعلق رکھتی ہے جس نے ۹۸ عیسوی میں پہلا انشانکن ڈایا گرام Intcal98 کے نام سے منتشر کیا اور اس کے بعد ۲۰۰۴عیسوی میں Intcal04 [۱۹] کے نام سے اور ۲۰۰۹ عیسوی میں [۲۰] Intcal09کے نام سے اور آخری بار ۲۰۱۳ عیسوی میں [۲۱] Intcal13کے نام سے اپ ڈیٹ ہوا۔

ریڈیوکاربن ثبسٹ کے اعداد وشمار کا تجزیہ کرنے کے لئے چند کمپیوٹری پروگرام بھی بشمول calibETH[۲۲] پروگرام ،انشانکن چارٹ کی بنیاد پر ترتیب دئے گئے ہیں ۔ایک اور وسیع تر پیانے پر استعمال ہونے والا پروگرام OXCAL[۲۲] پروگرام ہے جو سب سے پہلے ۱۹۹۴عیسوی میں متعارف کرایا گیا[۲۳] تھاالبتہ کچھ برس بعداس کے اندر کچھ تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ [۲۴]

استعمال شدہ انشانکن ڈایاگرام کو تبدیل کرنے سے نتائج بھی کسی حدتک تبدیل ہوجاتے ہیں۔مثال کے طور پر کوفی قرآن کاایک ورق جوایک شخصی مجموعہ میں محفوظ تھا،اس حوالے سے یاسین ڈاٹن کاایک مقالہ شائع ہوا ۔اس مقالہ میں اس ورق کے ریڈیوکاربن کا سن BP۱۳۶۳ +- ۳۳ تعیین ہواہے۔اس مقالہ میں اس ڈیٹا کو intcal98انشانکن ڈایاگرام کے ساتھ کیلیبریٹ کیاگیا ہے اور نتائج کااعلان اس طرح کیاگیاہے : مورد نظر ورق کی کھال ۶۸/۲ فیصد احتمال کے ساتھ ۶۴۷ اور ۶۸۵ عیسوی کے درمیانی سالوں سے تعلق رکھتی ہے،یعنی

۲۶ سے ۶۶ ہجری کے درمیانی برسوں سے تعلق رکھتی ہے۔ سطح [۲۰] کے نتائج بھی ۹۵/۴ فیصد احتمال کے ساتھ نسخہ خطی کی عمر کو ۶۱۰ اور ۷۲۰ عیسوی کے درمیانی برسوں کے مابین دکھاتے تھے (یعنی ۱۲ برس ہجرت سے پہلے اور ۱۵۳ برس ہجرت کے بعد) لیکن اس احتمال کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی احتمالی اور ممکنہ اوقات جو ایک دوسرے سے اور لیب ہوتے ہیں اور میل بھی نہیں کھاتے ہیں۔ پہلا حصہ ۹۰/۵ فیصد احتمال کے ساتھ ۶۱۰ اور ۷۲۰ عیسوی کے درمیانی سالوں پر محیط ہے ۔(۱۲ برس قبل ہجرت تا ۱۰۲ ہجری) اور دوسرا حصہ ۹/۴ فیصد احتمال کے ساتھ ۷۴۰ اور ۷۷۰ عیسوی کے درمیانی سالوں پر محیط ہے (۱۲۲ تا ۵۳۰ ہجری (Dutton, 63.64, 2007)ان کا ماننا ہے کہ میں نے بھی دوسری بار ٹیسٹ کے نتائج کو انٹکل ۱۳انشاکن چارٹ کے ساتھ کیلیبریٹ کیا اور نتائج اس طرح تبدیل ہوگئے :۵/۹۵ فیصد احتمال کے ساتھ ۶۰۸ اور ۶۹۵عیسوی کے درمیانی سال (۸۷ برس)اور دو دوسری مدت زمانی کا بھی احتمال پایا جاتا ہے۔ایک ۲/۱ فیصد احتمال کے ساتھ ۷۰۱اور ۷۱۰کے درمیانی سال اور دوسرا ۳۸۱ فیصد احتمال کے ساتھ ۷۴۶ اور ۷۶۴ عیسوی کے درمیانی سال۔ہر چند یہ دونوں نتیجے ایک دوسرے سے نزدیک ہیں لیکن فاصلہ زمانی اور احتمال کے فیصد میں کسی حد تک تبدیلی ضرور ہے۔

۳۔ بحر المیت کے مخطوطات کی عمر کا تعین کرنے میں کاربن ۱۴ کی روش کے مطابق سال کے استخراج میں دقت نظر

ریڈیو کاربن ڈیٹنگ میں اہم سوال یہ ہے کہ یہ آزمائش اور تجربہ کتنا دقیق اور قابل اعتماد ہے ؟اور کیا ان موارد سے استفادہ کرتے ہوئے جن کی تاریخیں دوسرے طریقوں سے مشخص ہیں ،نتائج کی صحت پر اطمینان کیا جاسکتا ہے ؟قرآن کے خطی نسخوں سے پہلے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان کشف شدہ بحر المیت کے چودہ سکرول [طومار] پر ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کی گئی۔ اور اس کاربن ڈیٹنگ میں AMS ماس اسپیکٹومیٹر کا استعمال کیا گیا ۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ان چودہ سکرول اور طوماروں میں سے چار سکرول اور طومار تاریخ دار تھے یعنی ان پر تاریخ پڑی ہوئی تھی اور بقیہ کے لئے آثار قدیمہ اور خطاطی کی ٹیکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے ایک تاریخی دور لحاظ کیا گیا تھا۔ نتیجہ آزمائش میں اعلان ہوا کہ ایک مورد کو چھوڑ کر اکثر موارد میں ریڈیو کاربن کا استعمال کرتے ہوئے معلوم کی گئی تاریخ ان تاریخوں کے ساتھ تقریبا اور لیب اور میل کھاتی ہے۔ لیکن اس آزمائش کے نتیجے کا دقت

نظر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جو ریڈیو کاربن کی آزمائش کے نتائج اور پہلے کی تاریخوں میں مطابقت کا دعوی کیا گیا ہے وہ بالکل بھی دقیق اور قابل اعتماد نہیں لگتا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ماہرین آثار قدیمہ نے ان خطی نسخوں کے لئے جو تاریخ معین کی ہے اس میں اور ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کے ذریعے حاصل کئے نتائج میں بنیادی طور پر ایک طویل فاصلہ اور وقفہ ہے۔ پھر بھی یہ دونوں وقفۂ زمانی، بہت سے معاملات اور موارد میں بالآخر ایک دوسرے سے میل کھاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے باوجود یہی طویل وقفۂ زمانی بھی کبھی ایک دسرے سے میل کھاتا نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر TESTAMENT OF QAHAT کے خطی نسخے میں کھال کے چار نمونوں پر کاربن ۱۴ ٹیسٹ کا نتیجہ ۶۶ فیصد کے احتمال کے ساتھ ۳۰۹ اور ۲۳۵ قبل مسیح کے درمیانی سال کی اور ۳۴ فیصد کے احتمال کے ساتھ ۳۸۰ اور ۳۵۳ قبل مسیح کے درمیانی سال کی نشان دہی کرتا ہے۔ درحالیکہ پالو گرافک ڈیٹنگ نے خطی نسخہ کی کتابت کی تاریخ ۱۰۰ اور ۷۵ قبل مسیح کے درمیان معین کی ہے۔ (BONANI AND---۸۴۵،۱۹۹۲) بنابراین، ریڈیو کاربن اور پالو گرافک ڈیٹنگ دونوں میں بالکل بھی مطابقت نہیں پائی جاتی۔

لیکن چار خطی نسخے جن میں تاریخ لکھی ہوئی ہے، ان خطی نسخوں میں ہمیں کسی وقفۂ زمانی کا سامنا نہیں ہے۔ بلکہ ایک دقیق تاریخ سے سروکار ہے اور کاربن ۱۴ کے مقابلے میں پالو گرافک ڈیٹنگ میں اشتباہ کا احتمال بھی منتفی ہے۔ ان چار تاریخ دار خطی نسخوں کی بدولت کاربن ۱۴ کی دقت آزمائش کو اور زیادہ جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ wadi Daliyeh پاپیروس [ورق] ۲۵ پر کاربن ۱۴ کی آزمائش مورخہ ۳۵۱-۳۵۲ قبل مسیح، دو مدت زمانی کی نشان دہی کرتی ہے، ایک مدت زمانی ۵۵ فیصد احتمال کے ساتھ ۴۰۵ سے ۳۵۴ قبل مسیح تک اور دوسری مدت زمانی ۴۵ فیصد احتمال کے ساتھ ۳۰۶ سے ۲۳۸ قبل مسیح تک۔ باوجودیکہ خطی نسخہ کی دقیق تاریخ مدت زمانی ۴۰۵ تا ۳۵۴ قبل مسیح سے نزدیک ہے لیکن پھر بھی اس مدت زمانی میں داخل نہیں ہے۔ اس آزمائش شدہ مجموعے کا دوسرا تاریخ دار ورق Wadi Seyal ہے جو ۱۳۰ یا ۱۳۱ عیسوی سے تعلق رکھتا ہے، درحالیکہ ریڈیو کاربن کی آزمائش میں حاصل شدہ مدت زمانی ۲۸ تا ۱۲۲ عیسوی برسوں کی تاریخ کی نشان دہی کرتی ہے جو ایک بار پھر کاربن ۱۴ کی مجوزہ مدت زمانی کے اندر قرار نہیں پاتی (Bonani &---۸۴۵،۱۹۹۲) لیکن شایان ذکر ہے کہ ہر دو مورد میں ریڈیو کاربن ٹیسٹ کے ذریعے حاصل شدہ تاریخ خود مخطوط کی تاریخ

سے پہلے ہے جو یقیناً اس مفروضہ کے تحت کہ پوست (کھال) کی بناوٹ کی تاریخ، قطعی طور پر تاریخ کتابت سے قدیم تر ہے، قابل توجیہ ہو سکتی ہے۔

ایک دوسری تحقیق میں ۱۸ طومار (سکرول) اور بحر المیت کے علاقے وادی قمران اور نحل ہور کے غار نمبر ۱، ۲ اور ۴ کے سوتی کپڑے کے دو ٹکڑوں پر کاربن ۱۴ کی آزمائش ہوئی جن میں سے تین اوراق [پیپرس] تاریخ دار تھے لہٰذا ان کی تاریخ کتابت معین و مشخص تھی۔ تین تاریخ دار نمونوں میں سے ایک نمونہ میں مخطوط Dss 52 Kefar Bebayou کی تاریخ ۱۳۵ عیسوی کے بعد ہے درحالیکہ کاربن ۱۴ ٹیسٹ کے نتائج نے اس کی عمر سطح (۲۰) میں ۱۴۴ اور ۳۷۰ کے درمیانی سال یعنی مخطوط کی تاریخ کتابت سے کم سے کم ۱۱ سال بعد اور سطح (۱۰) میں ۱۲۳۱ اور ۳۳۲ عیسوی برسوں کے مابین تعین کی ہے (Jull&.... 11 .19, 1995) یعنی مخطوط کی واقعی تاریخ کسی بھی احتمالی مدت زمانی میں یہاں تک کہ طولانی ترمدت (۲۰) میں کاربن ۱۴ ٹیسٹ کے معیار پر پورا نہیں اترتی ہے۔ کاربن ۱۴ ٹیسٹ سے حاصل شدہ تاریخ کا مخطوط کی واقعی تاریخ سے متاخر ہونا قابل توجیہ نہیں ہے۔ البتہ بحر المیت کے مخطوطات پر ریڈیو کاربن ٹیسٹ کے نتائج میں روغنی آلودگی کی دخالت کے احتمال پر کچھ تحقیقات ہوئی ہیں جو اس ٹیسٹ کے نتائج کی صحت و دقت میں شک و تردید پیدا کرتی ہیں۔ ۲۶

۴۔ قرآنی مخطوطات کی قدمت [دیرینگی] کا تعین

حالیہ برسوں میں بعض قرآنی خطی نسخوں پر ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کے تجربات کئے گئے ہیں۔ ان تجربات کے نتائج کے اعلان کے ساتھ کہ غالباً بہت پرانے زمانے کی نشان دہی ہوئی تھی، آزمائش شدہ نسخہ خاص اہمیت اختیار کر چکا تھا۔ قرآن کے قدیم مخطوطات میں جو کچھ ہم نے بحر المیت کے مخطوطات میں مشاہدہ کیا، اس کی بہ نسبت مسئلہ تھوڑا متفاوت ہے۔ قدیم قرآنی مخطوطات میں درحقیقت تاریخ دار خطی نسخہ کا ملنا بہت مشکل ہے۔ قدیمی ترین تاریخ دار مخطوطاتِ قرآنی تیسری صدی ہجری کے اواخر کے مابعد سے تعلق رکھتے ہیں۔ قدیم قرآنی نسخے جو خود تاریخ دار نہیں ہیں ان کی ڈیٹنگ پہلے درجے میں پالو گرافک آلات یا خط شناسانہ آلات کی مدد سے صورت پذیر ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے یہ روش عربی رسم الخط میں ابھی درجہ کمال کو نہیں پہونچی ہے۔ قرآنی خطی نسخے اتنے زیادہ اور متنوع ہیں کہ ان کی خط شناسانہ طبقہ بندی بہت دشوار نظر آتی ہے، اسلامی سرزمین کا وسیع و عریض جغرافیہ اور کتابت مصحف کا کچھ اشخاص یا مخصوص طبقہ سے مخصوص نہ ہونا اور یہاں

تک کہ کتابت مصحف میں کسی خاص روش سے استفادہ نہ کرنا، ان سب باتوں نے ان خطی نسخوں کی ڈیٹنگ کو بے حد دشوار بنادیا ہے۔

عربی خطی نسخوں کی شناخت، طبقہ بندی اور مختلف اسالیب کی ڈیٹنگ کے حوالے سے یورپ میں ۱۸ویں صدی عیسوی کے اواخر سے جو کوششیں ہوئی ہیں، وہ کوششیں اصولی طور پر کسی خاص لائبریری میں محدود کتابی مجموعوں کے مطالعہ پر مشتمل تھیں جن میں سے کوپن ہیگن ۲۷ کی رائل لائبریری میں موجود قرآنی نسخوں پر کرسٹین ایڈلر کی کاوش، فرانس کی قومی لائبریری ۲۸ میں موجود مجموعہ مخطوطات پر میکلہ آماری کی کاوش، شیکاگو یونیورسٹی ۲۹ کی انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل استڈیز میں موجود قرآنی مجموعے پر نابیا ایبنگی کاوش، ناصر خلیلی کے مجموعے میں موجود قدیم قرآنی مخطوطات پر فرانسواڈروچ کی کاوش کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ فرانس کی قومی لائبریری ۳۰ میں موجود قرآنی قطعات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مذکورہ نمونوں کے علاوہ عربی رسم الخط کی پیدائش، دگرگونی اور عربی رسم الخط کے مختلف اسالیب کے حوالے سے متعدد آثار ماقبل اسلام سے عربی خوشنویسی کی ہنری تشکیل تک رشتہ تحریر میں آچکے ہیں۔ ۳۱

خطی روش کے علاوہ کتابت و املاء کے قواعد بھی مخطوط تاریخ گزاری کے ایک اوزار کی حیثیت سے پہچانے گئے ہیں۔ ناقص رسم الخط اور اس کی کامل رسم الخط کی طرف ارتقائی پیش قدمی، ہر چند کہ اس سیر و حرکت نے ہمیشہ ایک سیدھی راہ طے نہیں کی ہے اور کبھی اس نے مدّ وجزر کا بھی تجربہ کیا ہے، عربی رسم الخط کی یہ ارتقائی ترقی مخطوط کی قدمت و دیرینگی اور حدود زمانی کی تعیین میں مدد و معاون اور مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

مصحف شناسی یا کوڈیکولوجی (codicology) بھی ارتقاء مصحف کے علم کے عنوان سے اسلامی مخطوطات کے شعبے میں قرآنی مصاحف کی ڈیٹنگ میں ایک اہم چیز ہے۔ جن چیزوں پر متن لکھا گیا ہے اور اسی طرح مخطوط کے فیزیکی مشخصات اور جسمی خصوصیات جیسے ورق کی جنس، اس کے ابعاد، سطر بندی و صفحہ آرائی، فارموں کی شکل اور اوراق کی دستہ بندی وغیرہ خود اپنے ہمراہ مخطوط کی تاریخ کی نشانیاں رکھتے ہیں۔ ۳۲

ایک مخطوط کا مطالعہ اس میں بروئے کار لائے گئے فن کے لحاظ سے اور اسلامی ہنر اور قدیم آرٹ کی تاریخ سے دستیاب ڈیتا، قدیم قرآنی نسخوں کی ڈیٹنگ کا ایک اور اہم ذریعہ ہے۔ ایک نسخہ میں موجود تذہیب [سونے کا کام]

اور اس کا دوسرے ہم عصر مصاحف سے موازنہ خواہ اس سے متقدم ہو یا متأخر ،اور اس تذہیب میں بروئے کار لائے گئے ہنری اور فنی نمونوں کا اسلامی ہنر کے باقیات سے (جو اموی اور عباسی ادوار کی دین ہیں اور آج ہمارے درمیان موجود ہیں) تقابلی مطالعہ ،قرآنی نسخوں پر تحقیق کرنے والوں کے لئے خطی قرآنی نسخوں کی ڈیٹنگ کے لئے ایک مناسب اشارہ ہے۔اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تاریخ دار ہنری آثار کی مناسب مقدار آج بھی موجود ہے ،چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹائلوں ، پتھروں ، کتبوں اور اسلامی و خلافت کے حدود میں اسلام کی ابتدائی صدیوں سے مربوط سکوں کے اوپر موجود ،آثار وعلامات کی آج کے دور میں بھی کوئی کمی نہیں ہے۔اسلامی ہنر کی تاریخ کا مطالعہ ،قرآنی نسخوں کی قدمت کے تعین میں ایک مناسب وسیلہ ہو سکتا ہے لیکن ہمیشہ یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ بہت سارے قرآنی مصحف برسوں بعد مذہب (سنہرے) ہوئے ہیں۔اس وجہ سے تاریخِ تذہیب اور تاریخ کتابتِ متنِ قرآن کا یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔

تاہم ان روشوں میں سے کوئی ایک بھی روش خواہ تنہا، خواہ ایک دوسرے کے تعاون سے بالکل بھی دقیق نہیں ہے کہ ہماری قدیم قرآنی نسخوں کی طرف کسی قابل قبول مدت زمانی کی طرف رہنمائی کرسکے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فہرستوں میں مصاحف کی تاریخ گزاری اور ڈیٹنگ وسیع و طویل مدت زمانی کی صورت یا پھر شک وتردید کے ساتھ انجام پائی ہے ۔دو صدی (مثلا تیسری اور چوتھی صدی ہجری) سے نصف صدی (تیسری صدی کے نصف دوم) تک بہت سارے موارد میں ایسی مختصر مدت زمانی چند برس کی حد میں بیان ہوئی ہے یہاں تک کہ قرآنی مخطوطات کی ڈیٹنگ میں ماہرین کے درمیان بہت سارے اختلافات نظر آتے ہیں۔

بنابراین، بحر المیت کے مخطوطات کے حوالے سے جو روایتی ڈیٹنگ مخطوطات کے لئے پہلے انجام پائی ہے، اس میں دقت نظر کی کمی نظر آتی ہے اور اصولی طور پر فہرست اور کیٹلاگ میں درج شدہ تاریخ، طولانی مدت زمانی کی حامل ہے جو تخمینی و تقریبی ہے۔خاص طور پر بحر المیت کے مخطوطات میں اس بات کے پیش نظر کہ قابل توجہ مخطوطات، تاریخ دار ہیں یا پالو گرافک ڈیٹنگ کے حامل ہیں، جو نسبتا دقیق تر ہے۔(مثلاً ۱۲۵ سے ۱۰۰ قبل مسیح تک کی مدت زمانی ،اسے ۳۰ قبل مسیح تک)اس بات کی تحقیق کا امکان کہ ریڈیو کاربن ۱۴ کی آزمائش کے نتائج کسی حد تک پالیو گرافک ڈیٹنگ سے ہم آہنگی اور مطابقت رکھتے ہیں، کچھ زیاد ہے۔ لیکن اس دقت کے

ساتھ ایسے موازنہ اور تقابلی مطالعہ کا امکان بہت قدیم قرآنی مخطوطات کے لئے نہیں ہے۔ ہر چند تاریخ دار قرآنی نسخوں کے لئے ایسا موازنہ اور تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ ذیل جدول بعض ان قرآنی مخطوطات کی فہرست کی نشان دہی کرتا ہے جن پر ریڈیو کاربن ۱۴ کی آزمائش کی گئی ہے اور پھر ریڈیو کاربن کی روش کو بروئے کار لاتے ہوئے ڈیٹنگ کے حوالے سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں، ان کا روایتی تاریخ گزاری اور ڈیٹنگ سے موازنہ کیا گیا ہے:

مخطوط کا نام	مخطوط کی نوعیت ۳۳	روایتی تاریخ	کاربن ۱۴ کی تاریخ
مخطوط UL.OR 14 ۵۴۵ لیڈن یونیورسٹی ۳۹	B I a	نویانوسڈا نے اس مخطوط کو پہلی صدی ہجری سے متعلق جانا ہے۔ (NOSEDA,19-28,2000)	۶۵۲ تا ۷۶۳ عیسوی ۳۴
پیپرس شمارہ ۸۲۶۴ OR لیڈن یونیورسٹی (۴۱)		نویانوسڈا نے اس پیپرس کو تیسری صدی ہجری سے متعلق جانا ہے ,NOSEDA (317, 2004,)	۶۵۳ تا ۷۶۶ عیسوی (۴۰)
وٹسٹائن کے مخطوطات II ۱۹۱۳	BIa		۷۲/۸ بہ احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۶۶۲ تا ۷۱۴ میلادی اور ۲۲/۶ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۶۴۵ تا ۷۶۵ عیسوی (MARX &jocham,25, 2015) (۴۲)
ورژن Wetzstein ii 1919 (Ahlwardt331) (۴۴)	کوفی		۹۵/۴ احتمال کے ساتھ مابین سالہاے ۶۷۰ تا ۷۶۹ عیسوی (۴۳)

ورژن Ms.Or.Fol.4313 جرمنی (۴۵)	حجازی	مورٹز نے اسے تیسری صدی سے متعلق جانا ہے **(MORITZ,1905,PLATE 44,NO.16.)** لیکن نویانوسڈا نے برلن میں موجود اوراق کی تحقیق کی بناپر اور گرومان (GROHMANN, 222,1958) میں اوراق قاہرہ کی تحقیق کی بناء پر ایک مقالہ میں اس کو پہلی صدی سے متعلق جانا ہے	۹۵/۴ احتمال کے ساتھ مابین سالہاے ۶۰۶ تا ۶۵۲ عیسوی **(MARX& JOCHAM,2015,22)**
ٹبنگن ورژن نمبر M a VI 165	B I a	اس نسخہ کی ڈیٹینگ پہلے ۸ ویں یا دوسری صدی ہجری میں ہوئی تھی۔ (FEDELI, 99, 2010)	۶۴۹ تا ۶۷۵ عیسوی **(MARX & Jocham, 2015,23)**
ایک شخصی کتابی مجموعہ میں کوفی قرآن کا ایک اقتباس	Cia		۹۵/۵ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہاے ۶۰۸ تا ۶۹۵ عیسوی (۸۷ سال) اور دو دوسری مدت زمانی بھی محتمل ہے ایک ۲/۱ فیصد احتمال کے ساتھ بین سالہاے ۷۰۱ تا ۷۱۰ عیسوی اور دوسری ۳۸ فیصد احتمال کے ساتھ بین سالہاے ۷۴۶ تا ۷۶۴ عیسوی نیز (۴۶)
ManuscriptE20 سینٹ پیٹرزبرگ،		افیم رضوان نے اس کی ڈیٹنگ ۸ ویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں کی ہے۔	۹۵ فیصد سطح (q۲) احتمال کے ساتھ بین سالہاے

کاتالان، تاشقند، بخارا میں عثمان سے منسوب مصحف		(REZVAN,26,1998) فرانسوا دروش نے اس کو دوسری یا آٹھویں صدی ہجری سے متعلق جانا ہے (DEROCHE,VOL7,70, ,1999) لیکن ایلین جارج نے کاربن ۱۴ کی آزمایش کے نتایج کو ناکارآمد جانتے ہوئے اس مخطوط کی تذہیب اور روش خط کے پیش نظر ساتویں صدی عیسوی کے اواخر اور آٹھویں صدی کے اوائل میں اس کی تاریخ تجویز کی ہے (GEORGE,88,2009)	۷۷۵تا۹۹۵ عیسوی (۴۷)
مصحف دارالمخطوطات صنعاء DAM01 25.1 (۴۹)	حجازی	پہلے اس قرآن کی ڈیٹنگ پہلی صدی ہجری میں ہوئی تھی (MASAHIF -SAN'a ' 60 & ,61. 1985)	مابین سالہائے ۵۴۳ تا ۶۴۳ عیسوی (۴۸(RIBIN،۶۵،۲۰۱۵)
مصحف دارالمخطوطات صنعاء DAM01 29.1	حجازی	پہلی صدی ہجری میں ڈیٹنگ ہوئی ہے (MASAHIF SAN 'A',58,1985)	ورق نمبر ۸ مابین سالہائے ۴۳۹تا۶۰۶ عیسوی۔ ورق نمبر ۱۳ مابین سالہائے ۶۰۳ تا ۶۶۲(۶۵،۱۰۱۵)، (Robin)
بیر منگام ورژن (۵۱)	حجازی	منگانا کلکسیون کے عربی اسلامی نسخوں میں سے اس مخطوط کی اس سے پہلے گوتشالک کیٹلاگ میں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ڈیٹنگ ہوئی تھی (GOTTSCHALK,2,1948)	۹۵ / ۴ بزاحتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۵۶۸تا۶۴۵ عیسوی (یعنی ۵۴ سال ماقبل ہجرت سے ۲۳ سال مابعد ہجرت تک) (۵۰)

ورژن صنعاء INV.NO.20-33.1	C.IA	پہلی صدی ہجری کی اخری دہائیوں میں مابین سال ہاے ۷۱۰ تا ۷۱۵ عیسوی (بین سال ہاے ۹۱ تا ۹۶ ہجری) ڈیٹنگ ہوئی ہے۔ (BOTHMER,OHLIG & PUIN,45, 1999)	۶۵۷ تا ۶۹۰ عیسوی (BOTHMER,OHLIG& PUIN,45,1999)

مذکورہ بالا جدول میں دقت کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآنی مخطوطات کی روایتی تاریخ گزاری غالباً ایک طولانی مدت زمانی میں قرار پاتی ہے اور کبھی نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ ایک مخطوط کی تاریخ گزاری اور ڈیٹنگ میں مختلف افراد کے آراء و نظریات بالکل ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ دوسری طرف جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے، مخطوط کی تاریخ کے آغاز کے تعلق سے ریڈیو کاربن کی ڈیٹنگ بھی غالبا طویل مدت زمانی کو ہی تجویز کرتی ہے ۔لیکن اس کے باوجود بھی یہی طولانی مدتِ زمانی ایک دوسرے سے اورلیب نہیں ہوتی ہے یعنی دونوں میں مطابقت نظر نہیں آتی اور اس بات کو نسخۂ پیر منگام میں بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

۱/۴۔ تاریخ دار قرآن

یہاں تک جتنے قرآن شمار کئے گئے ان میں سے کوئی ایک بھی تاریخ دار نہیں تھا، لیکن اس کے بعد کے قرآن جو درج شدہ تاریخ کے حامل ہیں ان پر بھی کاربن ۱۴ کی آزمائش ہوئی ہے جن کی ذیل میں نشان دہی کی جاتی ہے:

۱۔ فضل کا قرآن (۵۲) اس میں یہ عبارت "وکتبت فضل بخطها فی محرم سنة خمس وتسعین ومأتین" اس کی باقیماندہ مجلدات کی ابتداء میں جو تاریخ مرقوم ہے، وہ سال ۲۹۵ ہجری یا ۹۰۷ عیسوی کی نشان دہی کرتی ہے۔ (George,76, 2015)

لیکن اس مصحف کی کھال کے ورق پر آزمائش کاربن ۱۴ کے نتائج نے جولیون کی لیباٹری میں انجام پائی ہے، ورق پوستی کی عمر (BP 1250+30) تعین کی ہے (Deroche,41,2014). آکسل پروگرام کے ساتھ اس ڈیٹا کا انشانکن اور انشانکن چارٹ IntCAL13 ۱/ ۸۶ فیصد احتمال کے ساتھ ورق پوستی کی مابین سالہائے ۷۶۴ تا ۸۹۴

عیسوی تاریخ گزاری کرتا ہے اور اس طرح سے نسخہ میں مکتوب تاریخ (۹۰۷ عیسوی) وراس تاریخ میں ۱۴۳ سے ۱۳ سال کا فرق نکلتا ہے (یعنی تاریخ نسخہ سے پہلے کی تاریخ ہے) اس کے علاوہ دو دوسری محتمل مدت زمانی مندرجہ ذیل ہیں: ایک ۸۵ فیصد احتمال کے ساتھ ۷۱۰ سے ۷۴۵ عیسوی تک اور ۵ % احتمال کے ساتھ ۹۳۲ سے ۹۳۷ عیسوی تک اور ۳ % احتمال کے ساتھ ۶۹۵ سے ۷۰۰ تک

۲۔ مصحف حاضنہ، اس نسخہ میں مکتوب تاریخ سن ۴۱۰ ہجری/۱۰۲۰ عیسوی ہے (۵۳) ۔لیباٹری نے بھی کھال کے سن کی تعین (BP1130±30) کی ہے۔

(Deroche,40,2014) کیلیبر نتائج، انشانکن اور انشانکن چارٹ احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۸۶۱ تا ۹۸۸ ہے۔ لیکن دو دوسرے احتمال بھی ہیں، ایک احتمال ۳/۲ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۷۷۷ تا ۷۹۱ عیسوی اور دوسرا احتمال ۵/۶ فیصدی احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۸۰۵ تا ۸۴۲ عیسوی۔ایک بار پھر تاریخِ وقفِ نسخہ، ان میں سے کسی ایک سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔لیکن دونوں مورد میں تاریخِ تولیدِ ورقِ پوستی، تاریخِ وقف کے تعلق سے قابل توجیہ ہے۔

۴/۲۔ مصحف صنعاء (پولیمرسٹ DAM 01-27/1)

مندرجہ بالا شمار کئے گئے موارد کے علاوہ ایک اہم ترین نسخہ جواب تک ریڈیو کاربن کی آزمائش کے مرحلے سے گزر چکا ہے مشہور مصحف صنعاء یا وہی پالیمسٹ (۵۴)\ DAM 01- 27/1 ہے۔اس کے مختلف نمونوں کی دنیا بھر کی مختلف لیباٹریوں میں تعیین عمر ہو چکی ہے اور یہ امر کاربن ۱۴ آزمائش کے نتیجے کو سمجھنے میں بھی کہ کتنا اور کس قدر معتبر ہے، معاون و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔قرآن صنعاء گنجینۂ مصاحف صنعاء میں ایک نو یافتہ پولی مسستی (۵۵) ہے جس کی نچلی اور بالائی تہیں قرآنی اور حجازی رسم الخط میں ہیں۔(۵۶)اس مصحف کے ۳۶ اوراق تحت شمارہ DAM 01.27.1 دارالمخطوطات صنعاء میں محفوظ ہیں اور اسی مصحف کے دوسرے ۴۰ اوراق کی مسجد جامع صنعاء کی مشرقی لائبریری میں حفاظت کی جاتی ہے (۵۷) ۔یہ اوراق اس پالیمسست کے چار اوراق کے علاوہ ہیں جن کی لندن میں نیلامی ہوئی ہے۔یعنی کرسٹیز (Christies) ۲۰۰۸ء، اسٹینفورڈ (Stanford) ۲۰۰۷ء، ڈیوڈ (David) ۸۶/ ۲۰۰۳ اور بونہمس (Bonhams) ۲۰۰۰ء بھی اسی مصحف سے تعلق

رکھتے ہیں اور تمام ۸۰ اوراق مل کر مصحف صنعاء کہلاتے ہیں۔ مصحف صنعاء سے موسوم ایک نسخے میں متن اوّلی یا پاک شدہ متن زیرینی پر متن دوم کو لکھنے کے لئے اسی پوستی ورق کا استعمال کیا گیا ہے۔اس پولیمسست کی اہمیت متن کی نچلی تہہ کی وجہ سے ہے۔اور یہ بالائی متن کے برخلاف ہے جو اسٹینڈرڈ عثمانی مصحف کے متن کے مطابق ہے۔ متن زیرینی تنہا ایک مخطوط ہے جو آج کے غیر عثمانی متن سے ملتا جلتا ہے۔(۵۸)اس بات کا یقین کہ حجازی رسم الخط پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے اس بات پر موقوف ہے کہ متن زیرینی بھی جو قطعی طور پر قدیمی تر ہے، بہت قدیم متن ہو اور ممکن ہے عثمانی سے پہلے کا ہو۔ مصحف صنعاء کے ایک ورق یعنی ورق اسٹینفورڈ ۲۰۰۷ء پر ریڈیو کاربن کی آزمائش آریزونا یونیورسٹی میں انجام پائی(۵۹) اور اس کے نتائج بہنام صادقی اور برگمن کے ذریعے منتشر ہوئے۔

سطح۔۱۰ میں باحتمال ۶۸ فیصد، ورق ۶۱۴ اور ۶۵۶ کے درمیانی سالوں سے تعلق رکھتا ہے اور سطح۔ 20 میں باحتمال ۹۵ فیصد ۵۷۸ اور ۶۶۰ عیسوی کے درمیانی سالوں سے تعلق رکھتا ہے۔ (Bergmann&Sadeghi, (352-354,2010

حال فی الحال اسی ورق (اسٹینفورڈ ۲۰۰۷ء) کی آزمائش آکسفورڈ یونیورسٹی کی آزمائش گاہ میں ہوئی اور نتائج نے ۴/ ۹۵ احتمال کے ساتھ ورق کی عمر کی نشان دہی ۵۶۴ اور ۶۵۵ عیسوی کے درمیانی سالوں میں کی ہے۔ (۶۰) یہ نتیجہ کسی حد تک آریزونا یونیورسٹی کے نتیجہ سے میل کھاتا ہے۔ لیکن اس پالیمسست کے تین دوسرے اوراق کے نمونوں کی آزمائش فرانس کے لیون(۶۱) شہر کی لیباٹری میں ہوئی جس کے نتائج، سطح ۲۰میں،۹۵% احتمال کے ساتھ کچھ اس طرح تھے: ورق نمبر ۲ مابین سالہائے ۵۴۳تا ۶۴۳عیسوی ،ورق نمبر ۱۱، مابین سالہائے ۴۳۳تا ۵۹۹ عیسوی ،ورق نمبر ۱۳ مابین سالہائے ۳۸۸ تا ۵۳۵عیسوی ۔ (Robin.65,2015) ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ حاصل شدہ نتائج نہ صرف یہ کہ سٹینفورڈ ۲۰۰۷ء کے ورق کی حاصل شدہ تاریخ سے میل نہیں کھاتے ہیں بلکہ زیادہ تر ظہور اسلام سے پہلے اور بعد کے زمانہ سے میل کھاتے ہیں۔ورق نمبر ۱۳ سے مربوط بہت قدیم تاریخ جو اس کی عمر کو ہجرت سے قبل تقریباً ۲۴۱برس سے لیکر ۸۹برس تک دکھاتی ہے باعث ہوئی کہ پھر اسی ورق نمبر ۱۳ کے تین دوسرے نمونے دنیا کے مختلف گوشوں میں تین آزمائشگاہوں میں بھیجے جائیں اور پھر سے نتائج کی تحقیق ہو۔اس بار نتائج کچھ اس طرح برآمد ہوئے :

ورق نمبر ۱۳آکسفورڈلیباٹری میں :BP ۲۳ .+ ۱۴۲۳: مابین سالہائے ۶۵۸-AD۵۹۵

ورق نمبر ۱۳ازوریخ لیباٹری میں :BP۳۳ .+ ۱۴۳۷: مابین سالہائے ۶۵۷-۵۶۶ AD

ورق نمبر ۱۳کیل جرمن لیباٹری میں :۱۵۱۵+-۲۵ BP: ۵۳۰. ۶۱۱ (۴/۷۵%)اور ۴۳۰-۴۹۳ (۲۰/۰ فیصد) (Robin،۶۵،۲۰۱۵)

آریزونا،آکسفورڈاور زوریخ آزمائشگاہوں (لیباٹریز) کے نتائج سٹینفورڈاوراق اور ورق نمبر ۱۳کے حوالے سے بہت زیادہ قابل توجہ ہیں۔ لیکن کیل لیباٹری سے مربوط نتائج لیون لیباٹری کی طرح ایک بہت قدیم اور اسلام سے پہلے کی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہاں پر یہ احتمال درپیش ہے کہ لیون اور کیل لیباٹری نے تعیین عمر کے کام کو بخوبی انجام نہیں دیا۔

بہنام صادقی اور محسن گودرزی نے ان تصاویر کا مطالعہ کرکے جنہیں فرابنفش نے دار المخطوطات کے ایک نسخہ-۰۱ DAM ۲۷۱ سے کھینچا تھا (۶۲)، نچلی تہہ کے متن کی بازنویسی کرتے ہوئے اس کے اختلافات کا عثمانی متن سے موازنہ کیا اور پھر مصاحف صحابہ کے باب میں مسلمانوں کی گزارشات سے بھی اس کا موازنہ کیااور یہ نتیجہ نکالا کہ متن زیرین مصحف صنعاء، عثمان کے طرز متن سے جدااور علیحدہ ایک متن ہے جس کو "صحابی ا" کا طرز متن کہتے تھےاور معتقد ہیں کہ "صحابی ا" کی پیدائش کی بازگشت لازمی طور پر تقریبا ۶۵۰ عیسوی سے پہلے کی طرف ہونی چاہئے۔ (۶۳) ہر چند انھوں نے اس امر پر تاکید کی ہے کہ اس متن کی روایت کی تاریخ پیدائش جس سے متن زیرین تعلق رکھتا ہے، خود نوشتہ تاریخ زیرین سے جداایک مسئلہ ہے۔اس معنی میں کہ مصحف صنعاء، صحابی اکے طرز متن کی تاریخ پیدائش سے کچھ بعد کا ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی تاکید کرتے ہیں کہ نوشتہ زیرین پالیو گرافک (خط شناسانہ) اور تاریخ ہنر کی دلیلوں کی رو سے تقریبا قطعی طور پر پہلی صدی ہجری بمطابق ساتویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہےاور احتمالی طور پر اس صدی کے نصف اوّل سے تعلق رکھتا ہے اور کاربن ۱۴ کی آزمائش بھی جو کہ مخطوطات کی تعیین عمر میں ایک دقیق تر روش ہے،اس بات کی تاکید بھی کرتی ہے۔ کیونکہ سٹینفورڈ ۲۰۰۷ء کے ورق پر جو آزمائش انجام پائی تھی وہ آزمائش پوستی (چربی) ورق کی عمر کو اور اسی بنیاد پر متن زیرین کو ۹۹فیصد احتمال کے ساتھ ۶۷۱عیسوی کے پہلے کے دور سے اور ۹۹ /۵ فیصد احتمال کے

ساتھ ۶۶۱ ماقبل مسیح اور ۷۵ فیصد احتمال کے ساتھ ۶۴۶ قبل مسیح سے منسوب کرتی ہے (Goudarzi & Sadeghi. 8,2012) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نظر میں آزمائش کاربن ۱۴ کی بالائی حد اتنی دقیق ہے کہ اطمینان کیا جاسکتا ہے کہ ورق کا تعلق باحتمال قوی پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل سے ہے البتہ زیرینی حد زمانی جو جانچ میں نظر آئی ہے اس کو نظر انداز کیا ہے۔ایسا لگتا ہے یہ نظریہ بہت سارے اشکالات واعتراضات سے روبرو ہے اوّل یہ کہ اس مخطوط کے عثمانی سے پہلے ثابت ہونے کے لئے اس کی تاریخ کا مابین سالہائے ۶۲۰ تا ۶۵۶ ہجری ہونا ضروری ہے۔ہر چند لیباٹری کے نتائج تایئد کرتے ہیں کہ مخطوط ۶۷۰ ہجری کے بعد کا نہیں ہے لیکن احتمالی برسوں کا بہت زیادہ طولانی وقفہ اسلام سے پہلے کے برسوں سے مربوط ہے۔اس بات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ تاریخ آزمائشگاہ (لیباٹری) اس جانور کے قتل کے سال کی، جس کی کھال کو پوستی ورق کی تولید کیلئے استعمال کیا گیا ہے، نشان دہی کرتی ہے اور یہ کہ ہمیں صحیح طور نہیں معلوم کہ تولید پوست اور کتابت قرآن کے درمیان کتنا فاصلہ زمانی ہے، مخطوط کی دقیق عمر کے حوالے سے قضاوت کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ آزمائشگاہ کی مجوزہ مدت زمانی کا ہر سال، جانور کے قتل کا سال ہوسکتا ہے۔مثلاً وہی ۶۷۰ ہجری کا سال اس ورق کے اوپر کتابت ہونے تک ایک اور نامعلوم تغیر پذیر شئی کھال کی حفاظت کا وقت ہے اور ایسی صورت میں بھی عمر مخطوط کی تخمین کا کام اور سخت ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ورق کی تاریخ کے حوالے سے کوئی اطمینان بخش قضاوت نہیں کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، دوسرے ماہرین اور محققین کی طرف سے بھی اس مخطوط کے عثمانی سے پہلے ہونے کی رد میں دلیلیں پیش کی گئیں ہیں۔ان دلائل میں سے ایک دلیل میں اس تعلق سے "آلباڈلی" کے نظریہ کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔اس نے اس پالیمسست کے عثمانی سے پہلے جاننے کو متن کی غیر رسمی قرائت کی بنیاد پر مردود اور نادرست جانا ہے۔ کیونکہ غیر رسمی ریڈنگز چوتھی صدی تک اور ابن مجاہد کے زمانے تک رواج میں رہی ہے اور ابن مجاہد نے صرف متن پر مبتنی قرائتوں کو جو نسبتاً ثابت اور شکل و نقطہ کے بغیر ہوں قبول کیا ہے اور رسمیت بخشی ہے۔(Fedeli,305 & 315,2007) فرانسوا دروچ بھی اس مصحف کے عثمانی سے پہلے ہونے کا موافق نہیں ہے اور آزمائش کاربن ۱۴ کے نتائج کو قبول کرنے میں بہت محتاط ہے۔اس کی نظر میں مصحف صنعاء پہلی صدی کے نصف دوم کے درمیان لکھا گیا اور دوسری صدی کے وسط کے بعد سے پاک ہوگیا

ہے۔ کیونکہ اس کا ماننا ہے کہ بالائی تہہ کی بعض خصوصیات دوسری صدی کے نسخوں سے سازگاری رکھتی ہیں۔ (۶۴) اس کے علاوہ اس کا ماننا ہے کہ نوع خط، بالائی تہہ میں ہر چند مکرر خط حجازی پڑھا گیا لیکن اس کے بعض حروف کی شکل اس تقسیم بندی کے گروہ C سے مربوط ہے جو اس نے خود کی ہے۔ اس کی نظر میں چند کامل رسم الخط کی قدیم تر متن کی تہہ میں موجودگی اگرچہ زمانہ متأخر میں متن کی تاریخ گزاری کے اثبات کیلئے ناکافی ہے لیکن اس بات کی غمازی اور حکایت ضرور ہوتی ہے کہ یہ متن اس وقت لکھا گیا جب املاء قرآنی کے قواعد کے ارتقائی دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس مخطوط میں سوروں کے عناوین کی موجودگی اور سوروں کے درمیان تزئینی آلات کا وجود بھی پہلی صدی کے اواخر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ اگر متن زیرینی میں علائم اعراب کے وجود کے حوالے سے صادقی اور برگمین کی تحقیق صحیح ہو تو یہ امر مصحف اصلی کے متأخر ہونے پر ایک دوسری دلیل بن سکتا ہے۔ (Deroche, 54,2014) بناء بر این، یہاں تک مصحف صنعاء کے متن زیرینی کے حوالے سے دو مختلف نظریات سامنے آچکے ہیں:

۱۔ ایک وہ نظریہ جو زیرینی متن کو عثمان سے پہلے کا متن جانتا ہے اور اس مصحف کو ابن مسعود اور ابی ابن کعب جیسے صحابہ کے دوسرے مصاحف کی طرح ایک مصحف قلمداد کرتا ہے اور معتقد ہے کہ کاربن ۱۴ کی آزمائشوں کے نتیجے میں حاصل شدہ بہت قدیم تاریخ کے پیش نظر، خود مخطوط بھی عثمان سے پہلے کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۔ دوسرا وہ نظریہ جو مصحف صنعاء ۱ ، کو بنیادی طور پر ان متون میں سے جانتا ہے جو حاصل شدہ معلومات وقرائن کی رو سے تیسری یا چوتھی صدی ہجری تک، رسمی متن کے بالمقابل متداول اور رائج تھے اور اموی دور میں کاملاً محو نہیں ہوئے تھے۔ بنابر این، یہ مخطوط لازمی طور پر عثمان سے پہلے کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔

اس تعلق سے مذکورہ باتوں کے علاوہ کچھ دوسرے موارد بھی ہیں جو متن کو کچھ اور بعد کا ظاہر کرتے ہیں۔

یہ نسخہ ۱۰۰ویں آیت کی نشان دہی کرنے کے لئے آیت کے آخر میں ایک مخصوص علامت پر مشتمل ہے۔ (Goudarzi & Sadeghi, 43, 2014 footnote)، ایسا لگتا ہے کہ ۱۰۰ویں آیت کی علامت، قرآن کے ابتدائی نسخوں سے مربوط نہیں ہو سکتی ہے۔

ایک دوسرے نمونے میں نچلی سطح میں بھی ابتدا یا وسط میں تھوڑا اوپر ''ھا'' سے مشابہ ایک جدا کرنے والی علامت دکھائی دیتی ہے۔ صادقی اور گودرزی کے احتمال کی رو سے کاتب ابتداء میں آیت کے آخر میں علامت گزاری کرنا بھول گیا تھا اور ''ھو'' لکھ دیا تھا لیکن اس کے بعد ''ھو'' کو مٹا کر اختتام آیت کی علامت کا اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن بلافاصلہ اپنے اس نظریہ سے رو گردانی کرتے ہوئے اضافہ کرتے ہیں کہ یہ امر بالکل بھی محتمل نہیں ہے , کیونکہ اختتام آیت کی علامت گزاری کے لئے نقطہ سے پہلے کافی گنجائش تھی یا پھر یہ علامت ممکن ہے تیسویں آیت کی نشان دہی کے لئے ایک خاص علامت اور نشانی کے طور پر رکھی گئی ہو اور اگر یہ سب کچھ بھی نہیں ہے تو ممکن ہے محض ایک دھبہ ہو۔

ایسا لگتا ہے کہ حرف ''ھا'' سے مربوط یہ علامت عدد ۵ کی نشان دہی کے لئے ہو کیونکہ مسابقہ قرآنوں میں تخمیس آیات کے لئے یہ علامت متداول اور رائج تھی۔ چنانچہ اگر ایسا ہے تو یہ چیز بھی نسخہ کے متأخر ہونے کا ثبوت اور گواہ ہو سکتی ہے۔ ہر چند یہ بات معلوم ہے کہ ان موارد میں سے ایک مورد بھی اکیلے مخطوط کی تاریخ گزاری کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس نسخہ کے تعلق سے ایک دوسرا اہم مسئلہ اس میں موجود بکثرت غلطیاں ہیں۔ عربی قواعد کی رو سے فاحش غلطیاں اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ کاتب نے نہ اصول کتابت کی رعایت کی ہے اور نہ قرآنی متن پر دھیان دیا ہے یا اس تعلق سے اس کی معلومات کا دامن بہت تنگ تھا۔ جیسے فعل جمع کے ساتھ ضمیر مفرد کا استعمال (Goudarzi & Sedeghi,56,2012,Footnite) ؛الف لام تعریف کی جگہ ''نا'' کا استعمال۔

(Goudarzi&Sadeghi,2012,61,Footnote)؛بیجا حروف کی شمولیت (Goudarzi&Sadighi, 64&942012, Footnote) ؛کم یا زیادہ شوشے رکھنا(Goudarzi&Sadeghi, 68 &105,2012Footnote252&485)؛ کسی ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لکھنا (Goudarzi & Sadeghi,70 & 92, 2012,Footnote271 & 419)؛ کسی ایک حرف کو بھول جانا (GOUDARZO&Sadeghi,71Footnote275,2012)؛غلطی سے ایک کلمہ بڑھا دینا (2012, 341 Goudarzi&Sadeghi,77,Footnote)، (۶۵) مؤنث کی جگہ ضمیر مذکر کا استعمال (Goudarzi & Sadeghi,92, 2012,Footnote417؛ (۶۶) حروف کا آگے پیچھے لکھنا (Goudarzi & Sadeghi,96, ,2012Footnote449)؛(۶۷)

بناء بر این، ایسا لگتا ہے کہ یہ مصحف کاتب کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے جس کے ذہن میں اضطراب متن کی روایت تھی اور کاتب کتابت کے اصول اور رموز سے بھی ناواقف تھا۔ اور یہی امر باعث ہوا کہ اس نے املائی غلطیوں سے مملو متن کی کتابت کی [خواہ متن دستوری ہو یا پھر قرآنی] اور بے شمار غلطیوں سے پر مصحف کی ایجاد کی۔ اسی لئے اس

طرح کے مصحف کے بارے میں محو کر دئے جانے کا حکم ہے۔ بعض کا ماننا ہے کہ پائینی سطح [تہہ] کا پاک کرنا اور پوست کے اوپر متن جدید کی کتابت عین ممکن ہے زیرینی متن کے اتمام کے بعد انجام پائی ہو کیونکہ بالائی اور پائینی سطح دونوں کا حجازی روش کتابت سے نزدیک ہونا اور دونوں تہوں میں سطروں کی تعداد کا ثابت نہ ہونا (جیسا کہ مصحف حجازی میں یہ بات معمول اور رائج تھی) بھی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ دونوں سطحیں اور تہیں زمانی اعتبار سے ایک دوسرے سے نزدیک ہیں۔

(Puin,Elisabeth. 233 & 234, 2010)

۵۔ نتیجہ گیری

ریڈیو کاربن کی آزمائش سے پہلے موجود محدودیتوں اور ملاحظات کے علاوہ جیسے سطح نمونہ سے آلودگیوں کو پاک و صاف کرنا، ایزوتوپ کی مقدار معلوم کرنے کی روش، اور کرہ زمین میں طبیعی حوادث کے نتیجے میں دنیا بھر میں ایزوتوپ میں ہونے والے تغیرات یہ ساری چیزیں باعث بنی کہ آزمائشات کے نتائج میں بھی کبھی کچھ کمی رہ جائے اور کماحقہ نہ ہوسکے۔

قابل ذکر ہے کہ ان تمام آزمائشات و تجربات میں سے ہر ایک آزمائش و تجربہ میں مختلف لیباٹریز میں آزمائش کی تکرار، متفاوت روش کے ساتھ لیباٹری کے شرائط کا کنٹرول اور مختلف کالیبر اسیوں کے چارٹ سے استفادہ یا پھر لیباٹری کے ڈیٹا کی تحلیل اور اسے کیلیبر کرنے کی خاطر مختلف کمپیوٹری پروگرام، یہ ساری چیزیں آزمائش کے نتائج کو تبدیل کر سکتی ہیں۔ ریڈیو کاربن کی روش سے کسی قدیم اور تاریخی شئی کی عمر معین کرنے کے لئے انجام شدہ اندازہ گیریوں میں کسی بھی دوسری اندازہ گیری کی طرح عدم قطعیت موجود ہے اور اس کا کوئی علاج بھی نہیں ہے اس لئے مجبوراً اسی کو ہمیں تسلیم کرنا ہے۔ اسی عدم قطعیت کی وجہ سے ایک قدیم مخطوط کی عمر کو بطور دقیق یہاں تک کہ کبھی مختصر مدت زمانی میں بھی معین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس روش کے ذریعے مخطوطات کی قدمت کے تعین میں ایک اور کمزور پہلو یہ ہے کہ احتمال کا فیصد بڑھنے اور اوپر جانے سے طولانی مدت زمانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف احتمال کا فیصد کم ہونے سے مدت زمانی میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ یہ اس معنی میں ہے کہ ایک متغیر کی کمیت میں دقت کی افزائش، دوسرے متغیر کی کمیت میں

دقت کی کمی کے مترادف ہے۔بہت زیادہ قدیمی خطی نسخوں کی تعین عمر میں چونکہ ان نسخوں کی موجودگی کا حتمی اور دقیق سال مطالعات تاریخ قرآن میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس لئے ایسی طولانی مدت زمانی ناکارآمد ہے۔دوسری طرف وہ نتائج جو چند مختلف مدت زمانی میں قرار پاتے ہیں اور اس کی روشن مثال قرآن فضل، مصحف حاضنہ ،اور لائیڈن کا قرآن ہے، یہ بات بالکل صاف ہے کہ یہ نتائج بالکل بھی معاون و مددگار نہیں ہیں کیونکہ بہت کم احتمالات بھی ناممکن نہیں ہیں۔

اس نکتہ کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ جانور کے قتل اور اس کی کھال کے اوپر کتابت کے درمیان جو زمانی فاصلہ ہے وہ نامعلوم متغیرات میں سے ہے، کسی بھی قیمت پر ایک قرآنی مخطوط کی دقیق عمر نہیں معلوم کی جاسکتی ہے ۔مثلا یقین کے ساتھ ایک قرآن کو عثمان سے پہلے کا یا عثمان کے دور کا جانیں، محض اس وجہ سے کہ کاربن ۱۴ کی آزمائش ایک مخطوط کی عمر کو دوسرے مخطوط سے چند برس قدیم تر دکھارہی ہے، نسخوں کی تقدیم وتاخیر کو معین نہیں کرسکتی ہے۔چنانچہ دیکھ چکے ہیں نتائجِ آزمائش کہ ایک مصحف کے مختلف اوراق کی زمانی مدتوں کو بدقّت یکساں طور پر تاریخ گزاری نہیں کرسکتے ہیں ۔چنانچہ دار المخطوطات صنعاء کے مصحف DAMO1.29.1 میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ اسی مصحف کے دو مختلف اوراق پر ریڈیو کاربن سے حاصل شدہ نتائج ایک دوسرے سے بہت کم مطابقت رکھتے ہیں ۔ایک ورق کی تاریخ، اسلام سے دو صدی پہلے کی ہے اور دوسرے ورق کی تاریخ ،سال اوّل ہجری سے تقریبا بیس برس پہلے کی یا سن ہجری کے ۴۰ برس بعد کی ہے جو بہت عجیب لگتا ہے۔دیکھنے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ خاص طور پر ایک ورق کے اوپر مختلف آزمائشات کے نتائج بھی علیحدہ سامنے آئے ہیں۔چانچہ چار مختلف آزمائشگاہوں میں ایک ورق پر چار مختلف آزمائش کے نتائج یعنی مصحف صنعاء کے ورق نمبر ۱۳ کی چار مختلف آزمائشوں کے نتائج بھی جدا اور علیحدہ برآمد ہوئے ہیں اور کیل اور لون لیباٹری کے نتائج دو دوسری لیباٹریز آکسفورڈ اور زوریخ کے نتائج سے جدا اور بالکل علیحدہ ہیں یہاں تک کہ ایک دوسرے سے نزدیک نتائج بھی مکمل طور پر ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے ہیں۔

بنابراین، کاربن ۱۴ کی آزمائش زیادہ سے زیادہ جو کام ہمارے لئے کرسکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اطمینان عطا کرسکتی ہے کہ نسخہ واقعی قدیمی اور احتمالاً ابتدائی صدیوں کا ہے، لیکن اس بات کی تعیین کہ یہ نسخہ کس سن کا ہے اس روش کے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔

قرآن کے قدیمی مخطوطات پر ریڈیو کاربن کی آزمائش کا قوی اور مضبوط پہلو، ان قرآنوں کے نتائج کا نزدیک ہونا ہے جو خط شناسی کے لحاظ سے تقریباً ایک گروپ میں قرار پاتے ہیں۔ مثلاً وہ آزمائش شدہ قرآن جن کے طرز خط کی گروپ Bla میں طبقہ بندی ہوئی ہے، ان میں سے اکثر تقریباً ۶۰ سالہ مدت زمانی میں ۳۰ اور ۹۰ ہجری کے درمیانی برسوں میں قرار پاتے ہیں۔ لائیڈن کے مخطوط کے تعلق سے حاصل شدہ نتائج کچھ زیادہ احتمال کے ساتھ ۳۱ سے ۷۴ ہجری کے درمیان، ٹوبینگن کا قرآن ۲۸ سے ۳۶ ہجری کے درمیان اور ویٹسٹائن ۲ کا قرآن ۴۱ سے ۹۵ ہجری کے درمیان کی نشان دہی کرتے تھے ہیں اور یہ اشارہ دیتے ہیں کہ سارے قرآن اس مدّت زمانی میں قرار پاتے ہیں۔

بالخصوص حجازی قرآنوں میں (پرت لیبارٹری کے نتائج سے قطع نظر مانند لیون مصحف صنعاء کے ورق نمبر ۱۳ کے لئے) تقریباً، سارے نتائج ہجرت سے پہلے حدوداً ۵۰ برس کے عرصہ میں اندازے کے مطابق ۶۷۰ عیسوی یا ۵۰ ہجری تک قرار پاتے ہیں۔ حاصل شدہ نتائج، مخطوط Or.Fol.4313 کے لئے ہجرت سے پہلے ۱۷ اور ۳۱ ہجری کے درمیان کی تاریخ، نسخہ بیرمنگام کے لئے ہجرت سے پہلے ۵۵ اور ۲۴ ہجری کے درمیان کی تاریخ، آزمائشگاہ لیون میں مخطوط DAM 01 - 29.1 کے لئے ہجرت سے پہلے ۱۹ اور ۴۲ ہجری کے درمیان کی تاریخ، ورق نمبر DAM 01 - 25-1 کے لئے ہجرت سے پہلے ۸۱ اور ۲۳ ہجری کے درمیان کی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اسی طرح نسخۂ صنعاء کے مختلف اوراق کی مختلف لیبوں میں آزمائش کے نتائج تقریباً مندرجہ ذیل مدت زمانی کے اندر قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ زروخ لیبارٹری میں ورق نمبر ۱۳ کے لئے ماقبل ہجرت تاریخ ۵۷ اور ۳۷ ہجری کے درمیان کی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ آکسفورڈ کے ورق نمبر ۱۳ کے لئے ہجرت سے پہلے ۲۷ اور ۳۸ ہجری کے درمیان کی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ آکسفورڈ کی لیبارٹری میں اسٹینفورڈ کے ورق کے لئے ہجرت سے پہلے ۵۹ اور ۳۵ ہجری کے درمیان کی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اسی طرح آریزونا لیبارٹری میں سٹینفورڈ کے ورق کے لئے ہجرت سے پہلے ۷۴ اور ۵۰ ہجری کے درمیان کی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ تمام نتائج تقریباً انھیں مذکورہ مدت زمانی کے اندر قرار پاتے ہیں۔

فرانسوا ڈروچ کے خط شناسانہ مطالعات کی روشنی میں بھی خط حجازی میں مخطوطات کی عمر خط Bla میں مخطوطات کی عمر سے زیادہ قدیمی قلمداد ہوئی ہے۔ اور وہ قرآن جو خط کوفی کے دوسرے گروپ سے تعلق رکھتے

ہیں، جیسے گروپ Cوہ بھی گروپ B کے قرآنوں سے زیادہ متأخر جانے گئے ہیں کہ ایک بار پھر کاربن ۱۴ کی آزمائش کے نتائج اس ترتیب کی تائید کرتے ہیں۔

حجازی رسم الخط سے تعلق رکھنے والے قرآنوں میں نتائج کی نزدیکی اوراسی طرح تقریبا فرانسواڈروبچ کی پالیو گرافک دستہ بندی میں خط گروہBکے قرآنوں میں کاربن ۱۴کے سالیابی نتائج کی تقریبی شباہت، ایک دوسرے کو کاربن ۱۴ آزمائش اور پالیو گرافک کاوش کی دقّت نیز خط شناسانہ طبقہ بندی کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔

فضل اور حاضنہ کے دو تاریخ دار قرآن میں بھی ریڈیو کاربن آزمائش کے ذریعے حاصل شدہ نتائج، تاریخ وقف سے زیادہ قدیم تر ہیں۔ البتہ اس قدیمی تاریخ کی اس طرح توجیہ کی جاسکتی ہے کہ لیباٹری میں حاصل شدہ تاریخ اس جانور کے قتل کی تاریخ ہے جس کی کھال آلہ کتابت میں تبدیل ہو گئی ہے اور وہ قطعی طور پر ایک آمادہ شدہ نسخہ کی تاریخ وقف سے قدیم تر ہے۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ تاریخ قابل دفاع ہے لیکن اس کے باوجود بھی یقینی طور پر کسی مختصر مدّت زمانی تک نہیں پہونچا سکتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مصحف حاضنہ میں حاصل شدہ لیبی تاریخ باحتمال قوی ۲۴۷ اور ۳۷۷ ہجری کے درمیان کی ہے اور یہاں پر دو متغیر نامعلوم ہیں: اوّل یہ معلوم نہیں کہ جانور کے قتل کا سال جو ۱۳۱ سالہ مدت زمانی ہے وہ کون سا سال ہے اور دوّم یہ معلوم نہیں کہ قتل کے وقت سے اس کی کھال پر قرآن لکھے جانے تک کتنا زمانہ گزر چکا ہے؟

بنابراین، تاریخ گزاری کی یہ روش مخطوط کے قدیمی ہونے کی تائید یا تردید ہو سکتی ہے اور یہ چیز جعلی اور من گھڑت مخطوطات کی تشخیص اور اسلام کی ابتدائی صدیوں سے قدیم مخطوطات کے تعلق کو ثابت کرنے میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن قطع ویقین کا نہ ہونا، طویل مدت زمانی، درست اور روشن تاریخوں سے کامل ہم آہنگی کا فقدان اور جانور کے قتل اور اس کی کھال پر کتابت کے درمیان فاصلہ کے احتمال کا ہونا، ان تمام ضروری پہلوؤں کی وجہ سے اس روش سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ قرآنی خطی نسخہ کی دقیق عمر معین کرنے کے لئے چند برس کا فاصلہ بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔ بعنوان مثال ایک قرآن کے عثمانی یا قبل عثمانی ہونے کی تشخیص کے لئے چند برس کا فاصلہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ مصحف صنعاء کے بارے میں بہت زیادہ قدیمی تاریخیں اس کے عثمان سے ماقبل ہونے کی تائید میں کوئی مدد نہیں کر سکتی ہیں۔ایسی تاریخیں بیر منگام کے مصاحف، مصحف (DAM,01-25.1)، مصحف (DAM,01-29.1)کے لئے بھی ہاتھ آئی ہیں۔ اس کے

باوجود بھی اس آزمائش کو مخطوطات کی تاریخ گزاری میں دوسرے وسائل اور ذرائع کے پہلو میں ایک مستحکم اور قوی ذریعہ جانا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام کے ابتدائی صدیوں سے بہت سارے نسخوں کے انتساب کی اسی آزمائش سے تائید ہوتی ہے۔

حواشی

۱۔فریڈریش شوالی ایک جداگانہ تالیف میں ابوبکر کے ذریعے جمع قرآن کی گزارشات کو رد کرتا ہے اور جمع قرآن کی نسبت عثمان کی طرف دیتا ہے(Selwally. 321.325, 1995)

۲۔مکتب تجدید نظر طلب ۱۹۹۷ء میں قرآنی مطالعات (Quranic Studies)کے تعلق سے اور۱۹۷۸ء میں محیط گروہی (9The Sectarian Milieu) کے تعلق سے جان ونزبرو(john Wansbrough) کی دوکتاب منظر عام پر لا کر برپا ہوا اور ونزبرو کے انڈرو رپین (Andrew Rippin) ، پیٹریشا کرون (Patricia Crone)، جیرالڈ ہاوٹنگ (G R Hawting)اور مائیکل کوک (Michacl Cook) جیسے شاگردوں کی بدولت آگے بڑھا۔ان کے درمیان سے کوک اور کرون کتاب ہاجریسم (Hagarism) کو منظر عام پر لا کر ان مطالعات کو ایک نیا موڑ دینے میں کامیاب ہوسکے۔اس مکتب کا

محوری نقطۂ نظر، اسلام کی پیدائش اور نشو نما کے حوالے سے مسلمانوں کے ذریعے نقل شدہ گزارشات کے اعتبار کو مشکوک قرار دینا ہے۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے.(de Blois,615, 2010)

۳۔اس مقالہ کے ترجمہ کے لئے ملاحظہ کیجئے * جمع وتدوین قرآن : شناختی روش کی جدید تبدیلیوں کی روشنی میں مغربی آراء و نظریات پر نظر رسانی* ترجمہ مرتضٰی کریمی نیا؛ہفت آسمان، سال۸، ش ۳۲، موسم سرما ۱۳۵۸، ص ۱۵۵-۱۹۶۔

۴۔ کاربن ۱۴ کے آسوتوپس اسٹر اسٹوفیز میں تشکیل ہونے کے بعد اکسیجن کے ساتھ ترکیب ہو کر بصورت Co214 فضا میں پھیل جاتے ہیں اور اقیانوس کے سطحی پانی کے ساتھ رد عمل ظاہر کرتے ہیں اور آبی جانوروں کی زندگی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فوٹو سنتھیس اور گیاہوں کی ساخت میں وارد ہو کر گیاہوں یا ان حیوانات کے گوشت سے تغذیہ کرتے ہوئے جو گیاہوں سے تغذیہ کرتے ہیں آخر کار حیوانوں اور انسانوں کے بدن میں منتقل ہو جاتے ہیں اور کرۂ زمین میں موجود زندگی کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

۵۔ نصف عمر یعنی وہ مدت زمانی جس میں رڈیو اکٹیو مادہ گھٹ کر مقدار اوّلی کا نصف ہو جاتا ہے۔

۶۔ ویلارد لیبائی نے سن ۱۹۴۶ء میں اس تھیوری کو ایک مقالہ میں شائع کیا۔ اور سن ۱۹۶۰ء میں اس تاریخ گذاری روش کے لئے کمسٹری کا نوبل انعام دریافت کیا۔

۷۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے

Batten,R,Bronk,C,Gillespie., R,Gowlett,,J,Hedges,R,& perry ,c,(1986) A Review of the operation of the oxford radiocarbon accelerator unit , radiocarbon 28 (2a) .177-185

Hedges r,e,m,law,I,a,bronk,c,r,and housely ,r,a, (1989) the oxford accelerator mass spectrometry facility technical developments in routine dating archaeometry ,31:99-113

۸۔ یا نمونہ کی عمر اس فارمولہ سے استفادہ کرتے ہوئے محاسبہ ہوتی ہے۔ N = Noe-x اور اس No فارمولہ میں، نمونہ میں موجود ایزوٹیوپ کی مقدار، موجود کی موت یا اس کے اضمحلال کے وقت زندہ ہے اور N ایزوٹیوب کے ایٹموں کی مقدار نمونہ میں ٹسٹ کی جاتی ہے۔

۹۔ خطا اور غلطی سے مراد ایک متغیر کی مقدار واقعی اور اندازہ گیری شدہ مقدار کے درمیان فاصلہ۔

۱۰۔ bp علم میں مقیاس زمانی، Before Present یعنی زمانہ حال سے پہلے ہے، کیونکہ زمانہ حال کو اوّل جنوری ۱۹۵۰ء سے شمار کرتے ہیں (ریڈیو کاربن کے ذریعے تاریخ گزاری کے اجراء ہونے کا سال)؛ یا Before Physics کا مخفف جو ایٹمی اسلحوں کی آزمائش کے شروع سال کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ اس کے بعد کاربن ۱۴ ایزوٹوپ کی نسبت فضا میں تبدیل ہوئی۔

۱۱۔ نار ملتقسیم کا چارٹ، تقسیم طبیعی ہو یا گاؤسی؛ شماریات اور امکانات کی رو سے ایک اہم ترین مسلسل احتمالی تقسیمات میں سے ایک ہے اور اس امکان کی نشان دہی کرتی ہے اور متغیر کے ایک مخصوص حد میں قرار پانے کے احتمال کو بیان کرتی ہے۔

۱۲۔ آکسل پروگرام کے تحت تاشقند ورژن کے ریڈیو کاربن ڈیٹنگ میں لیباٹری ڈیٹا کو کیلیبریٹ کرکے یہ نتائج INTCAL13 انشائکن ڈایا گرام کے ساتھ حاصل کئے گئے ہیں، جن کی وضاحت اگلے حصے میں کی جائے گی ا/ ۹۴ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۷۶۸ تا ۹۹۳ عیسوی (یعنی تقریباً ۲۲۵ برس کا عرصہ) اور ا/۳ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۷۲۶ تا ۷۳۸ عیسوی۔ یہ تاریخ مقالۂ افیم رضوان میں ہوئے نتائج سے نزدیک ہے۔ اس کے بعد بھی طویل مدت زمانی سے متعلق مشکل کا خاتمہ نہیں ہوا ہے اور کماکان باقی ہے۔

۱۳۔ http://corpuscoranicum.de/handschriftan/index/sure/71/vers/10/handschrift/366

۱۴۔ http://www.corpuscoranicum.de/handschriften/index/sure/14/vers/9?handschrift=453

۱۵۔ مصحف کے ۲۹ صفحات جن کا نمبر شمار قاف ۷۴ ہے مصر میں دار الکتب المصریہ میں رکھے گئے ہیں اور اس کے سات اوراق جرمنی میں ہیں۔

۱۶۔ یہ مخطوط ۷۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ یہ اوراق سورہ اسراء کی ۳۵ ویں آیت سے لے کر سورہ یسین کی ۵۷ ویں آیت پر مشتمل ہیں۔ اس ورژن تک رسائی یونیورسٹی آف ٹوبنگن کی ڈیجیٹل لائبریری کے ذریعے امکان پذیر ہے۔

http://uni.tuebinglit.de./diglit/MaV1165

۱۷۔ کاربن ۱۴ کی یہ آزمائش، کورانیکا انسٹی ٹیوٹ کے منصوبہ بند ٹسٹوں کی سیریز کے ایک مجموعہ کے میں کورپوس کورانیکوم موسّسہ کے زیر اہتمام زورخ کی ایک لیباٹری میں (Ion Beam Physics labotory ETH Zurich) انجام پائی۔ آگے چل کر بعض اخبارات میں شائع ہوا کہ امام علی علیہ السلام کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قدیم ترین قرآن کی تاریخ گزاری ٹوبنگن یونیورسٹی میں ہوئی، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۱۸۔ قرآن صنعاء Inv.20.33.1 اپنی فوق العادہ تذہیب کی وجہ سے توجہ کا مرکز رہا ہے۔

۱۹۔ اس حوالے سے بیشمار تحقیقات ہوئی ہیں جو ابھی ناتمام ہیں۔ ذیل میں اس کے کچھ موارد کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

R Gillespie , REM Hedges . 1983. Sample chemistry for the Oxford high energy mass spectrometer. Radiocarbon 25(2);771-4.

C Bronk Ramsey, T Higham , P Leach. 2004b.Towards high-precision AMS; progress and Limitations. Radiocarbon46(1);17-24

R Gillespie,REM Hedges.1984.Laboratory contamination in radiocarbon AMS. Nuclear Instruments and Methods in physics Research B5(2) : 294-6

C Bronk Ramsey ,T higham ,A Bowles REM HEDGES ,2004A . IMPROVMENTS TO THE PRETEATMENT OF BONE AT OXFROD RADIOCARBON 46(1):155-63

F BRUHN ,A DUHR ,PN GROOTEES ,A MINTROP , M-J NADEAU .2001 .CHEMAICAL REMOVAL OF CONVERSATION OF SUBSTANCES BY'S SOXLET—TYPE EXTRAXTION ,RADIOCARBON 43(2A) : 229-37

Brock ,F, Higham ,T, ,Ditchfield, p & Ramsey ,C .(2010) . Current Preteatment Methods for AMS Radiocarbon dating at the oxford Radiocarbon accelerator unit (orau) . Radiocarbon 52(1)103-112

REM hedges GJ van Klinken .1992 a review of current approaches in the pretreatment of bone for radiocarbon dating by ams radiocarbon 34(3) 279-91.

۲۰۔ ان کاوشوں کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے:

Brock Fiona (2013) . Radiocarbon dating of historical parchments . radiocarbon ,55 pp 353-363

۲۱۔ کالیبرا سیون {انشانکن} یعنی مشین کے ذریعے قرائت شدہ مقادیر کی صحت کے تعلق سے اطمینان حاصل کرنے کے لیئے وسیلہ اندازہ گیری کی دقّت کا تعین، تاکہ آلہ کی درست ریڈینگ کو یقینی بنایا جاسکے۔ یہ کام عام طور پر ڈیوائس کے ذریعے ناپنے والے پیرامیٹرس کو ٹریس ایبل پیمائش کے معیارات کا حوالہ دے کر کیا جاتا ہے۔

22. Reimer ,p,. Baillie ,m,. Bard,E,Bayliss , A ,,. Beck ,,J, Blackwell ,p,... Weyhenmeyer,.C (20004) intcal04 Terrertrial Radiocarbon , Age Calibration, 0-26 Cal Kyr BP(2004) Radiocarbon, 46(3) 1029-1058

23.Reimer, P, Baillie, M. Bard. E..Bayliss, A,, Beck, j, Bllackwell, P.,…..Weyhenmeyer,,C2009) IntCal09 and Marine09 Radiocarbon Age Calibration Curves.0-50.000 Years cal BP Radiocarbon ,51(4).1111-1150.

24.Reimer,P,,Bard, E..Bayliss,A,,Back.J,,Balckwell,P,,Ramsey,C.,..van Der Plicht,J,(2013).Selection and Treatment of Data for Radiocarbon: An Update to the International Calibration(IntCal)Criteria. Radiocabon, 55(4),1923-1945

25.Niklaus, T,,Bonani, G.,Simonius, M..Suter, M,&wolfli,, w,(1992).CalibETH:An Interactive Computer Program for the Calibration of Radiocarban Dates Radiocarban34930.483-498

۲۶۔ یہ پروگرام کورپوس کورانیکوم پروجیکٹ میں استفادہ ہوتا ہے۔

27.Bronk Ramsey C .1994 Analysis of chronological and radiocarbon calibration:The program OXCal.Archaeological Computing Newsletter 41:11-6.

28.Bronk Ramsey,C ,,(2001), Development of the Radiocarban Calibration Program Radiocarban,43(2A),355-363.

۲۹۔ چونکہ پیپرس میں بھی پوست (کھال) کی طرح ارگانیک کی نشوونما ہوتی ہے اس لئے وہ بھی کاربن ۱۴ کی آزمائش کے تحت آسکتا ہے۔

30.Rasmussen, K,, van der Plicht ,j ,,Cryer, F,,Doudna. G,,Cross, F,& Strugnell, j, (2001) The Effects of Possible Contamination on the Radiocarban Dating of the Dead Sea Scrolls 1:Castor Oil,Radiocarban,43(1), 127-132.

31.Adler.Jakob Gerog Christian Faksimlia Kufischer Koranhandschriften Der Kg 1,Bibliothek in Kopenhagen mit ciner Untersuchting iiber die arabischen Schriftetwicklung Kopenhagen 1780

32.M ,Amari, Bibliographie primitive du Coran,ed,by.H. Derenbourg ,in Centenario della nascita
di Michele Amari,I,1910

33. N Abbott,The Rise of The North Arabic Script And 1 st Kuranic Development,With A full Description of the Kuran Manuscripts in the Oriental institute,1939 University of Chicago Press

34.Deroche, Francois. The Abbasid Tradition :Qurans of 8th to10th Centuries AD(Nasser D Khalili Collection of Islamic Art),Londan/Oxford,1992.

۳۵۔ منجملہ ملاحظہ کیجئے:

George ,A. The Aise Oa Islamic Calligraphy ,2010, Saqi Books; London . awr

Blair , Sheila a. Islamic Callig raphy . Edinburgh; E din burgh Uniwarsity press 2006

نمونہ کے لئے ملاحظہ کیجئے: ہالڈن، ڈنکن؛ صحافی اور اسلامی مجلدات، ترجمہ ہوش آذر آذر نوش، تہران، سروش، ۱۳۶۶؛ مائل ہروی، نجیب، اسلامی تمدن میں کتاب آرائی، خوشنویسی، مرکب سازی، کاغذ گری، تذہیب و تجلید کے شعبے میں رسائل کا مجموعہ بضمیمہ فرہنگ الفاظ نظام کتاب آرائی؛ مشہد، آستان قدس رضوی، بنیاد تحقیقات اسلامی، ۱۳۷۱ اور

F. Deroche, Islamic Codicologi, an Introduction to the Study of Manuscripts in Arabic Script ,Al—Furqan Islamic Heritage Foundation , London,2005.

۳۷۔فرانسوادروش کی خط شناسانہ طبقہ بندی کی بنیاد پر خط کی نوعیت اس جدول میں آئی ہے۔

۳۸۔لیکن یہ احتمال دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے،یعنی دو احتمالی مدت زمانی جو ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں؛ایک ۴۲ سالہ مدت زمانی بہت زیادہ احتمال کے ساتھ ہے یعنی ۸۹/۳ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۶۵۲ تا ۶۹۴،اور دوسری احتمالی مدت زمانی ۱۶ سالہ مدت ہے،جو ۷۴۷ اور ۷۶۳ عیسوی کی درمیانی مدّت پر محیط ہے۔اور مدّت زمانی ۱/۶ % احتمال کی رو سے ہے۔

(http//nieuws,Leidenuniv ,nl/nieuws-2014/Leidse—Koranfragmenten-ruim—een eeuw-

(onder—dan gedacht html)

۳۹۔یہ مخطوط حقیقت میں (فرانسوادروش کی خط شناسانہ طبقہ بندی میں) بخط bth کھال کے اوپر لکھے ہوئے مصحف کا ایک حصہ ہے جس کے ۵۶ اوراق بشمارہ Arabe 331 فرانس کی قومی لائبریری میں رکھے ہوئے ہیں۔لیکن اسی مجموعے کے دو ورق لائڈن یونیورسٹی کو فروخت کئے گئے ہیں اور اس وقت تحت شمارہ Or. 14.545 وہیں موجود ہیں۔لائڈن میں موجود ورق کے اوپر کاربن ۱۴ کی آزمائش زوریخ کی ایک لائبریری میں انجام پائی ہے۔

40-http//corpuscoranicum. De/ handschriften/ index/sure/71 vers/10/handschrift/366

۴۱۔مخطوط نمبر OR .8264 پاپروس پر لکھے ہوئے قرآن کے قدیم نسخوں میں سے ایک ہے۔

۴۲۔یعنی اس مصحف کو کاربن ۱۴ کی آزمائش کے مطابق ۹۵ فیصد احتمال کے ساتھ مابین سالہائے ۱۴۱ تا ۱۴۷ میں ہونا چاہئے۔

۴۳۔یعنی ۹۵ فیصد احتمال کے ساتھ یہ قرآن مابین سالہائے ۱۴۹ تا ۱۵۱ وجود میں آیا ہے۔

http://WWW .corpuscoranicum.de /handschriften/index/14/vers/9?handschrift

۴۴۔خط کوفی میں ایک نسخہ ہے جو برلین جرمن کی قومی لائبریری میں محفوظ ہے۔

۴۵۔خط حجازی میں ۳۶ اوراق پر مشتمل ایک خطی قرآن ہے جس کے ۲۹ اوراق بشمارۂ قاف ۴۷ مصر میں دار الکتب المصریہ میں اور ۷ اوراق برلین جرمن کے قومی کتب خانہ میں بشمارۂ Ms, Or,Fol محفوظ ہیں۔اس نسخہ کی تصاویر کو برلین جرمن کی قومی لائبریری کی سائٹ پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے:

http://digital.staatsbibliothek-

berlin.de/Werkkansicht/?PPN644463252&PHYSID-PHYS-0001

۴۶۔یہ نتائج کیلیبریشن کی بنیاد پر جدید نمودار INTCAL13 کے ہمراہ ہے۔

۴۷۔ یہ نتائج اس مخطوط کے ریڈیو کاربن کی قدمت کی تعیین میں لیباٹری ڈیٹا کو کیلیبر کرنے کا نتیجہ ہیں اور یہ کام oxcalپروگرام کے تحت اور IntCal13 کیلیبریشن نمودار کی بنیادپر انجام پایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ نتائج بحد امکان یکدست ہو جائیں اور ان کے موازنہ کاکام آسان تر ہو جائے۔

۴۸۔ایسالگتا ہے فرانسوادروش نے غلطی سے اس تاریخ کو صنعاء کے مشہور پالیمسٹ یعنی نسخہ نمبر1-27-01 سے منسوب کردیاہے۔(Deroche,13,2014)

۴۹۔خط حجازی میں ایک مصحف ہے جس کے آج صرف ۲۹اوراق باقی بچے ہیں۔

۵۰۔اس ورق پر آزمائش کے نتائج بیر منگام یونیورسٹی کی سائٹ پر شائع ہوئے ہیں:

https://www.birmingham.ac.uk/news/latest/2015/07/quran-manuscript-22-07-15.aspx لیکن اس آزمائش کی جزئی اطلاعات رسمی طور پر شائع نہیں ہوئی ہیں۔ مسٹر بہنام صادقی کے لطف سے اس آزمائش کے کیلیبریشن نمودار تک رسائی ملی ہے لیکن ان اطلاعات کا سرچشمہ کیا ہے یہ دقیق مشخص نہیں ہے۔

۵۱۔خط حجازی میں ایک مصحف کے دو اوراق جن کا نمبر Islamic Arabic1572 ہے اور بیر منگام یونیورسٹی کے کادبوری تحقیقاتی کتاب خانہ میں محفوظ ہیں جو قرآن بیر منگام کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسرے ۱۶اوراق جو اسی قرآن سے متعلق ہیں فرانس کی قومی لائبریری میں 328c نمبر کے تحت ۷۱ سے ۸۶ اوراق تک رکھے ہوئے ہیں اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان اوراق پر کاربن ۱۴ کی آزمائش نہیں ہوئی ہے، البتہ اس لائبریری کی تفصیلی فہرست میں بھی اس کی کوئی تاریخ ذکر نہیں ہوئی ہے اور صرف حجازی قرآنوں کے زمرے میں اس کی دستہ بندی کی گئی ہے۔(Deroche,1983m60-61)۔ دو دوسرے اوراق بھی قطر دوحہ میں اسلامی آرٹ کے میوزیم میں محفوظ ہیں جن کا نمبر Ms 67 ہے۔

۵۲۔ایک مصحف ۱۰/۵ ۱۶ * سینٹی میٹر کے ابعاد میں کہ ہر صفحہ ۶ سطر پر مشتمل ہے۔اس مصحف کا خط فرانسوادروش کی دستہ بندی میں خط D.III ہے۔احتمالا یہ قرآن تیس جلدوں پر مشتمل تھا کہ آج اس کے سیکڑوں اوراق شہر قیروان کے مغرب میں رقادہ میں اسلامی آرٹ کے قومی میوزیم میں R64a نمبر کے تحت محفوظ ہیں۔اس مصحف کے چار دوسرے اوراق پیرلیس فرانس کے قومی میوزیم میں (۱۸سے لے کر۲۱تک) Arabe 5178 m نمبر کے تحت محفوظ ہیں۔

۵۳۔یہ نسخہ امیر بادلیس الزیری کی دایہ کی سفارش پر لکھا گیا اور اس پر سونے کا پانی چڑھانے کے بعد قیروان کی مسجد اعظم کو وقف کردیا گیا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مصحف حاضنہ یا دایہ کے نام سے مشہور ہوا۔اس قرآن کے اوراق آجکل رقادہ کے اسلامی آرٹ کے قومی میوزیم، قیروان کے اسلامی آرٹ کے میوزیم، تیونس کے بارڈو قومی میوزیم اور نیویارک میں میٹروپولیٹن آرٹ میوزیم میں

رکھے گئے ہیں۔اسی طرح اس کے کچھ اوراق لندن میں خلیلی کے مجموعہ کتب، کوپن ہیگن میں داود خلیلی کے مجموعہ کتب اور ہوسٹم امریکہ اور ریاض کے شخصی مجموعات میں پائے جاتے ہیں۔

۵۴۔پالیمپسٹ یا پالیمسٹ (palimpsest) لاطینی" لفظ Palimpsestus " ہے اس کا مطلب ہے مخطوط (مصحف، طومار) کے کسی ورق پر موجود تحریر کو دوبارہ مٹانا اور صاف کر دینا اور دوبارہ لکھنا۔پالیمسٹ متعدد تہوں پر مشتمل ہو سکتا ہے اور متن کو مٹانے کا عمل پھر اس پر دوبارہ لکھنا ایسا کئی مرتبہ ہو سکتا ہے۔بہت سارے پالیمسٹوں میں تہہ یا نچلی تہیں ابھی بھی قابل قرائت ہیں۔

۵۵۔اس مخطوط کا دوسرے مخطوطات کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ ۱۹۵۹ عیسوی میں صنعاء کی مسجد اعظم میں انکشاف ہوا ہے۔

۵۶۔یہ قرآنی نسخہ خطی ۱۹۸۵ عیسوی میں کتاب مصاحف صنعاء کی اشاعت کے ساتھ عام لوگوں کے علم میں آیا

۵۷۔ان ۴۰ اوراق کی اوپری تہ ۲۰۰۴ عیسوی میں یمن میں "المخطوطات القرآنیہ فی صنعاء منذ القرن الاول الہجری" کے عنوان سے مس رزان غسان حمدون کی پی ایچ ڈی کی بحث کا موضوع تھی۔

۵۸۔پاک شدہ نوشتہ کی سیاہی کا باقیماندہ حصہ اس میں موجود فلزی عناصر کی وجہ سے مرور زمانہ کے ساتھ شیمیائی فعل وانفعال سے دوچار ہونے کی وجہ سے تغییر رنگ کا موجب ہوا اور اسی وجہ سے براؤن رنگ یا تھوڑے خاکستری رنگ کی صورت میں نیچے لکھی ہوئی تحریر دوبارہ نمایاں اور ظاہر ہوئی۔پاک شدہ نچلی تہہ کے متن کا پڑھنا پالیمسٹوں میں ایک دشوار کام ہے لیکن ان اوراق کی الٹراوایلیٹ تصویر برداری کے استعمال نے اس کام کو کچھ آسان کر دیا ہے۔

۵۹۔ورق اسٹفن فورڈ ۲۰۰۷ء مصحف صنعاء اکے ان چار گمشدہ اوراق میں سے ایک ہے جو یمن کے باہر فروخت ہوتا ہے۔اس ورق کی پہلے ۱۹۹۳ عیسوی میں ستبیز لندن میں نیلامی ہوئی تھی۔اسی وجہ سے یہ ورق ستبیز ۱۹۹۳ء اور اسٹفن فورڈ ۲۰۰۷ء ان دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

۶۰۔یہ رپورٹس بہنام صادقی کی فراہم کردہ ہیں جو ابھی رسمی طور پر منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔

61.Centre de Datationpar le Radiocarbone de lyon.

۶۲۔۲۰۰۷ء میں الٹراوایلیٹ فوٹو گرافی دارالمخطوطات 1. 27 -01 DAM کے ایک نسخہ کے اوراق پر مسیحی ربن اور سرجیونویا نوسڈا نے کی ہے۔

صادقی اور گودرذی سے پہلے الزبتھ پوین [گرد پوین کی بیوی] نے بھی مصحف صنعاء کے متن زیرین کے حوالے سے تین مقالے ۲۰۰۹، ۲۰۰۸ اور ۲۰۱۰ عیسوی میں شائع کئے ہیں۔

Elisabeth Puin " Ein fruher Koranpalimpsest aus san a (Dam 01-27-1), in Schlaglichter : die beiden ersten islamischen Jahrhunderte , ed. Markus Grob et al. (Berlin: Hans Schiler , 2008), 461-93: Elisabeth Puin " Ein fruher Koranpalimpsest aus san a (DAM 01-27-1). Tell ii in vom Koran zum Islam ed. Markus grob et al. (berlin : hans schiler,2009) 523-81: Elisabeth Puin EIN fruher Koranpalimpsest aus san a (dam ,01-27.1) tell iii ein nich utmanischer Koran in die Entsehung Einer weltreligion i: VON der koranischen Bewegung zum fruhislam ed. Markus grob et al .(berlin :hans schiler ,2010).233-305.

۶۴۔ علیٰ کے املاء کی شکل کا ایک مورد الف مقصورہ کی جگہ آخر میں ایک الف ہے[علا]۔

۶۵۔اس مقام پر متن میں اس طرح مذکور ہوا ہے: " انّما ھو انا اللہ " اس بات کا امکان ہے کہ کاتب عبارت " انّما انا اللہ" لکھنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے عبارت میں کلمہ "ھو" کا اضافہ کر دیا۔

۶۶۔آیت کی کتابت اس طرح ہوئی ہے:" قل للمؤمنات...من ابصارھم " یہاں پر مؤمنات کے لئے ضمیر " ھم " کا استعمال غلط ہوا ہے۔

۶۷۔ لفظ استضعفوا میں حرف ضاد اور حرف عین پس و پیش کتابت ہوئے ہیں۔

کتابنامہ

حجتی، محمد باقر، (۱۳۸۷ش)، قرآن کریم کی تاریخ پر ایک تحقیق، تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی

خوئی، سید ابو القاسم، (۱۳۷۶ش)، البیان فی تفسیر القرآن، تحقیق: السید جعفر الحسینی، قم، دار الثقلین

فرانسوا دروش، قرآن ہائے عصر اموی، (۱۳۹۴ش)، ترجمہ مرتضی کریمی نیا اور آلاء وحید نیا، تہران، انتشارات ہرمس

فرانسوا دوبلو، اسلام در بستر عربی آن، ترجمہ آلاء وحید نیا، آئینہ تحقیق، دورۂ ۲۵، سرما ۱۳۹۳

ہارالڈ موتسکی، جمع وتدوین قرآن، بازنگری دیدگاہ ہائے جدید در پرتو تحولات جدید روش شناختی، ترجمہ مرتضی کریمی نیا، ہفت آسمان، سال ہشتم، ش ۳۲، سرما ۱۳۸۵، ص ۱۵۵تا۱۹۶

مائل ہروی، نجیب، کتاب آرائی در تمدن اسلامی، مجموعۂ رسائل در زمینۂ خوشنویسی، مرکّب سازی، کاغذ گری، تذہیب و تجلید بہ انضمام فرہنگ واژگان نظام کتاب آرائی، مشہد، آستان قدس رضوی، بنیاد تحقیقات اسلامی، ۱۳۷۱

ہالڈن، دانکن؛ صحافی و جلد ہائے اسلامی، ترجمہ ہوش آذر نوش، تہران، سروش، ۱۳۶۶

Abbott,N,(1939) the rise of the north Arabic script and its kur anic development , with a full description of the kur' an manuscripts in the oriental institute , university of Chicago press

Amari,M,. (1910) Bibliographie Primitive du Coran , ed , by, H, Derenbourg , in Centenario della nascitadi Michele Amari ,I, Palermo ,

Batten ,R,Bronk , C,Gillespie ,R,. Gowlett, J, Hedges ,R ,& perry ,c, (1986) . A Review of the operation of the oxford radiocarbon accelerator unit radiocarbon 28(2a) 177-185

Bergmann, u, & Sadeghi , B,(2010) the codex of a companion of the prophet and the qur'an of the prophet , Arabica volume 57 number 4 pp . 348-354.

Bothmer,H-C.G.Von, ohling , K-H& G-R.Puin (1999) " neue wege der koranforschung" magazine Forschung (univesitat des saarlandes) no , I

Blair , Sheila s (2006) Islamic Calligraphy . Edinburgh : Edinburgh university press .

Brock , Fiona (2013) Radiocarbon dating of historical parchments . radiocarbon ,55, pp 353-363.

Brock ,F, Higham,T, Ditchfield, p,. & Ramsey ,C, (2010) Current Preteatmant methods for ams radiocarbon dating at the oxford radiocarbon accelerator unit (orau) , radiocarbon 52(1)103-112

Brock Ramsey , C,... T ., Bowles , A, REM hedges ,(2004)a, improvement to the pretreatment of bone at oxford .radiocarbon 46(1):155-63

Brock Ramsey C , (1994) Analysis of chronological information and radiocarbon calibration the program oxford archaeological computing newsletter 41:11-6

Brock Ramsey , C, (2001) . Development of the radiocarbon calibration program . radiocarbon 43(2a),355-363

Bonani , G , LVY , S , wolfle , w,. broshi , m,. carmi, I,. & Strugnell ,J,. (1992) Radiocarbon dating of fourteen dead sea scrolls . radiocarbon .34(3)843-849

Bowman Sheridan (1995){1990} .radiocarbon dating .London :British museum press

Bruhn ,F, Duhr,. A,. Grootes PN. Mintrop ,. A ,. Nadeau M-J.2001. Chemical removal of conversation of substances by soxhlet' type extraction . radiocarbon 43(2a) 229-37

Burton, John , (1997) the collection of the qur'an Cambridge : Cambridge university press .

Casanova , paul . mohammed et ia fin du monde : etude critique sur l' Islam primitif, paris: p geuthner , 1911 -1924

De blois , Francois (2010) Islam in its Arabian context , the qur'an in context , historical and literary investigation into the qur'anic milieu ed. Angelika Neuwirth., Nicolai Sinai Michael marx brill lieden , boston

De premare , Alfred Louis (2002) les foundations de l' Islam . entre ecriture et histoire (Islam's foundations . between scripture and history) seuil, paris .

Deroche , Francois (1983) , catalogue des Manuscrits arabes: deuxieme partie : Manuscrits Musulmans- tome I, I : les manuscrits du Coran : aux Origines de la Calligraphie Coranique , Bibliotheque Nationale : paris

Dereoche , francois (1992) . the Abbasid tradition : qur'ans of the 8th to 10th centuries AD (Nasser D.Khalili collection of Islamic art) London / oxford .

(Deroche francois (1999)" Note Sur les fragments coraniques Anciens de katta Langar ouzbekistan) , Cahiers D' Asie central , volume 7,pp.65-73

Deroche francois (2003)Manuscripts of the Qur'an" in J.D.McAuliffe (Gen. ed.) Encyclopaedia of the Qur'an volume three (J-O)

Deroche francois (2005) Islamic Codiology , an introduction to the study of manuscripts in Arabic script al Furqan Islamic Heritage Foundation ,London

(Leiden Deroche francois (2014) Qur'ans of the Umayyads, A First Overview ,Leiden Brill studies in Islam and society)

Dutton Yasin (2007) an Umayyad Fragment of the Qur'an and its dating , Journal of Qur'an anic studies volume 9,no 2,pp.57-58

Fedeli, A.(2007) Early Evidences of Variant Readings in Qur'anic Manuscripts " in die dunklen antange : neue Forschungen Zur E ntstehung und fruhen Geschichte des Islam K-H.Ohlig and G-R puin , Berlin pp.293-316

Fedeli, Alba (2010) the kufic collection of the Prussian consul wetzstein : the 1100 leaves of the universitatsbibliothek in tubingen and their importance for Palaeography and Qur'anic Criticism , in R.M.Kerr& T. Milo (Eds) writing and writing from another world and another era : investigation in Islamic text and sript in honour of DR Januarius Justus witkam , Cambridge : Archetype

Gillespie , R, hedges REM,(1983) . Sample chemistry for the oxford high energy mass spectrometer radiocarbon 25(2)771-4

Gillespie ,R,,. Hedges REM 1984. Laboratory contamination in radiocarbon AMS . Nuclear Instrument and methods in physics Research b 5(2) 294-6

George , Alain (2009) Calligraphy ,Colour and light in the blue Qur'an Journal of QUR'ANic studies volume 1 1 issue , 1 . page 75-125

George Alain (2010) the rise of Islamic calligraphy saqi books : London

(George alain (2015) Coloured dots and the question of regional origins in early Qur'an part ii , journal of Qur'anic studies , volume 17, issue 2,pp.75-102

Godwin.H. (1962). Half- life of radiocarbon . nature 195

Gottschalk .H.L.(ED) (1984) Catalogue of the Mingana collection of Manuscripts : now in the possession of the trustees of the Woodbrooke, settlement selly oak , Birmingham and preserved at the selly oak college library volume iv— Islamic Arabic Manuscripts the selly oaks colleges library : Birmingham .

Goudarzi , Mohsen (2012) . And Sadeghi,. Behnam , san a I and the origins of the Qur'an , der Islam : zeitschrift fur geschichte und kultur des Islamischen orients 87i-ii pp 1-129

Grohmann, A. (1958), The Problem Of Dating Early , Der Islam ,Volume 33, Number 3.p 222,.

Gruendler, B. (1993) The Development Of The Arabic Scripts : from the Nabatean Era To The First Islamic Cuntury According To Dated Texls , Harvard Semitic Series No.43 Scholars Press Atlanta (G A)

Guilderson , Tom P., Reimer , paula J., Brown. Tom A., (2005). The Boon and Bane of Radiocarbon Dating .Science 307(5708),pp,362-364

Hedges, R, E, M.. Law, I, A,.Bronk, C, R, and Housley, R. A.(1989) The Oxford aaccelerator Mass Spectrometry Facility: Technical Developments In Routine Dating .Arehaeometry,31:00-113

Hedges REM.,Klinken ,GJ van.,(1992). A revew of current approaches in the pretreatment of bone for radiocarbon dating by AMS. Radiocarban 34(3):279-91.

Jull. A., Donahue. D., Broshi, M.,&. Tov .E.(1995) Radiocarban Dating of Serolls and Linen Fragments from the Judean Desert. Radiocarban. 37(1)11-19

Libby, W .F. (1946). Atmosphene Helium Three and Radiocarban from Cosmic Radition Physical Review 69 Issue 11-12

قرآن کریم میں تاریخ کا مطالعہ

مؤلف: سید محمد نقیب

مترجم: مولانا سید نذر امام نقوی

خلاصہ

تاریخ اور ماضی کے واقعات کے سلسلہ میں قرآن کریم کا کردار اس فرد کی مانند ہے جو مقام بلند و بالا سے اس پر نگرانی رکھتے ہوئے مکمل طور پر اس کی تمام تفصیلات کا بالعین شاہد اور ناظر رہتا ہے۔

اس آفاقی کتاب کو ہمہ جانبہ زاویہ نگاہ سے واقعات و حالات اور ان کے کوائف کے زائد و اضافی پہلوؤں کے شاخ و برگ کی صفائی کے بعد عام، تاثیر گذار، جامع و مکمل اور مستقبل ساز نتائج کے حصول کا ملکہ اور تبحر حاصل ہے۔

قرآن کریم نے ایک مجموعی اور مکمل زاویہ نگاہ مختلف اور گوناگوں، تعلیمی، تربیتی، سماجی، سیاسی زاویہ نیز قوانین اور سنتوں نیز معاشرے میں موجود مختلف افکار و نظریات اور معاشروں کی عظمت و زوال کے علل و اسباب کے وجوہات کی شناخت پر توجہ ملحوظ رکھتے ہوئے مواقع و محل اور زمانہ و مقام کے خصوصیات نیز افرادی خصوصیات کے علاوہ خاص واقعات پر توجہ دیئے بغیر، زمانے کی تطبیق اور کلیہ و مجموعی قواعد کو موقع فراہم کئے بغیر، قرآن کی جاودانگی پر مبنی نظرئے کے اثبات کے امکان کو نظر میں لائے بغیر تاریخ و واقعات کا ناظر و نگراں رہا ہے، مندرجہ ذیل مقالے میں ہماری کوشش ہوگی کہ قرآن مجید کے زاویہ نظر تاریخ کے عمل و دخل اور استعمال کے موضوع کی وضاحت میں تجزیاتی و تحقیقی بحث کو تین مراحل، تعلیمی و تربیت عمل دخل اور استعمال (شناخت پر مبنی عمل دخل) اور (سماجی و سیاسی) استعمال (عمل و دخل) پر بحث کی جائے۔

۱۔ تمہید

قرآن مجید، تاریخی تجربات کو شفیق و ناصح استاد کی حیثیت سے جانتا ہے کیونکہ اس نے حالات و واقعات پر مبنی معلومات و تجربات کو مرحلہ بہ مرحلہ تربیت نیز کمال و سعادت کی منزلوں تک پہنچانے کے لئے انسانوں کے اختیار میں دیا ہے تاکہ وہ ان تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، دیگر حاصلہ تجربات وآزمائش اور خطاؤں سے بے نیاز نیز آنے والے مسائل و مشکلات اور غلط فیصلوں کے علاوہ اضطراب و بے چینی اور غلط خوش فہمیوں سے خود کو محفوظ و مامون رکھ سکے اور خود کے لئے تابناک و روشن مستقبل کا خاکہ بنا سکے۔

اس تحریر کے ذریعہ اس مسئلہ کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ قرآن مجید ماضی کی تاریخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کس طرح سے تاریخ کے تعلیمی، تربیتی اور ماضی کی تاریخ کی شناخت نیز سماجی و سیاسی مسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ کیونکہ اس طرح کے تجربات انسان کو سیکھنے اور آزمائشوں میں کامیاب ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور ماضی کو مستقبل کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید میں تاریخ کا تعلیمی و تربیتی پہلو

لغت میں (تعلیم) لفظ کا مطلب (سکھانا اور تعلیم دینا) ہے (دہخدا، لفظ تعلیم کے ذیل میں) اور اصطلاحات (دوسروں کو یاد دلانے اور سکھانے کا ہنر) کے معنی میں مستعمل ہے (رجوع کریں: فرہنگ علوم رفتاری، ص ۲۳)

لغت میں تربیت کا لفظ بھی حد کمال تک پہنچنے کے لئے تدریجی رشد و شکوفائی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (راغب اصفہانی، ص ۳۳۶) اور اصطلاحاً: کمال مطلوب و ترقی کی راہ میں پائی جانے والی رکاوٹوں کو دور کرنے اور مطلق طور پر انسانی صلاحیتوں کا مناسب پروگرام کے تحت عمل میں لانے کو کہتے ہیں۔ (رک: دلشاد تہرانی، سیری در تعلیم و تربیت، ص ۳۴۱؛ مطہری، مجموعہ آثار جلد ۲۲، ص ۵۵۲)

تعلیم کا کام صرف سکھانا ہے اس کا سیکھنے والے کے عمل سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا ہے چونکہ اکثر اوقات بہت سی سیکھی ہوئی باتیں عملی شکل اختیار نہیں کر پاتیں، لیکن تربیت انسان کی اصلاح اور رشد و کمال کی طرف رہنمائی

کرتی ہے اور تربیت دینے والا اپنی ہدایات ، رہنمائیوں وانداز و انتباہ کے ذریعہ لوگوں کو ہلاکت خیز دلدل میں گرنے سے روکنے کا کام کرتا ہے اور کمال ہدایت کی راہ میں اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔

۳۔ تاریخ کا تعلیمی وتربیتی پہلو

قرآن کریم تاریخی تجربات کو ناصح و مشفق استاد کی طرح سمجھتا ہے چونکہ اپنی معلومات اور چھوٹے بڑے ، تلخ و شیریں تجربات واقعات و حوادث سے متعلق اپنے تجربات اور کامیابی و ناکامی، سرگذشت نیز اقوام عالم کی عظمت و پستی وانحطاط کو تدریجی تربیت اور انسان کو سعادت و کمال تک پہنچانے کے لئے اس کے اختیار میں قرار دیتا ہے تاکہ وہ اپنے سامنے پائی جانے والی ہزاروں مشکلات اور غلط فیصلوں نیز اضطرابات اور غلط خواہشات سے خود کو چھٹکارا دلاتے ہوئے اپنے مستقبل کی راہ کا خاکہ تیار کرسکے، قرآن مجید تاریخ کے اس مرحلے اور پہلو سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ،پہلے مرحلہ میں تعلیمی مقصد کو آگے بڑھاتا ہے اور اس کے بعد اپنے انتباہ کے ذریعہ انسان اور معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی طور پر تدریجی تربیت کا آغاز کرتا ہے، کیونکہ تجربہ انسان کو سیکھنے اور آزمانے کا موقع فراہم کرتا ہے اور ماضی کو مستقبل کا آئینہ قرار دیتا ہے، ذیل میں معاشرے کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں قرآن مجید جن تاریخی ماحصل سے استفادہ کرنا ہے آپ کے لئے بیان کرتے ہیں:

۳/۱۔ عقیدہ کی اصلاح

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد، ان کی ایک تعداد نے کہ جنہیں شکست کی توقع نہیں تھی، خدا پر غلط اور نازیبا و بے بنیاد بہتان تراشی کا ارکتاب کیا(آل عمران، ۱۵۴) جو کہ جاہلیت پر مبنی تھا اور خدا کی اس طرح سے توصیف کی جو کہ جاہلیت کے دور کے لوگوں کا شیوہ و وطیرہ تھا، وہ کہنے لگے: هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ، در حقیقت انہوں نے جاہلیت کے خیال کو خود پر حاوی کیا کیونکہ مشرکوں کی طرح انہوں نے خدا کا شریک و مثل قرار دیا کہ جن میں سے ایک پیمبر کی ذات ہے اور انہوں نے خود نبی کو رب کا درجہ دے دیا گویا کہ خداوند عالم نے دشمن پر کامیابی اور اس سے مال غنیمت حاصل کرنے کا اختیار رسول کو دے دیا ہے۔ (ترجمہ تفسیر المیزان، ج ۴، ص ۴۷)

قرآن مجید اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے تاریخ اسلام میں رونما ہونے والی جنگ بدر کی اہم روداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنگ احد میں شکست کی وجوہات کے سلسلہ میں مسلمانوں کی ایک تعداد شرک سے آلودہ نظریات کی اصلاح کا امکانی ذریعہ قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید اس پہلو باور کرانے کے لئے کہ اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران، ۱۲۸) اور یہ کہ سارے امور کا اختیار اللہ تبارک وتعالی کو حاصل ہے" إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ" (آل عمران، ۱۵۴) اور قوم وملت نیز فطرت اور دین توحید وغیرہ، وہی ملت ودین ہے جس میں مالک صرف اللہ سبحانہ تعالی کو مانا گیا ہے اور اللہ کے سوا کسی بھی امر میں کوئی بھی مستقل موثر نہیں ہے، قرآن مجید جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب وعوامل کے ذریعہ انہیں یہ سکھانا چاہتا ہے کہ اگر کچھ لوگوں کا ایک گروہ مومن ہو اور اپنے ایمانی فرائض پر عمل کرے تو خدا کی سنت اس کے شامل حال ہوگی، جیسا کہ جنگ بدر میں باوجود اس کے کہ دشمن کے مد مقابل ظاہری حالات مسلمانوں کی ناکامی کے آشکار علائم و شواہد پیش کر رہے تھے (کیونکہ دشمن کی قوت و فوجی ساز وسامان کے لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد سمیت طاقت بھی کمزور رکھی) لیکن وہ اپنے ایمان کی طاقت کے بل بوتے دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہوگئے، قرآن کریم اس کامیابی کی حقیقت کو مسلمانوں کے اندر پائے جانے والے صبر کا نتیجہ قرار دیتا ہے جو باعث ہوا کہ امداد الہی کی سنت انہیں کامیابی سے ہمکنار کرے نہ یہ کہ اس کامیابی میں رسول اکرم ﷺ کو مؤثر قرار دیا گیا ہو، قرآن مجید مستقبل میں ہونے والی اس طرح کی کامیابیوں کو قطعی اور حتمی امر قرار دیتا ہے، البتہ اس شرط کے ساتھ مستقبل میں مسلمانوں کے اندر جنگ بدر جیسی صفات پائی جائیں:

"وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔"

اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے، تو پھر اللہ سے ڈرو (تقوا اختیار کرو) تاکہ اس کی عطا کردہ نعمت کا شکریہ ادا کر سکو اس وقت جب کہ تم مومنین سے کہتے تھے، کیا یہ کفایت نہیں کرتا کہ تمہارے پروردگار نے آسمان سے بھیجے گئے تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی؟ ہاں! آج بھی اگر تم استقامت دکھاؤ اور تقویٰ اختیار کرو اور (یہ اندیشہ ہو کہ) عنقریب دشمن تم پر حملہ کر دے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ جو کہ جو نشانیاں اٹھائے ہوں گے، تمہاری مدد کرے گا لیکن ان سب کو بشارت اور تمہارے اطمینان کی خاطر قرار دیا ہے، ورنہ کامیابی تو صرف اللہ کے دست قدرت میں ہے جو کہ بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران، ۱۲۳۔۱۲۶)

جنگ احد میں شکست کے بعد جنگ بدر کی تاریخی روداد کی یاد دہانی کا ماحصل نیز اس جنگ میں کامیابی کی وجوہات کی وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ سکھادیا گیا کہ اگر مقابلے کے میدان میں اگر ایسے افراد ہوں جن کے اندر آسمانی رسالت کا تجسم پایا جاتا ہو لیکن ان کے اندر ایمانی صفات کا فقدان ہو تو انہیں الٰہی کامیابی حاصل نہیں ہو پائے گی اور اس امر کا پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات اور ان کے اندر الٰہی طاقت و اختیار سونپے جانے سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔

۳/۲۔ عبرت حاصل کرنا

قرآن مجید کی جملہ موثر اور کارآمد ترین تربیتی روش، عبرت آموزی پر مبنی تاریخی روش ہے، قرآن مجید کی کچھ آیات میں ماضی میں رونما ہوئی کچھ رودادوں کو انسانوں کی عبرت آموزی کے لئے بطور ہدایت و نصیحت بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید سورہ حشر میں ایک تاریخی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے اور قرآن مجید سب سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس واقعہ کے کردار نے ماضی میں جو کچھ انجام دیا ہے سبھی لوگ اس پر توجہ دیں، اسے بصیرت کی نگاہ سے دیکھیں اور عبرت حاصل کریں تاکہ جو انجام ان کا ہوا ہے، اس طرح کے انجام سے یہ لوگ بچے رہیں:

"هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا ۖ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ"۔

وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو (مسلمانوں کے ساتھ) ان کے پہلے مقابلے کے موقع پر ان کے گھروں سے نکال باہر کیا، جب کہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ وہ نہیں نکل سکیں گے اور خود یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ ان کے مستحکم قلعہ مانند گھر خدا کے عذاب سے انہیں بچالیں گے لیکن خداوند عالم نے وہاں سے انہیں کھدیڑا جہاں سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کے دلوں میں خوف وہراس اس طرح پھیلادیا کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے اور مومنین کے ہاتھوں ویران کرنے لگے تو پھر اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو اس واقعہ سے۔ (سورہ حشر، آیت نمبر ۲)

شہر مدینہ اور اسکے اطراف و نواح میں یہودیوں کے تین قبیلے بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع آباد ہوا کرتے تھے اور جب پیغمبر اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان یہودی گروہوں سے معاہدہ کیا کہ انہیں اسلام اور نو تشکیل اسلامی حکومت کے خلاف اقدام کرنے کا حق نہ ہوگا لیکن بنی نضیر قبیلے نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع کردیا، منجملہ جنگ احد کے بعد چالیس گروہوں پر مشتمل ایک گروہ مکہ چلا گیا اور اسلام کو نقصان پہچانے کے لئے قریش سے معاہدہ کر بیٹھا، ابوسفیان قریش کے کے چالیس اور بنی نضیر کے چالیس لوگوں کے لے کر مسجد الحرام میں داخل ہوا اور خانہ کعبہ کے جوار میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک معاہدے کا انعقاد کیا کہ جسکی خبر پیغمبر اکرمؐ تک بذریعہ وحی پہنچ گئی۔

دوسرا پہلو یہ کہ ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے کچھ افراد کے ساتھ مدینہ کے نواح میں واقع قبیلہ بنی نضیر تشریف لائے اور قلعہ کے باہر بنی نضیر کے ایک بزرگ لیڈر کعب بنی اشرف سے محو گفتگو تھے کہ اتنے میں ایک گروہ نے چال چلی اور پلان یہ بنایا کہ جس دیوار کے زیر سایہ یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے ایک آدمی اسکی چھت پر جا کر ایک بڑا پتھر ان کے اوپر گرائے گا، اس بات کی خبر اور سازش سے خداوند عالم نے بذریعہ وحی پیغمبر اکرم ﷺ تک پہنچادی جس کے تحت آنحضرت وہاں سے اٹھے اور مدینہ چلے آئے۔ اور چونکہ یہودیوں کی معاہدے سے خلاف ورزی آنحضرت کے لئے عیاں ہو گئی مسلمان بھی بنی نضیر سے پیکار کا جواز حاصل کر بیٹھے سب سے پہلے پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ حکم دیا کہ بنی نضیر کے بڑے رہنما کعب بن اشرف کو مارا جائے، کعب بن اشرف کے قتل کے بعد بنی نضیر قبیلے میں تنزلزل واقع ہوگیا پھر اس کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ

حکم دیا کہ اس واقعہ کے بعد مسلمان اس قبیلے سے پیکار کرنے کے لئے کوچ کریں، اور جب قبیلہ بنی نضیر کے باشندوں کو مسلمانوں کے حملے کی خبر ہوئی تو ڈر کے مارے وہ اپنے مضبوط قلعہ ہیں جا کر چھپ گئے اور قلعہ کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر لیا، بنی نضیر کا محاصرہ کئی دنوں تک جاری رہا، اس درمیان خون خرابے سے بچنے کے لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مدینہ کی سرزمین کو چھوڑ کر نکل جائیں، انہوں نے بھی یہ بات مان لی، جہاں سے نکلتے وقت انہوں نے اپنا کچھ ساز و سامان لیا اور باقی وہیں چھوڑ کر چلے گئے البتہ وہاں سے نکلتے وقت جس قدر کہ ممکن ہو سکتا تھا انھوں نے اپنے مکانوں کو خراب کر کے نا قابل سکونت بنا دیا تھا۔

اس آیت کے اختتامی حصہ میں خداوند عالم نے اس تاریخی واقعہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنے، سوچنے اور سمجھنے کی تاکید و نصیحت کی ہے یعنی مقصد یہ ہے کہ اگر اسی طرح کے کسی واقعہ کے سلسلہ میں جو کہ مستقبل میں پیش آئے تو نتیجہ بھی وہی پہلے والے مذکورہ واقعہ جیسا ہوگا اور عبرت کا حاصل کرنا انسان کے عقلانی پہلو کو مضبوط کرنے کا باعث ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آیت میں اولوا الابصار کی اصطلاح کا استعمال ہوا ہے۔

اس آیت میں کچھ عبرت کے پہلو بھی پائے جاتے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: اس واقعہ سے ایک طرح سے خدا پر یقین حاصل کرنے کے ساتھ قدرت خداوندی سے بڑھ کر کسی اور طاقت کے وجود نہ ہونے کی بابت سبق حاصل ہوتا ہے، یہودیوں کو اپنے لکڑی اور لوہے اور لوہے کے مضبوط قلعہ پر فخر تھا وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس کے ذریعہ وہ لوگ بچ جائیں گے جیسا کہ وہ خدا کی طاقت اور خدا کے ظاہری و باطنی تشکر سے غافل تھے۔

بنی نضیر کے یہودیوں کی مدینہ میں دولت و جائداد اور دیگر رفاہی امکانات زیادہ تھے جس کی وجہ سے انہیں یقین تھا کہ ان پر جلدی غلبہ نہیں پایا جا سکتا ہے لیکن چونکہ خداوند عالم نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ سب پر یہ بات عیاں ہو جانی چاہیے کہ اس کی مشیت و ارادے کے مقابلے میں کسی کو استقامت دکھانے کی تاب نہیں ہے، اسی لئے کسی طرح کی مزاحمت و جنگ ہوئے بغیر ہی اس سرزمین سے یہودیوں کو نکال باہر کیا۔

ب: خداوند عالم کے پاس ایسے لشکر موجود ہیں جو آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں جو دین خدا کے مددگاروں کی مشکل حالات میں مدد کرتے ہیں اور ظاہری وسائل نیز تعداد اور مال و روایت ہی صرف نجات کا ذریعہ نہیں ہوا کرتے ہیں، ان ظاہری عوامل سے بڑھ کر خداوند عالم کی غیبی امداد بھی ضروری ہے۔

ج: حق کا مقابلہ کرنے اور اس کی مخالفت میں کھڑے ہونے نیز پیغمبر اکرم ﷺ کی مخالفت اور دین الٰہی نیز اسلامی معاشرے کے حاکم و رہنما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور سازشیں رچنے کا نتیجہ ہلاکت اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔

د: انسان اپنی دولت و ثروت سے بہت محبت کرتا ہے اس لئے وہ اس دنیا میں مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کے لئے کوششیں کرتا رہتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بدبختی کے ایسے بھنور میں پھنس جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنی ساری جمع پونجی کو اپنے ہی ہاتھوں گنوا بیٹھتا ہے، تاہم ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہیں ان تلخ و ناگوار حادثات کو دیکھتے ہوئے سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہئے، انھیں ان شدائد و مشکلات نیز نشیب و فراز کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاہم یہ لوگ گذران تاریخ سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہیں۔

۳/۳۔ مناسب آئیڈیل کا تعارف

انسان مختلف پہلوؤں پر مشتمل مخلوق ہے، ایک طرف کمال پسند اور بلند و بالا مقاصد اور تمناؤں کے حصول کا خواہاں ہوتا ہے تو دوسری طرف اپنے ارد گرد کے ماحول اور آئیڈیل انسانوں سے متاثر ہو کر انہیں اپنے لئے مثال اور آئیڈیل قرار دینے کا خواہشمند ہوتا ہے اور جب وہ اپنے مثالی انسان سے روبرو ہوتا ہے اس کی جانب راغب ہونے کے ساتھ کچھ سیکھنے اور ان کی تقلید و پیروی کی کوشش کرتا ہے، شاہدہ و تقلید کے ذریعہ سیکھنے کا طریقہ کار نیز واقعہ و عینی آئیڈیل و مثال کے ذریعہ سیکھنے کی روش اثر انداز ہونے والی جملہ تربیتی روش ہے کیونکہ تربیت حاصل کرنے والا انسان ایک عملی و عینی مثال کا سامنا کرتا ہے تو دوسرے کے عمل سے خود کو مطابقت دینے اور عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ عمل یعنی آئیڈیل کو اپنانا تربیتی روش کا ایک حصہ شمار ہوتا ہے کہ جس کو مثالی روش کا نام دیا جاسکتا ہے۔ (سیف، روش شناسی پرورشی، ص ۲۱۲)

قرآن کریم کی تعلیمات جو کہ فطرت انسانی کی بنیاد پر انسان کی فطری صلاحیتوں کے نکھار کے لئے کے لئے نازل ہوئی ہیں، انہوں نے مثال پسند فطری تقاضوں کو مد نظر رکھا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں میں تخیلات سے غض نظر کرتے ہوئے صرف عینی و حقیقی مثالوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی قرآن مجید اس بات پر بھی تاکید کرتا ہے کہ ہر آئیڈیل پیروی کے قابل بھی نہیں ہوا کرتا:

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا(سورہ الکھف" ۲۸)

ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور صرف اس کی خشنودی کے طالب و خواہاں ہوتے ہیں اور دنیا کی زینت کے لئے ہر گز ان سے اپنی آنکھیں نہ پھیرو اور ان لوگوں کی اطاعت سے گریز کرو کہ جن کے دلوں کو ہم یاد خدا سے محروم کر دیا ہے، چونکہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیروکار ہوتے ہیں اور ان کے امور انتہا پسندی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب (خدا) والدین کی عزت و تکریم کے بارے میں بات کرتا ہے تو جہاں ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی نصیحت کرتا ہے وہیں ان کے غلط اور بے جا توقعات کی اطاعت سے منع بھی کرتا ہے (لقمان، ۱۵، عنکبوت، ۱۸)

قرآن مجید نے مناسب اور قابل ملاحظہ آئیڈیل اور مثال پیش کرنے کے دوران اسوہ حسنہ، اقتدا اور اتباع جیسی اصطلاحوں کا استعمال کرتے ہوئے نمونہ عمل اور خاص خصوصیات کے حامل انسانوں کے ساتھ ان کے کچھ صفات کا ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید پیغمبران الٰہی اور رسولوں کے ایک گروہ نیز ایسے کچھ لوگوں کے بارے میں جن پر اس کی ہدایات شامل حال رہی ہیں ان کے بارے میں فرماتا ہے:

"أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام، ۹۰) اور ان لوگوں کو پیروی کے لائق سمجھتا ہے جو کہ ہدایت یافتہ ہوں، أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (یونس، ۳۵)

خداوند عالم ایسے لوگوں کو کامیاب سمجھتا ہے جو رسول خداﷺ اور اس کی نورانی کتاب کی جو کہ خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے پیروی کرتے ہیں:

" ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ " (الاعراف، ۱۵۷)

قرآن مجید اس تربیتی روش کے تحت تین مثالی روشوں، "مثالی حیثیت" "مثالی پیشکش" اور مثالی ہونے سے گریز" کو پیش کرتا ہے، اسوہ حسنہ کی مثال پیش کرنے کے علاوہ ان کی خصوصیات کو شمار کرتا ہے تاکہ مثالی ہونے کی دلیل بیان کرسکے اور منفی مثالوں اور آئیڈیل سے دوری اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

قرآن مجید میں تین مرتبہ اسوہ مثال کی اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے کہ جس میں سے ایک مرتبہ پیغمبر اکرمﷺ کے بارے میں دو مرتبہ جناب ابراہیم اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔

"لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرًا"، (احزاب/۲۱)

یقینی طور پر تمہاری زندگی میں رسول خداﷺ کی ذات گرامی ایک اچھی مثال اور نمونہ عمل تھی البتہ ان لوگوں کے لئے جو کہ خدا کی رحمت اور روز حشر پر رکھتے ہوئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہو۔

" قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن شَىْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ ٱلْمَصِيرُ " (الممتحنہ، ۴)

تمہارے لئے ابراہیم اور جو لوگ کہ ان کے ساتھ تھے، ان کی آپ بیتی میں اچھی سرگذشت پائی جاتی تھی جب کہ انہوں نے اپنی مشرک قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اسے جو کہ تم لوگ اللہ کے ماسوا کسی چیز کی پرستش کرتے ہو، بیزار ہیں، ہم تمہاری بہ نسبت کافر ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان دائمی عداوت و دشمنی واضح عیاں ہو سکتی ہے، اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک کہ تم لوگ خدائے واحد و یکتا پر ایمان نہ لاؤ۔ ابراہیم کی اس بات کے سوا کہ انہوں نے اپنے باپ (یعنی چچا آذر) سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے لئے معافی کا طالب ہوں گا، بہر حال میں خداوند عالم کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ہوں۔ اے میرے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا ہے اور تیرے ہی طرف رجوع کیا ہے اور سارے انجام کی بازگشت بھی تیری ہی جانب ہے۔ ان آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نیز ان کے اصحاب کو ذکر شدہ خصوصیات کے تحت مثالی قرار دیا گیا ہے، (لقد کان لکم) کی تعبیر ماضی استمراری ہے کہ جس کا اطلاق ان کی جانب سے بطور دائمی و مسلسل مثالی حیثیت کے لئے ہوتا ہے، (طباطبائی، المیزان، جلد ا، ص ۲۸۸)

قرآن مجید نے پورے انسانی ادوار تاریخ میں انفرادی خصوصیات کی تصویر کشی کرنے کے ساتھ مثالی حیثیت پر زیادہ توجہ دی ہے، تاکہ انسان کمال اور مطلوبہ مقصد کے حصول کے لئے اس آئیڈیل سے فائدہ اٹھاسکے، اسی پوری ادوار تاریخ میں حضرت یوسف کی جوانی و خوبصورتی اور تمام بدعنوانی و فساد کے تمام امکانات کے باوجود معصیت الٰہی سے گریز نیز تنہائی کے عالم میں اصحاب کہف اور ان کی وحدانیت پرستی اور حکم خداوندی کے آگے حضرت اسماعیلؑ کا سر خم کرنا اور جناب ابراہیمؑ کا کڑی آزمائش سے کامیاب و سرافراز ہونا نیز حضرت نوحؑ اور لوگوں کی ہدایت کے لئے ان کی کوششوں، اسی طرح جناب داوودؑ اور ان کی شجاعت، حضرت ایوبؑ اور ان کی صبر، زوجہ فرعون کے ایمان راسخ اور جناب مریمؑ کی عفت و پاکیزگی وغیرہ کو حیات بشری کی تاریخ میں اسوہ حسنہ اور آئیڈیل بتا کر پیش کیا گیا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے بیانات میں بھی مثالی اور اچھے ائیڈیل کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:

" انْظُرُوا أَهْلَ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ فَالْزَمُوا سَمْتَهُمْ وَ اتَّبِعُوا أَثَرَهُمْ فَلَنْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ هُدًى وَ لَنْ يُعِيدُوكُمْ فِي رَدًى فَإِنْ لَبَدُوا فَالْبُدُوا وَ إِنْ نَهَضُوا فَانْهَضُوا وَ لَا تَسْبِقُوهُمْ فَتَضِلُّوا وَ لَا تَتَأَخَّرُوا عَنْهُمْ فَتَهْلِكُوا " (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۹۷)

اپنے پیغمبر کے خاندان کو دیکھو اور جدھر وہ جائیں تم بھی ادھر جاؤ اور جس راستہ پر وہ چلیں ان کی پیروی میں تم بھی اس سمت بڑھو کیونکہ وہ تمہیں صرف کامیابی کی راہ دکھانے والے ہیں اور تمہیں ہر گز ہلاکت کی طرف نہیں لے جائیں گے، اگر وہ کھڑے ہو جائیں تو تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور اگر اٹھ جائیں تو تم بھی اٹھ جاؤ، ان سے آگے نہ چلو کہ گمراہ ہو جاؤ گے اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ برباد ہو جاؤ گے۔

۴۔ قرآن مجید میں گذران تاریخ کی شناخت

شناخت کی اصطلاح معرفت کے مترادف و رائج جملہ ہے کہ جس کو عربی زبان مین استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا مطلب مطلق علم و آگاہی ہے۔

اس اصطلاح کو کبھی جزئی ادراک سے مخصوص کیا جاتا ہے اور کبھی پہان کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیساکہ کبھی یقینی و حقیقی صورت میں علم سے مطابقت کے لئے استعمال ہوتا ہے (مصباح یزدی، آموزش فلسفہ ج۱، ص ۱۵۱) گذران تاریخ کی شناخت علی الخصوص قرآن کے اندر اس کے استعمال سے مراد، علم و آگاہی کے علاوہ کائنات میں موجود حقائق کی شناخت بھی ہے جسے قرآن مجید نے اقوام عالم کی گذشتہ تاریخ کی حیثیت سے مع ذکر حقائق و واقعات پیش کیا ہے، یہاں پر اس سلسلہ میں ہم دو مثالوں کا ذکر کر رہے ہیں:

۱/۴۔ قوانین اور سنن الٰہی کی شناخت

قرآن مجید نے کبھی بھی ماضی کی تاریخ کو صرف ایک واقعہ یا روداد کی نظر سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ ہی کسی خاص مسئلہ یا خاص مقصد کے تحت اس کا ذکر کیا ہے مثلاً جس میں ہدایت کا پہلو پایا جاتا ہو بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تاریخ گذشتہ کے واقعات کو الٰہی تاریخی قوانین اور سنتوں کی شناخت واز سر نو یا دہانی کے لئے بیان کیا گیا ہے، مثال کے طور پر قرآن مجید نے سورہ اسراء میں خداوند عالم کی ایک ناقابل تبدیل

تاریخی سنت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس قوم نے بھی نبی اور الٰہی رہنما کے خلاف قدم اٹھایا یا اس کی اطاعت سے انکار کیا اور اس نبی کو خود سے علیحدہ یا مسترد کیا وہ ظالم شمار کی گئی اور عذاب خداوندی کا شکار ہوئی اور یہ امر ایک ناقابل تبدیل الٰہی تاریخی قانون ہے: "سُنَّةَ مَن قَدۡ أَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيلًا" (الاسراء، ۷۷)

ہماری یہ سنت ان رسولوں کے لئے ہے کہ جنہیں آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہماری سنت میں ہرگز بھی کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

سورہ ابراہیم میں بھی اس لفظ کا استعمال کئے بغیر اسی سنت کو بیان کیا گیا ہے:

"وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّكُم مِّنۡ أَرۡضِنَآ أَوۡ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوۡحَىٰٓ إِلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِكَنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ ٱلۡأَرۡضَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ" (سورہ ابراہیم، ۱۳۔۱۴)

لیکن کافروں نے اپنے رسول سے کہا: ہم یقیناً آپ کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یہ کہ ہمارے دین کی طرف پلٹ آئیں، درایں اثناء ان کے پروردگار نے انہیں وحی کی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد آپ کو زمین پر سکونت عطا کریں گے (یہ کامیابی) ان کے لئے ہے جو ہمارے انصاف سے خوف زدہ ہوں اور میرے عذاب کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔

سورہ عنکبوت ان جملہ سورتوں میں سے ایک ہے کہ جس میں کچھ آیات کے ذریعہ سات انبیاء اور ان کی قوموں کے بارے میں اللہ کی جاری و ساری سنتوں کے بارے میں بیان ہوا ہے اور ان میں پوری ادوار تاریخ میں خدا کی سنت کی بابت شناخت وآگاہی کے بارے میں ذکر ہوا ہے، سورہ کے آغاز میں خداوند عالم ماضی میں انبیاء واقوام گذشتہ نیز ان کی زندگی میں حاکم قوانین وسنن اور آزمائشات نیز فتنوں وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نافذ قوانین سے عدم گریز کی باتیں بیان کرتا ہے، پھر انبیائے ماسبق منجملہ نوح، ابراہیم، لوط، شعیب، ہود، صالح و موسیٰ علیہم السلام سمیت ان کے اقوام اور ان کے لئے انجام پانے والی الٰہی امتحانات کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان امتحانات میں کچھ کو کامیابی نصیب ہوئی اور نجات ملی تو کچھ کو شکست و

ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی عدم کامیابی کی وجہ ظلم و زیادتی کے علاوہ اپنے رسولوں اور الٰہی رہنماؤں کی عدم اطاعت بتایا ہے، یہ آیات ایسے شناخت کی نشاندہی کراتی ہیں کہ جن کی بنیاد پر انسان اگر اپنے الٰہی رہنماؤں کے خلاف ظلم اور مقابلے میں کھڑے ہونے کا اقدام کرے گا تو چاہے وہ کوئی بھی معاشرہ یا فرد معاشرہ ہو اسے ہلاکت و عدم کامیابی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"وَلَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوۡمِهِۦ فَلَبِثَ فِيهِمۡ أَلۡفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمۡسِينَ عَامٗا فَأَخَذَهُمُ ٱلطُّوفَانُ وَهُمۡ ظَٰلِمُونَ" (سورہ عنکبوت، ۱۴)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے ان کے درمیان ایک ہزار برس مگر پچاس برس زندگی گذاری، تاہم آخر کار انہیں طوفان و سیلاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جب کہ وہ لوگ ظالم تھے۔

اور قرآن مجید حضرت شعیبؑ کی زبانی اس تاریخی سنت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو دوسری اقوام کی سرگذشت سنائی کہ اگر انہوں نے اپنے اعمال کا ان کی طرح اپنے رسول کے ساتھ اعادہ کیا تو انجام کار اور نتیجہ وہی ہوگا جو ماضی کی قوموں کا ہوا ہے:

"وَيَٰقَوۡمِ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِيٓ أَن يُصِيبَكُم مِّثۡلُ مَآ أَصَابَ قَوۡمَ نُوحٍ أَوۡ قَوۡمَ هُودٍ أَوۡ قَوۡمَ صَٰلِحٖۚ وَمَا قَوۡمُ لُوطٖ مِّنكُم بِبَعِيدٖ" (سورہ ہود، ۸۵)

اور اے میری قوم کے لوگو! میری دشمنی اور مخالفت اس بات کا موجب نہ بنے کہ تم بھی اسی سرنوشت سے دوچار ہو جاؤ جس سے کہ قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح دوچار ہوئی: اور قوم لوط تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔

۴/۲۔ معاشروں کی ترقی و زوال کے وجوہات کی شناخت

قرآن مجید میں تاریخ کے استعمال پر مبنی دیگر مصادیق کی شناخت کے سلسلہ میں کچھ ایسی آیات ہیں جو ادوار تاریخ میں معاشروں کی عظمت و ترقی اور ان کے زوال و انحطاط کے وجوہات کو بیان کرتی ہیں تاکہ معاشروں کو ترقی و کمال کی راہ کے حصول میں معاون و مددگار ہو سکیں، مثال کے طور پر سورہ بقرہ، ۲۴۶ تا ۲۵۱ کی آیتوں میں خداوند عالم بنی اسرائیل کی زندگی کے تاریخی صفحات اور ان کے انحطاط و عظمت کے

وجوہات کو اجاگر کرتا ہے ان آیات میں ایک قوم کی ترقی و سعادت یا انحطاط کے وجوہات کا اس طرح ذکر ہوا ہے:

الف: معاشرے کے اندر ایک عادل، انصاف پسند اور طاقتور رہنما کی موجودگی کسی قوم کی عظمت کا موجب ہوتی ہے اور گناہ و معصیت اور تکبر و نخوت پرستی نیز کامیابی پر فخر جتانا کسی قوم کی ناکامی اور زوال و انحطاط کا سبب ہوتے ہیں۔

ب: کوئی بھی قوم بلند ہمتی و اتحاد اور الٰہی رہنما کے زیر سایہ دور اندیشی کے اسلوب اپنائے بغیر عظمت کے مراحل کو طے نہیں کر سکتی ہے۔

ج: جب بھی کسی معاشرے میں افراد معاشرہ کی کارکردگی اور صلاحیت و توانائی کو نظر انداز کرتے ہوئے حسب و نسب اور دولت کی بنیاد پر برتری دی گئی تو قوموں کے زوال کی نشانی سامنے آئی۔

د: جو قوم اپنی توانائیوں کے ساتھ الٰہی امداد پر ایمان رکھتی ہو اور صرف ظاہری مادی امور سے لو نہ لگاتی ہو وہ سربلند و کامیاب رہنے والی قوم ہوگی۔

۵: سماجی۔سیاسی عمل دخل

باوجود اس کے کہ معاشرہ کی بنیاد ایک ایک فرد سے تشکیل پائی ہے لیکن روح و نفس کی حقیقی ترکیب منجملہ افکار و نظریات، جذبات و احساسات ارادے، خواہشات اور ثقافتیں نہ کہ اعضائے بدن کی ترکیب، یہ سب چیزیں اجتماعی روح میں تبدیل ہو کر حرکت، شعور، ضمیر، ارادہ، خواہشات، اطاعت، گناہ اور ثواب و عذاب کا سبب بنتے ہیں اور یہ سب ایسی طاقت ہیں جو کسی فرد کے ارادے اور خواہشات کو دوسرے پر غلبہ دلا سکتی ہیں۔ (رک، مرضی مطہری، جامعہ و تاریخ، ص ۲۵)

معاشرہ دریا کی اس موج کی طرح ہے جو قطرہ قطرہ کر کے تشکیل پاتی ہے لیکن آخر امر خود کا ایک مستقل وجود بنانے کے بعد اجتماعی طور پر اس مجموعہ کا مقدر بناتی ہے اور یا استاد شہید مطہری کے بقول معاشرہ اس گاڑی کی مانند ہے کہ جس میں کچھ لوگ بیٹھے حرکت کر رہے ہوں اور اس کے ساتھ جو بھی واقعہ یا حادثہ پیش آتا ہے اس میں بیٹھے سبھی مسافر متاثر ہوتے ہیں اور سب کا مقدر ایک ساتھ مرقوم ہوتا ہے، قرآن مجید نے جس طرح

فرد معاشرہ کے لئے اصالت یعنی مستقل شخصیت کے ساتھ حقیقی و عینی شخصیت کو مانا ہے اور ان کی ہدایت و سعادت کے لئے اپنے معارف کو پیش کیا ہے اسی طرح معاشرے کے لئے بھی حقیقی و عینی وجود کا قائل ہے اور اس کے لئے بھی مخصوص و مستقل پروگرام اور منصوبہ پیش کیا ہے۔

قرآن کی نظر میں اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے الٰہی رسول (کہ جن کی ذمہ داری رسالت کو اقوام اور معاشرے میں پھیلانا تھا) افراد اور انسانی لحاظ سے ان کی منصبی ذمہ داریاں ہوتی تھیں اور دوسری جانب افرادی پہلو سے ہٹ کر ان کی معاشرہ کے تئیں ذمہ داری تھی کہ اسے کمال کی جانب مہمیز کریں، بنابراین، قرآن مجید نے معاشرے کی کچھ خصوصیات بیان کی ہیں کہ جن سے قرآن کے معاشرے کے سلسلہ میں حقیقی و استقلالی نظریئے کی نشاندہی ہوتی ہے، ہم ان میں کچھ خصوصیات کے آگے ذکر کریں گے:

۵/۱۔ ہر امت کے لئے ایک رسول

قرآن مجید نے کبھی تو فرد فرد انسانوں کی ضرورت کے مد نظر پیمبر کو مبعوث کیا ہو اقرار دیا اور ارشاد فرمایا:

"وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةٗ لِّلنَّاسِ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗا وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ" (سبا، ۲۸) اور ہم نے تمہیں سوائے اس کے کہ سارے لوگوں کے لئے بھیجا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم انہیں الٰہی انعامات اور جزا کی خوشخبری دو (ساتھ میں اس کے عذاب سے) ڈراؤ کہ تاہم زیادہ تر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اور بعض اوقات رسولوں کو امت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ان کے درمیان منصفانہ قضاوت کرے اور معاشرے کی تمام ضروری اور پہلوؤں میں انصاف قائم کرے۔

" وَلِكُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولٞۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمۡ قُضِيَ بَيۡنَهُم بِٱلۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ "(یونس، ۴۷)

ہر امت کے لئے ایک رسول مخصوص ہے جب اس قوم کا رسول ان کے درمیان آئے گا تو ان کے درمیان انصاف پر مبنی قضاوت ہوگی اور ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہ ہوگا۔

" كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَٰكَ فِىٓ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَآ أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ ٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِٱلرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ" (سورہ رعد، ۳۰)

جس طرح کہ ہم نے انبیائے ماسبق کو مبعوث کیا تمہیں بھی ہم نے ایسی قوم کے درمیان بھیجا کہ ان سے پہلے بھی دوسری قومیں آتی رہی اور جاتی رہی ہیں، ہم نے جس طرح تم پر وحی کی ہے وہ گوشوں کو پڑھ کر سنادو جب کہ وہ لوگ رحمان سے (جس کی رحمت ہمہ جانبہ ہے) کفر اختیار کرتے ہیں، ان سے کہہ دو: وہ میرا رب ہے ! اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے ! میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر بھی جانا ہے۔

۵/۲۔ نامہ اعمال اور مشترکہ سرنوشت

قرآن کریم جس طرح انسان کے انفرادی نامہ اعمال اور نیک و بد سرنوشت اور جزاوسزا کو مجسم کرتا ہے:

" وَكُلَّ إِنسَٰنٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِى عُنُقِهِۦ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنشُورًا " (سورہ اسرا، ۱۳)

اور ہر فرد کے اعمال کو اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے دن اس کے لئے ایک کتاب پیش کریں گے جو وہ اپنے سامنے کھلی ہوئی پائے گا (جو کہ اس کا نامہ اعمال ہوگا)

اسی طرح قوموں کے لئے بھی اجتماعی اعمال منجملہ انکی سرنوشت، سعادت و بد بختی اور جزاء وسزا کا قائل ہے:

"وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰٓ إِلَىٰ كِتَٰبِهَا ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ" (جاثیہ، ۲۸)

اس روز ہر قوم کو دیکھوگے کہ شدت خوف سے گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی، ہر قوم کو اس کی کتاب کے ساتھ بلایا جائے گااور (ان سے کہا جائے گا) آج ان اعمال کی جزا ملے گی کہ جسے تم انجام دیتے رہے ہو۔

۵/۳۔ امت اور عمل مشترک

اس بات کے پیش نظر کہ معاشرہ ایک اجتماعی روح اور متحدہ شکل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے معاشرے افراد معارہ سے کہیں زیادہ اثرات کا حامل ہوتا ہے چونکہ اس کو متحدہ اور متشکل روح سے منسوب کیا جاتا ہے اور

وہ فرد پر غالب ہوتا ہے، اسی لئے اس میں اثر انداز ہونے اور غلبہ حاصل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، یہ اوصاف چونکہ معاشرے کے مستقل اور حقیقی وجود پر مبنی میں اسی لئے قرآن مجید بعض اعمال منجملہ ہر فرد کے اعمال کے جلووں کو اسی کی بہ نسبت اور رسولوں کے مقابلے میں ہر طرح کی ہٹ دھرمی و استقامت نیز ہدایت وغیرہ کو امت سے منسوب کرتا ہے۔

" وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٖۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ " (انعام، ۱۰۸)

غیر خدا کے ماننے والے معبودوں کو گالی نہ دو کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ظلم و جہالت میں تمہارے خدا کو گالی دے بیٹھیں، اس طرح سے ہم نے ہر امت کے اعمال کو ان کے لئے زینت بخشی ہے۔

پھر ان سب کی واپسی ان کے پروردگار کی جانب ہی ہے اور وہ انہیں ان کے ہر اس عمل سے جو وہ انجام دیتے تھے باخبر کرے گا(اور انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا)

"وَمِن قَوۡمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٞ يَهۡدُونَ بِٱلۡحَقِّ وَبِهِۦ يَعۡدِلُونَ" (اعراف، ۱۵۹)

اور قوم موسی سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی جانب ہدایت کرتا ہے اور حق و انصاف پر مبنی حکم کرتا ہے۔

" وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَآ أُمَّةٞ يَهۡدُونَ بِٱلۡحَقِّ وَبِهِۦ يَعۡدِلُونَ " (اعراف، ۱۸۱)

اور جنہیں ہم نے پیدا کیا، ان میں سے ایک گروہ حق کے ساتھ ہدایت کرتا ہے اور حق کے ساتھ انصاف کا نفاذ کرتا ہے۔

"كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوحٖ وَٱلۡأَحۡزَابُ مِنۢ بَعۡدِهِمۡۖ وَهَمَّتۡ كُلُّ أُمَّةِۢ بِرَسُولِهِمۡ لِيَأۡخُذُوهُۖ وَجَٰدَلُواْ بِٱلۡبَٰطِلِ لِيُدۡحِضُواْ بِهِ ٱلۡحَقَّ فَأَخَذۡتُهُمۡۖ فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ" (غافر، ۵)

ان سے قبل قوم نوح اور دیگر قومیں جو انکے بعد تھیں، انہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا اور ہر اس قوم کو جو کہ سازش کرنے اور اپنے رسول کو اذیت وآزار دینے کے درپے تھی اور حق کو مٹانے کے بعد باطل کا بول بالا کرنے میں کوشاں تھی، میں نے اس کا مواخذہ کرنے کے بعد اسے سخت سزا دی، دیکھو کہ سزا دینے کا میرا طریقہ کار کیسا ہے؟

۵/۴۔ امت اور اجل

قرآن مجید کچھ آیات میں موت اور لوگوں کی زندگی کے خاتمے کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے دنیا میں ان کے قدم رکھنے سے لے کر زندگی کے مراحل کو سر کرنے اور اس کے خاتمے تک اس انداز میں اشارہ کرتا ہے:

''هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِن عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ ۖ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ'' (غافر، ۶۷)

یہ وہ پروردگار ہے جس نے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ کی شکل دی، پھر علقہ (خون کا لوتھڑا) بنایا، اس کے بعد تمہیں (شکم مادر میں) بچے کی شکل میں باہر نکالا اور اس کے بعد مرحلہ بہ مرحلہ قوت کے کمال تک پہنچایا اور پھر اس کے بعد بوڑھے ہو جاؤ گے اور (اس درمیان) تم میں سے ایک گروہ اس مرحلے لگ پہنچنے سے پہلے ہی چل بسے گا اور اپنے آخری انجام تک پہنچ جائے گا (یہ سب اس لئے ہے کہ) شاید تم غور وفکر کر سکو۔

اسی طرح قرآن مجید قوموں کے لئے اجل (مدت) اور انجام کار کا معتقد ہے یعنی جس طرح قوموں کے لئے آغاز ہوتا ہے اسی طرح اس کی سرنوشت اور مقدر میں اجل بھی مقرر ہوتی ہے اور اجل کا وجود بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ جس کا وجود اظہر من الشمس ہے کہ جس میں لوگوں کی جدائی وجود میں آتی ہے۔

''وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ '' (اعراف، ۳۴)

ہر قوم و جماعت کے لئے وقت اور انجام (معین) ہے اور جب انکا انجام قریب ہوگا اس میں پل بھر کی بھی نہ تاخیر ہوگی اور نہ ہی وقت آگے بڑھے گا۔

۶۔ سیاست قرآن کی نظر میں

اب جب کہ معاشرے کا حقیقی و مستقل وجود ثابت ہوگیا تو اب اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ معاشرے کو ترقی و کمال اور سعادت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک منصوبہ بندی اور مقصدیت کے تعین کی ضرورت ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی نورانی زندگی کی تاریخ کا جائزہ سنجیدہ اور وحی کی بنیاد پر مبنی پروگرام اور منصوبہ بندی کی نشاندہی کراہے کہ جس کے ذریعہ انسان اور معاشرے کی دنیاوآخرت کی سعادت کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے وحی حاصل کرنے اور اس کو لوگوں تک پہنچانے کے بعد انفرادی ہدایت کا سامان فراہم کردیا اور سیاسی نظام اور دینی حکومت کی بنیاد ڈال کر سیاسی دینی نظام اسلام کے اجتماعی احکام کو جاری و نافذ کردیا۔

دین میں سیاست و حکومت کے اصولوں سے غفلت اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنا، دین کے عاملہ و نافذہ بازو کو بھلا دینے کے مترادف ہے، کیونکہ معاشرے کی سعادت کی فراہمی جبھی ممکن ہے جب دنیوی امور کو صحیح طریقہ سے نافذ کرلیا جائے۔

لہٰذا حکومت کی تشکیل، آنحضرتؐ کے پیغامات کے نفاذاور تعمیم دینے کے لئے ضروری ہے اور شاید یہی نظریہ موجب ہوا ہے کہ بعض مفسرین سیاست کو حاکم و سلطان کا فریضہ سمجھنے لگے۔ (فخر رازی، مفاتیح الغیب، ج ۲، ص ۴۱۸)

قرآن مجید اپنے سیاسی و سماجی نظریئے میں کبھی بھی سیاسی و سماجی مسائل سے چشم پوشی کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اسے ہلکے میں لیتا ہے اسی لئے جس طرح اس نے فردی عبادات و اخلاقیات پر توجہ دی ہے بالکل ویسے معاشرتی مسائل و موضوعات منجملہ تدبیر و سیاست کا بھی خیال واہتمام رکھا ہے۔

قرآن مجید، دین کو معاشرے کے اندرونی و بیرونی تعلقات کی بحالی و تنظیم اور امور کی تنظیم و تنسیق کے لئے ضروری امر قرار دیتا ہے، کیونکہ دین ایک صحیح وسالم معاشرہ وجود میں لاتا ہے۔

قرآن مجید کی نظر میں انبیاء کی بعثت اور وحی کے نزول کا اصلی مقصد، لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کی بنیادوں پر ایک حکومت کی تشکیل کہ جس کے تحت معاشرے میں دینی تعلیمات کے نفاذ کو عملی شکل دی جاسکے ایک ضروری امر ہے۔

" كَانَ ٱلنَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَبَعَثَ ٱللَّهُ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ فِيمَا ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۚ وَمَا ٱخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا ٱلَّذِينَ أُوتُوهُ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَا ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ مِنَ ٱلْحَقِّ بِإِذْنِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ يَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ " (بقرہ، ۲۱۳)

لوگ (شروع میں) ایک ہی گروہ میں شامل تھے (اور انکے درمیان اختلاف نہیں تھا، پھر تدریجی طور پر معاشرے اور طبقات وجود میں آتے گئے اور یوں ان کے درمیان اختلاف شروع ہوگیا، دراین اثنا) خداوند عالم انبیاء کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کو بشارت دیں اور خبردار کریں اور ان پر برحق کتاب نازل کی جو کہ حق کی دعوت دیتی تھی تاکہ لوگوں کے درمیان اختلافی مسائل میں جو ان کے درمیان میں، قضاوت کریں، (البتہ جو صاحب ایمان لوگ تھے ان کے درمیان اختلاف نہیں تھا) صرف ان لوگوں میں ایک گروہ ایسا تھا جس کے پاس کتاب آچکی تھی اور روشن ہدایات بھی ان تک پہنچ گئی تھیں لیکن انہوں نے حق سے منحرف ہونے اور ستمگری کی بناء پر اختلاف کیا، خداوند عالم نے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لاچکے تھے، ان کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو اپنے حکم کے ذریعہ قیادت کی۔ (تاہم ایمان نہ لانے والے اسی طرح اختلاف اور گمراہی میں پڑے رہے) اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی جانب ہدایت فرماتا ہے۔

بنابرین، معاشرے کی ادارت و نظامت اور معاشرے کے اندر افراد اور دیگر معاشروں کے درمیان تعلقات کی استواری، قیام نظم کے لئے تدبیر اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ جس کو سیاست کہا جاتا ہے، سیاست یعنی تدبیر اور منصوبہ بندی نیز معاشرے کے اندر اور باہر روابط و تعلقات کی تنظیم و منصوبہ بندی کا اس طرح ہونا کہ اس کی سعادت کی فراہمی ممکن ہوسکے، اور یہ سیاست انسان کی زندگی کے سبھی گوشوں میں شامل و محیط ہے کیونکہ دنیا سیاست وتدبیر اور منصوبہ بندی کے تحت ہی چلا کرتی ہے۔ (رک، طباطبایی، المیزان، ج۲، ص۳۰۷)

سیاست کا موضوع طاقت ہے اور سیاست تبھی نافذ العمل ہو سکتی ہے جب اس کے اختتام میں طاقت ہو، قرآن مجید ایک صالح و عدالت پسند قائد کی مرکزیت کے تحت مسلمانوں کی طاقت و اتحاد اور عدم ضعف پر تاکید کرتا ہے، کیونکہ اس کا ماننا ہے کہ برتری صرف خدا کے صالح اور مومن بندوں کو ہی ملا کرتی ہے۔

" وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْۖ وَٱصْبِرُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ " (انفال، ۴۶)

اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور (آپس میں لڑائی) جھگڑا نہ کرو کہ تم کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری طاقت اور شان و شوکت جاتی رہے، اور صبر اختیار کرو کیونکہ اللہ استقامت برتنے والوں کے ساتھ ہے۔

" وَلَا تَهِنُواْ وَلَا تَحْزَنُواْ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ " (آل عمران، ۱۳۹)

اور سست و غمزدہ نہ رہو، اور اگر تمہارے اندر ایمان ہوگا تو تم برتر کہلاؤ گے۔

" فَلَا تَهِنُواْ وَتَدْعُوٓاْ إِلَى ٱلسَّلْمِ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ وَٱللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ " (محمد، ۳۵)

بنابریں، ہر گز کمزور (وسست) نہ پڑو اور دشمنوں کو (ذلت آمیز) صلح کی دعوت نہ دو جب کہ تم برتری کی حالت میں ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے نیک اعمال میں سے کچھ کم کرنے والا نہیں ہے۔

قرآن مجید اس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے مفادات نیز آشکار و پنہاں دشمنوں کے تسلط سے بچانے کے لئے معاشرے کے تمام امکانات اور وسائل و ذرائع کی فراہمی کی نصیحت و تاکید فرماتا ہے۔

" وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ ٱلْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعْلَمُهُمْۚ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَىْءٍ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ " (انفال، ۶۰)

تمہارے اندر جتنی بھی طاقت و اختیار ہے اسے دشمن سے مقابلے کے لئے تیار رکھو اور اسی طرح سدھائے ہوئے گھوڑوں کو میدان جنگ میں شہادت کے لئے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اپنے اور خدا کے دشمنوں کے

دلوں میں رعب بٹھا سکو اور اسی طرح ان دوسرے گروہوں کو جنہیں کہ تم نہیں پہنچانتے لیکن اللہ انہیں پہچانتا ہے ڈراؤ اور اللہ کی راہ میں اسلام کی دفاعی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے انفاق کرو، وہ سب تمہیں بعد میں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

معاشرہ اور طاقت (یعنی سیاست) کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت عمیق تعلق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان جدائی ناممکن ہوا کرتی ہے، طاقت ایک ایسا مفہوم ہے کہ جس پر زیادہ تر علوم میں توجہ دی گئی ہے لیکن سماجی علوم خاص کر سیاسی علوم میں اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن مجید انبیاء اور صالح رہنماؤں کے ذریعہ جس خدا پسند و انصاف پسند طاقت و سیاست کا فلسفہ پیش کرتا ہے اس میں معاشرے کی دنیاوی و اخروی سعادت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور وہ مغرب زدہ انسانوں کی نظر میں سیاست کی تعریف سے کوسوں دور ہے کیونکہ یہ سیاست، طاقت و اقتدار کے مالک و خواہاں لوگوں کا مقصد سے بالکل الگ ہے۔

ماکس ویبر، سیاسی طاقت کی اس طرح توصیف کرتے ہیں: سیاسی میدان میں طاقت، انسان کو اس بات کا امکان فراہم کرتی ہے کہ دوسروں کی مخالفت و استقامت کے باوجود لوگوں پر اپنا نظریہ مسلط کرسکے۔ (ماکس ویبر، مفاہیم اساسی جامعہ شناسی، ص ١٣٩)

کارل مارکس کا کہنا ہے: سیاست کا مطلب، ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر جبریہ طاقت کا استعمال عمل میں لانا ہے۔ (مارکس، مانیفسٹ کمیونسٹ، ص ٨١)

لیکن قرآن کی نظر میں کسی انسان کے ارادے کو کسی دوسرے پر بزور طاقت مسلط کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ قرآن مجید تو اس نظریئے کی تردید و نفی کرتا ہے اور اس صفت کو ظالمانہ اور فرعونیت پر مبنی جانتا ہے۔

'' فَٱسْتَخَفَّ قَوْمَهُۥ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ '' ۔ (زخرف، ٥٤)

(فرعون نے) اپنی قوم کو کمتر سمجھا، لہٰذا انہوں نے اس کی اطاعت کی وہ فاسق قوم تھی۔ قرآن مجید ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو دبائے جانے اور سرکوب کرنے کے طرز فکر کو تسلط پسندانہ (ظلم) اور فساد پر مبنی طرز فکر قرار دیتا ہے:

" قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ "؛ (نمل، ۳۴)

اس نے کہا کہ بادشاہ جب آباد والے علاقہ میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد (ویران) کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں، ہاں انکے کام ہی ایسے ہوتے ہیں۔

مسلم دانشوروں کی ایک تعداد نے سیاست سے متعلق طاقت کو مادی و معنوی عوامل کا ایک ایسا مجموعہ قرار دیا ہے جو ایک فرد یا گروہ کے ذریعہ کسی فرد یا گروہ کو مطیع و اطاعت گزار بنانے کا باعث ہوتا ہے، (عمید زنجانی، فقہ سیاسی، ج ۲، ص ۶۵)

شاید اس تعبیر و توصیف کو اس آیت کے ذریعہ بہتر طریقہ سے ثابت کیا جاسکتا ہے:

" وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ؛" (بقرہ، ۲۵۱)

اور اگر اسی طرح خداوند عالم بعض کو بعض کے ذریعہ نہ روکتا رہتا تو ساری زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن خداوند عالم عالمین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

قرآن کی نظر میں طاقت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے تمام مادی و معنوی امکانات و ذرائع کا استعمال عمل میں لایا جائے اور فرد و افراد معاشرہ کے درمیان عدل و انصاف قائم اور فلاح و کامیابی اور صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاسکے۔

قرآن کی نظر میں طاقت کا محور و مرکز صرف اللہ ہے تاہم مغرب والوں کی نگاہ میں اس کا مرکز و محور انسان ہے، قرآن مجید میں طاقت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل ہے لیکن مغرب والوں کی نظر میں طاقت انسانوں کے ارادے اور مقاصد کے حصول کے لئے مخصوص ہے۔

"الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ" ؛(حج، ۴۱)۔ بے شک ہم ان لوگوں کو زمین میں طاقت عطا کرتے ہیں جو نماز قائم

کرتے ہیں اور زکات دیا کرتے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کرتے ہیں اور سبھی امور کا انجام کار اللہ کے اختیار میں ہے۔

اسلام نے حکومت کی تشکیل کو جو کہ طاقت کا مظہر ہی نہیں بلکہ طاقت کا لازمہ بھی ہے، بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور امامت کو بھی کہ جس کی ذمہ داری معاشرے کی سیاست سے مربوط ہے، خاصی اہمیت دی ہے۔

انبیائے الٰہی کا ایک گروہ معاشرے کی قیادت و رہنمائی کی ذمہ داری سنبھالے ہوا تھا یعنی انہوں نے امامت اور رسالت دونوں ہی عہدوں کی ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں کہ ان جملہ اور سرکردہ ہستیوں میں حضرت ختمی مرتبت محمد ﷺ کا نام گرامی سر فہرست ہے اور اس عہدے کی تعبیر امامت عامہ سے کی جاتی ہے۔

ہمیشہ اور ہر زمانے میں لوگوں کے درمیان خدا کی جانب سے منسوب امام و رہنما کا ہونا ضروری ہے، چاہے اس کے پاس نبوت و رسالت کا عہدہ ہو یا صرف ولایت کے ہی عہدے پر فائز ہو۔ (مکارم شیرازی، پیام قرآن، ج۹، ص ۴۳)

تمام اسلامی فرقوں نے امامت و قیادت کو واجبی و لازمی امر قرار دیا ہے اور امت الامیہ پر واجب ہے کہ عادل قائد کی پیروی کریں تاکہ وہ انکے درمیان الٰہی قوانین کا نفاذ عمل میں لاتے ہوئے احکام اسلامی کی مدد سے معاشرے کی قیادت کرسکے۔ جو کچھ کہ اس سلسلہ میں اختلاف کا موجب ہے وہ خلیفہ و امام کے صفات ہیں کہ جن پر اختلاف رائے ہے۔ (قلمکاروں کا گروہ، امامت پژوہی، ص ۹۳)

تاہم قرآن مجید میں امامت خاصہ یعنی بعد پیغمبر اکرم ﷺ جانشینی کو دینی امور اور احکام اسلامی کے نفاذ کے لئے سرپرستی و حاکمیت کے مسئلہ پر بہت زیادہ توجہ اور تاکید کی گئی ہے۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر ہر معاشرے کی تدبیر وہدایت اور راہنمائی کے لئے ایک قائد کا ہونا ضروری ہے تاکہ ان پروگراموں کا نفاذ عمل میں آسکے، شیخ طوسی کہتے ہیں:

لفظ امام کے دو اصطلاحی معنی کئے گئے ہیں ایک تو قول و فعل میں امام کا مقتدا ہونا مراد ہے؛ دوسرے یہ کہ امام اس کو کہا جاتا ہے جو تمام امور میں تدبیر و سیاست سے کام لیتا ہو اور معاشرے دین کا دفاع کرتا ہو اور اس

کے دشمنوں سے پیکار کے لئے آمادہ رہتا ہو، اسی طرح امیروں کی ولایت و قاضاوت کا تعین کرنے کے ساتھ حدود الٰہی کا پاس و لحاظ رکھتا ہو وغیرہ۔ (طوسی، الرسائل العشر، ص ۱۱۱)

شیعہ ثقافت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ترجمانی کرنے والے کو امام کہتے ہیں اور اس کا کلام بھی وصی کی ترجمانی و بیان میں حجت ہے اور واجب الاطاعت ہوتا ہے، اسی طرح لوگوں کے سماجی امور چاہے وہ فوجی ہوں یا سیاسی و اقتصادی یا خارجہ امور وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں ان سب میں اس کے حکم کی اطاعت لازمی ہوتی ہے۔ (مصباح یزدی، رہنماشناسی، ص ۴۱۰)

حضرت امام علی علیہ السلام خوارج کے جواب میں جو دنیاوی حکومت کو خدا سے مخصوص مانتے تھے، فرماتے ہیں:

''وَ اِنَّه لَاُبدّ لِلنّاسِ مِنْ اَمِيرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِي اِمْرَتِهِ الْمُومِنُ وَ يَسْتَمْتِعُ فِيْهَا الْكَافِرُ وَ يُبَلِّغُ اللهُ فِيهَا الْاَجَلَ وَ يُجْمَعُ بِه الْفَيْءُ وَ يُقَاتَلُ بِه الْعَدُوُّ وَ تَاْمَنُ بِه السُّبُلُ وَ يُوخَذُ بِه لِلضَّعِيْفِ مِنَ الْقَوِيِّ حَتّٰى يَسْتَرِيحَ بَرٌّ وَ يَسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ'' (نہج البلاغہ، خطبہ ۴۰)

لوگوں کو اچھے یا برے حاکم امور کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مومن حکومت کے زیر سایہ اپنے کام میں لگے رہیں اور کافر بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اور لوگ حکومت کے استقرار و قیام کے بعد اپنی زندگی گذار سکیں، حکومت کے ذریعہ بیت المال کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے دشمنوں سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے، راستوں پر امن و امان کو بحال کیا جاتا ہے اور طاقتوروں کے ہاتھوں سے کمزوروں کو ان کا حق دلایا جاتا ہے اور نیک خو اور اچھے لوگ بد قماشوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

امامت، انبیاء کا مقام و مرتبہ اور اوصیاء کی میراث ہے اور امامت زمین خدا پر خلافت خداوندی ہے۔ امامت، مسلمانوں کے نظام کی دینی مہار و عہدہ ہے اور مومنوں کی مصلحت و عزت کا ذریعہ ہے، امامت اسلام کی ترقی یافتہ بنیاد اور اسی کے ساتھ اس کا مستحکم و بلند ستون بھی ہے، امام کی وجہ سے نماز و روزہ اور حج و جہاد وغیرہ

مکمل ہوتے ہیں، امام ہے جو حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام اور اس کے حدود کی نگہداشت کرتا ہے اور دین خدا کی حفاظت کرتا ہے اور لوگوں کو نیک اور اچھی نصیحت و موعظہ کے ساتھ مطمئن دلائل کے ذریعہ خدا تک رسائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ (کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۱۱۷)

۶/۱۔ سیاسی و سماجی امور میں دو آیتیں بطور نمونہ

" اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُم فَلَا تَخْشَوهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً..؛ (مائدہ، ۳)

آج کافروں کو تمہارے قوانین (کے زوال) کو لے کر مایوسی ہوئی ہے، بنابریں، تم ان سے خوف نہ کھاؤ، اور میری مخالفت سے ڈرو، آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور اسلام کو دائمی دین کے عنوان سے قبول کیا۔

قرآن مجید کی جملہ سیاسی و سماجی آیات کہ جن میں پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد معاشرے کی قیادت کو پیش کیا گیا ہے اور اس کو دین کو مکمل کرنے نیز دین کی تباہی کے سلسلہ میں دشمنوں کے مایوس و ناامید ہونے کی بات کی گئی ہے وہ کمال دین والی آیت ہے کہ جس میں ابلاغ ولایت کے موضوع کو پیش کیا گیا ہے (مائدہ، ۶۷) جو کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت کی تشکیل کے لئے ایک سیاسی دستور ہے۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: کافروں کی دین سے مایوسی اور ناامیدی کی وجہ یہ ہے کہ امامت کی وجہ سے دین، " شخصی و فردی حامل " یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس سے " نوعی و وصفی حامل " یعنی امامت کے پاس پہنچ گیا اس لئے کہ وہ " مرحلہ حدوث " سے " مرحلہ بقاء تک " پہنچ گیا ہے (طباطبائی، المیزان، ج ۵، ص ۱۷۶)۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ دین کی آمد دین کے حدوث کا سبب بنی اور امامت کے ذریعہ دین کی بقا دوام کا امکان فراہم ہوا۔

قطعی و فطری طور پر اسلامی معاشرے میں قیادت کا مسئلہ ان اہم اور نمایاں ترین مسائل میں سے ایک ہے کہ جس کا اکمال دین سے سیدھا تعلق ہے۔ اور لوگ یہ واقفیت رکھتے ہیں کہ امام معصوم معاشرے کا دینی و سیاسی قائد ہوا کرتا ہے۔ (مدرس یزدی، من ھدی القرآن، ج ۲، ص ۲۹۷)

۲۔''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ'' (آل عمران، ۲۰۰)

یہ آیت قرآن مجید کی سیاسی وسماجی آیات میں سے ایک ہے کہ جس میں فردی واجتماعی وسماجی حکم کے ساتھ دینی قیادت کے گرد جمع ہونے اور ان کے احکام کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور اہل بیت علیہم السلام سے اردہ روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

عَنِ اَبِي عَبدِاللهِ: ''اِصبِرُوا عَلَى الاَذىٰ فِينا. قُلْتُ: ''وَ صَابِرُوا'' قَالَ عَلىٰ عَدُوِّكُم مَعَ وَلِيِّكُمْ قُلتُ و رَابِطُوا'' قَال: المَقَامُ مَعَ اَمَامِكُمْ '' وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ '' قُلْتُ: تَنْزِيْل، قَالَ: نَعَم۔'' (عیاشی، تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۲۱۳)

عَنْ اَبِي بَصِيرٍ قَالَ: ''سَاَلَتُ اَبَا عَبدِ اللهِ عَلَيه السَّلَامُ عَنْ قَولِ اللهِ عَزَّ وَجَلَ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوا وَ رَابِطُوْا، فَقَالَ اصبِرُوْا عَلَى الْمَصَائِبِ وَ صَابِرُوْهُمْ عَلَى التَّقَيَّةِ وَ رَابِطُوا عَلَى مَنْ تَقْتَدُونَ بِهِ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُم تُفْلِحُونَ۔ '' (ابن بابویہ، معانی الاخبار، ص ۳۶۹)

عَنْ اَبِي عَبْدِ اللهِ: '' يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَ رَابِطُوا، اصبِرُوا عَلىٰ دِيْنِكُم وَ صَابِرُوا عَلى عَدُوِّكُمْ وَرَابطُوا اِمَامَكُمْ فِيمَا اَمرُكُم وَفَرضَ عَلَيْكُمْ ۔ (بحرانی، البرہان، ج۱، ص ۳۳۲)

''اصبروا'' یہ صبر اس فرد کے لئے ہے جو صبر کی اقسام منجملہ معصیت وگناہ پر صبر اور طاعت ومصیبت پر مبنی ہو، لیکن ''صابروا'' ایک سیاسی وسماجی حکم ہے جس کا تعلق ایسے اجتماعی صبر سے ہے جو مصائب ومشکلات کے موقع پر اجتماعی روح کے ساتھ کیا جاتا ہےاور لوگ دوسروں کے صبر کے بھروسے صبر کرتے ہیں اور پریشانیوں کو برداشت کرنے کامادہ رکھتے ہیں۔ اور ''رابطوا'' مصابرہ سے بڑھ کر ایک عام معنی دیتا ہے اور ایک ایسی جماعت و جمعیت اور معاشرے کے وجود میں آنے کے مفہوم کو بیان کرتا ہے کہ جس میں سبھی ایک دوسرے کو معنی و مفہوم اور یکسانیت و یک سوئی پر بنی طاقت و توانائی فراہم کرتے ہیں کہ جس کا مرکز و محور رہبر و امام ہوا کرتا ہے اور اس کے حکم کی تابعداری و اطاعت کی بنیاد پر تمام مشکلات اور پریشانی ایک دوسرے کے ساتھ اور شانہ بہ شانہ ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایسی متعدد تاریخی آیات موجود ہیں کہ جن کے اندر سیاسی و سماجی کارکردگی منجملہ، سیاسی، شقوق، سماجی گروہ، کافروں اور منافقوں سے برتاؤ کے طریقہ کار، سلوکی روش نیز دیگر اقوام و مذاہب کے لوگوں کے ساتھ تعلقات اور دشمنوں سے مقابلے وغیرہ کی روش جیسے مسائل موجود ہیں کہ بحث طولانی نہ ہو جائے اس لئے ان سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے اس بابت تحقیق و مطالعہ کی ذمہ داری محققین کے حوالے کرتے ہیں۔

۷۔ نتیجہ و ماحصل

۔قرآن مجید تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے سب سے پہلے مرحلہ میں تعلیمی مقصد کو پیش کرتا ہے اور اپنی ہدایات کے بعد مرحلہ وار انسانی و معاشرتی انفرادی و اجتماعی تربیت کا مسئلہ پیش کرتا ہے کیونکہ یہ تجربات انسانوں کو سیکھنے اور فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور ماضی کو مستقبل سے متصل کرتے ہیں۔

۔قرآن مجید غلط اعتقادات کی اصلاح کی خاطر اہم تاریخی واقعات و حوادث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ مسلمانوں کے شرک آمیز نظریات کی تصحیح، جنگ احد کی شکست کے وجوہات کو بیان کرتا ہے۔

۔ تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی روش، قرآن مجید کی موثر ترین تربیتی روش ہے، قرآن مجید انسانوں کو ماسبق لوگوں سے سبق اور وعبرت حاصل کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔

۔قرآنی تعلیمات، فطرت انسانی اور اس کی فطری صلاحیتوں کی ترقی و بالندگی کے لئے نازل ہوئی ہیں، اس نے آئیڈیل کو اپناتے وقت ابنائے بشر کی فطری ضروریات پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ حقیقت پر مبنی مثالوں کو مد نظر رکھا ہے نہ کہ تصورات و خیالات پر مبنی آئیڈیل اور نظریات اور قرآن مجید تربیت پر مبنی آئیڈیل کی روش کو انسانی ترقی کے لئے پیش کرتا ہے، اسی طرح قرآن مجید اس پہلو پر بھی توجہ دیتا ہے کہ ہر مثال اور آئیڈیل پیروی کے لائق نہیں ہوا کرتا ہے۔

۔قرآن مجید نے کسی بھی تاریخی واقعہ یا سانحہ کو صرف ایک تاریخی واقعہ یا حادثہ کی حیثیت سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس مسئلہ میں اس کا مقصد ہدایت و آگاہی رہا ہے، یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں بیان شدہ تمام تاریخی قوانین اور سنتیں لوگوں کو ان سے متعارف کرانے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔

۔ قرآن میں تاریخی واقعات کو نقل کرنے کی دوسری وجہوں اور مصلحتوں میں سے ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ان کے مصادیق سے متعلق کچھ ایسی آیات ہیں جو کہ پوری ادوار تاریخ میں معاشروں کی عظمت اور انحطاط کے وقائع کو بیان کرتی ہیں تاکہ معاشروں کو کمال وترقی تک رسائی دلانے میں معاون ومددگار ثابت ہوسکیں۔

۔ معاشرے کا اپنا ایک مستقل وجود ہے کہ جس کے تحت اجتماعی سرنوشت مر قوم ہوتی ہے اور قرآن مجید معاشرے کے لئے حقیقی و عینی وجود کا قائل ہے اسی لئے اس نے اس کے لئے ایک مستقل منصوبہ بندی اور پروگرام قرآن میں پیش کیا ہے۔

۔ ''ایک قوم کے لئے کسی خاص پیغمبر کا وجود'' ، ''اقوام عالم کے نامہ عمل اور مشترکہ سرنوشت'' ، ''انسانوں کا مشترکہ عمل'' اور ''اقوام کی اموات'' ان سب کا قرآن مجید میں تذکرہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قرآن معاشرے کو ایک استقلالی اور حقیقی زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۔ معاشرے کی ترقی و کمال اور سعادت کے لئے اسے ایک جامع اور بامقصد لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے، قرآن مجید اس کے لئے ایک ایسا منظم پروگرام وحی کی بنیاد پر پیش کرتا ہے کہ جس سے انسان اور معاشرے کی دنیاوآخرت کی سعادت کی ضمانت فراہم ہوتی ہے۔

الغرض پیغمبر اکرم ﷺ نے وحی دریافت کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے اور وضاحت پیش کرنے کے بعد، انفرادی ہدایت کا سامان فراہم کیا اور سیاسی نظام نیز دینی حکومت قائم کرکے اسلام کے سیاسی۔ دینی نظام کو وسعت دینے میں کامیابی حاصل کی۔

نوٹ:

۱۔ قرآن مجید نے اپنا آئیڈیل اور مثال: ''ضَرَبَ اللهُ مَثَلا'' کی عبارت کے ذریعہ کیا ہے:

'' ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا الَّلذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَةَ نُوحٍ وَامْرَاتَ لُوط كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ صَالحَيْنِ فَخَانَتَا هُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللهِ شَيْئاً وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْن ''؛

" وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱمۡرَأَتَ فِرۡعَوۡنَ إِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ٱبۡنِ لِي عِندَكَ بَيۡتٗا فِي ٱلۡجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِهِۦ وَنَجِّنِي مِنَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ " (تحریم، ۱۰۔ ۱۱)

خداوند عالم نے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوگئے ہیں نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، وہ دونوں بیچارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں لیکن ان دونوں نے خیانت کی تو ان دونوں (رسولوں) کے ساتھ تعلقات (زوجیت) نے (عذاب الٰہی سے) بچانے میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور ان سے کہا گیا: داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

اور خداوند عالم نے مومنوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال پیش کی ہے، اس وقت جب انہوں نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے کاموں سے نجات دلا دے اور مجھے پوری ظالم قوم سے نجات عطا کر دے۔

۲۔ رجوع کریں: سید محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج ۴، ص ۹۱۔

کتابنامہ

قرآن کریم، ترجمہ ناصر مکارم شیرازی

نہج البلاغہ، ترجمہ محمد دشتی

ابن بابویہ محمد بن علی صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، غفاری، علی اکبر دوم، قم، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قوم ۱۴۱۳ھ

۔۔۔ معانی الاخبار، چاپ اول، قوم، انتشارات جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قوم، ۱۴۰۳ھ

بحرانی، ہاشم، البرہان فی تفسیر القرآن، تحقیق بنیاد بعثت، چاپ اول، قم، موسسہ بعثت، ۱۴۱۵ ھ

جمعی از نویسندگان زیر نظر محمود یزدی مطلق، امامت پژوہی بررسی دیدگاہ امامیہ، معتزلہ و اشاعرہ، مشہد، دانشگاہ علوم اسلامی رضوی، ۱۳۸۷ش

دلشاد تہرانی، مصطفیٰ، سیری در تعلیم و تربیت، چاپ سوم، تہران، نشر و تحقیقات ذکر، ۱۳۷۷ش

راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، چاپ دوم، تہران، انتشارات مرتضوی، ۱۳۷۶ش

سیف، علی اکبر، روانشناسی پرورشی، تہران، انتشارات آگاہ، ۱۳۷۱ش

طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، بی تا
ـــ الرسائل العشر، قم، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، بی تا
عمید زنجانی، عباس علی، فقہ سیاسی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۷ش
عیاشی، محمد بن مسعود، تفسیر العیاشی، تحقیق سید ہاشم رسولی محلاتی، چاپ اول، تہران، مکتبۃ العلمیۃ الاسلامیہ، ۱۳۸۰ش
فخر رازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، (تفسیر کبیر) چاپ سوم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ
فیومی، احمد، المصباح المنیر، چاپ سوم، ایران، موسسہ دار الہجرہ، ۱۴۲۵ھ
قمی، علی ابن ابراہیم، تفسیر قمی، چاپ چہارم، قم، دار الکتاب، ۱۳۶۷ش
قمی مشہدی، محمد بن محمد رضا، تفسیر کنز الدقایق و بحر الغرایب، چاپ اول، تہران، وزارت ارشاد اسلامی، ۱۳۶۷ش
کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، مصحح علی اکبر غفاری و محمد آخوندی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ
ماتریدی، محمد بن محمد، تاویلات اہل السنۃ (تفسیر ماتریدی) چاپ اول، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۶ھ
مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۳ھ
مدرسی یزدی، محمد تقی، من ہدی القرآن، چاپ اول تہران، دار محبی الحسین، ۱۴۱۹ھ
مارکس، کارل، مانیفست کمونیست، ترجمہ محمد پور ہرمزان، تہران، انتشارات حزب تودہ ایران، ۱۳۵۹ش
مصباح یزدی، محمد تقی، رہنما شناسی، چاپ اول، قم، مرکز مدیریت حوزہ علمیہ قم، ۱۳۶۷ش
ـــ آموزش فلسفہ، چاپ سیزدہم، تہران، شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۹۱ش
مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، چاپ اول، تہران، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ش
مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، تہران، صدرا، ۱۳۵۹ش
ـــ جامعہ و تاریخ، تہران، بنیاد علمی فرہنگی شہید مرتضی مطہری، نسخہ دیجیتالی
مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، چاپ اول، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۷۶ش
ـــ پیام قرآن، چاپ اول، قوم، نسل جوان، ۱۳۷۳ش
ویر، مارکس، مفاہیم اساسی جامعہ شناسی، ترجمہ احمد صدارتی، چاپ سوم، تہران، نشر مرکز، ۱۳۷۵ش
واحدی، محمد بن احمد، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، چاپ اول، قاہرہ، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، ۱۴۱۶ھ

قرآن کریم میں پیغمبرؐ کے صفات و کمالات

گروہ مؤلفین: عبدالعلی شکر[۱]

مترجم: مولانا سید محمد باقر

خلاصہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کامل اور خاتم الانبیا ہیں جنکی ذات میں گذشتہ تمام انبیا کے صفات و کمالات جمع ہیں۔ قرآن مجید میں بعض ایسے صفات موجود ہیں جو صرف آپ ہی سے مخصوص ہیں اور دوسرے انبیا کا دامن ان صفات سے تہی دست ہے اور قیامت تک کوئی بھی ان صفات و کمالات کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ وہ صفات واحکام جو حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت سے مخصوص ہیں وہ دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ احکام و اوصاف ہیں جن کے سلسلہ میں مفسروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ اوصاف صرف آپ سے مخصوص ہیں جیسے ایک وقت میں پیغمبر کا چار سے زیادہ شادی کرنا، بغیر مہر کے شادی کرنا، نماز شب کا واجب ہونا، توریت و انجیل میں پیغمبر اسلامؐ کا نام مکتوب ہونا، پہلا مسلمان ہونا، کوثر عطا ہونا، خاتم الانبیاء ہونا اور آپ کی رسالت کا عالمی ہونا۔ اسکے مقابلے میں کچھ ایسے اوصاف و احکام ہیں کہ جن کے سلسلہ میں مفسروں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ نبی سے مخصوص ہیں یا نہیں جیسے آپ کا بلند مرتبہ ہونا، عبدِ مطلق ہونا، اسوہ ہونا، احترام و اکرام سے مخاطب قرار دیا جانا، مومنین پر آپ کی بعثت کا احسان ہونا۔ البتہ صرف یہی پیغمبر کی خصوصیتیں نہیں ہیں بلکہ اسکے علاوہ بھی آپ کے کچھ ایسے مخصوص صفات و کمالات ہیں جو قرآن مجید کی گواہی کے مطابق دوسرے انبیاء میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ (اسٹنٹ پروفیسر، شیراز یونیورسٹی، شیراز)؛ فرج تلاشان (علوم قرآن وحدیث میں ماسٹر، شیراز یونیورسٹی، شیراز)

پیش لفظ

انبیائے الٰہی کے مشترکہ صفات اس طرح ہیں: توحید کی دعوت، تقویٰ، اختلافات کو دور کرنا، شرک و جہالت اور اندھی تقلید سے پیکار، ڈرانا و بشارت دینا، عصمت، روشن دلائل قائم کرنا، کتاب و میزان، معجزہ، محروموں کا احترام اور وحی کی توضیح و تفسیر۔ عملی صفات کے علاوہ، معنوی صفات و روحانی کمالات میں بھی اشترک پایا جاتا ہے جیسے مخلص ہونا، صابر ہونا، خشیت میں توحید، صادق ہونا، اور امانتدار ہونا۔

اس مضمون کا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کریم میں حضرت ختمی مرتبتؐ کے ان صفات کو بیان کیا گیا ہے جو صرف آپ سے مخصوص ہیں جسکی بنیاد پر آپ کو تمام انبیاء سے افضل و برتر مانا جائے؟ جو چیز مسلّم ہے وہ یہ کہ تمام انبیاء ایک درجہ اور رتبہ میں مساوی نہیں ہیں بلکہ پروردگار کے نزدیک انکے درجات مختلف ہیں اس سلسلہ میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے: "۔۔۔وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا "اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے اور داؤد کو زبور عطا کی ہے" (الاسرا/۵۵)؛ نیز ارشاد ہوتا ہے: "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۔۔۔" یہ سب رسول وہ ہیں جنہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے. ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور بعض کے درجات بلند کئے ہیں" (سورہ البقرہ/۲۵۳)

روایت میں اس موضوع پر خاص تاکید کی گئی ہے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "سادة النبيين و المرسلين خَمسةٌ و هم أولوا العزم من الرسل وعليهم دارة الرحىٰ نوح وإبراهيم و موسى و عيسى ومحمدﷺ وعلى جميع الأنبياء" انبیاء و رسولوں میں پانچ بزرگ اور باعظمت اور اولوالعزم نبی ہیں نبوت و رسالت انہی پانچ کے محور پر گردش کر رہی ہے اور وہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور حضرت محمدؐ ہیں، پروردگار کا درود و سلام ہو اُن پر اور تمام انبیاء پر۔ (کلینی، ج۱، ۱۷۵، ۱۴۰۷ھ)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "إِنَّ اللهَ فَضَّلَ أَنبِيَائَهُ المرسَلِين عَلى ملائكتِه المُقَرَّبِينَ وَفَضَّلَنِي عَلىٰ جَمِيعِ النبِيِّينَ وَالْمُرسَلِيْنَ " پروردگار نے نبیوں کو مقرب فرشتوں پر فضیلت عطا کی ہے اور مجھے تمام انبیاء و

مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے۔ (فیض کاشانی، ۴:۲۰۱، ۱۳۸۷ھ) لہٰذا انبیاء کے درمیان بھی رتبہ اور فضیلت کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے اور پیغمبر اکرمؐ آخری اور سب سے برتر نبی ہیں آپ کی ذات اقدس میں کچھ ایسے صفات، احکام اور کمالات پائے جاتے ہیں جو تمام انبیاپر آپ کے افضل ہونے کا سبب ہیں۔

مرتب صورت میں صفات انبیاء کے سلسلہ میں گفتگو ما قبل اسلام سے ہے چونکہ گذشتہ انبیاء نے اپنی قوم سے آنے والے نبیوں کے صفات کو بیان کئے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی کتاب میں پیغمبر اکرمؐ کے بعض صفات کو بیان کیا ہے۔ اس مضمون میں قرآنی آیات کی روشنی میں نبی کریمؐ کے بعض ایسے صفات اور احکام جو صرف آپ سے مخصوص ہیں ان پر تجزیہ و تحلیل کیا جائے گا:

ا۔ پیغمبر اکرمؐ کے وہ اوصاف واحکام جن پر سب کا اتفاق ہے:

ا/ا۔ مہر کی ادائیگی کے ساتھ ایک وقت میں چار عورتوں سے زیادہ شادی کرنا

منجملہ وہ احکام جو صرف پیغمبر اکرمؐ سے مخصوص ہیں" ایک وقت میں چار سے زیادہ خواتین سے دائمی شادی کرنا ہے" خواتین کی مہر ادائیگی کے ساتھ پیغمبر ان سے شادی کر سکتے تھے لیکن تمام مسلمانوں پر ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنا حرام ہے: " وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا "؛ اور اگر تیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہیں دو تین چار ان سے نکاح کرلو اور اگر ان میں بھی انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہے تو صرف ایک... یا جو کنیزیں تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہیں, یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ بے انصافی نہ کرو" (النساء/۳)۔

اس آیت میں گفتگو کا محور" حد اکثر چار خواتین سے (بیک وقت) اس صورت میں دائمی شادی کرنا جائز ہے جب انکے درمیان عدل کی رعایت کرنا ممکن ہو" اور اگر ایسا نہ ہو تو شوہر کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔ وہ شخص جو اپنی بیویوں کے درمیان عدل برقرار کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسلام اسے اجازت دیتا ہے کہ وہ دو تین یا چار خواتین سے (بیک وقت) شادی کرے۔ البتہ آیت کے ذیل میں اس جواز کو بیویوں کے درمیان عدل

سے کام نہ لینے کے خدشہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (یعنی غیر مستقیم طور پر ایک وقت میں ایک ہی شادی پر باقی رہنے کی ہدایت ہے)۔

زمانہ جاہلیت میں ایک مرد کتنی بیویاں رکھ سکتا ہے اسکی کوئی حد معین نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ بعض افراد کے پاس متعدد بیویاں ہوتی تھیں یہاں تک کہ کچھ ایسے بھی تھے جنکی دس بیویاں تھیں۔ لیکن اسلام کے آنے کے بعد چونکہ ایک وقت میں چار دائمی بیویوں سے زیادہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا لہٰذا وہ افراد جنکے پاس زیادہ بیویاں تھیں پیغمبرؐ نے انھیں حکم دیا کہ اپنی بیویوں میں سے چار کو چنیں اور بقیہ کو طلاق دے دیں۔ ''کسی ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ دو تین اور چار'' سے مراد نو ہے کیونکہ اولاً: سب سے پہلے تو قرآن مجید میں دو دو، تین تین اور چار چار کی تعبیر استعمال ہوئی ہے۔ ثانیاً: کیسے ممکن ہے کہ خود عرب زبان، عدد نو کو سمجھانے کے لئے لفظ: ''تسع'' کا استعمال کریں اور قرآن جو کہ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام ہے وہ اس طرح مبہم گفتگو کرے؟!۔ ثالثاً ایک عام انسان کے لئے نو خواتین سے دائمی شادی کرنا اجماع کے برخلاف ہے۔ ان بنیاد پر آیت کا مضمون کچھ اس طرح ہے: وہ عورتیں جو تمہارے لئے حلال و مباح ہیں ان سے شادی کرو، اور جو کوئی متعدد بیویوں کے درمیان عدل برقرار کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسے اجازت ہے کہ وہ دو یا تین یا چار خواتین سے شادی کرے اور اگر یہ خدشہ ہو کہ انصاف کی رعایت نہیں کر پائے گا تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔ اگر عام انسان عملِ پیغمبر اکرمؐ کو دلیل بناتے ہوئے اسے جائز قرار دینا چاہے تو یہ دلیل بے بنیاد ہے چونکہ ایک وقت میں چار بیویوں سے زیادہ رکھنا صرف نبیؐ سے مخصوص ہے۔ اسلام میں متعدد بیویوں کے جواز کا مطلب وجوب بالکل نہیں ہے بلکہ مباح و جائز ہے، اور اسکا جواز بھی موقوف ہے عدل و انصاف کی رعایت کرنے پر۔ لہٰذا اگر کوئی یہ یقین و اطمینان رکھتا ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل کو برقرار کر پائے گا یا انکے درمیان عدل برقرار نہ کر پانے کا عقلائی خوف نہ رکھتا ہو تو اسکے لئے جائز ہے کہ وہ متعدد بیویاں (یعنی بیک وقت چار تک) انتخاب کرے۔ (جوادی آملی، ص ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۳، ج ۱۷، ۱۳۸۸)۔ اس آیت میں شرعی و قانونی طور پر عدل کی رعایت کرنا مراد ہے؛ یعنی وہ افراد جن کے پاس متعدد بیویاں ہیں انکے لئے نفقہ، کپڑا اور گھر وغیرہ میں عدل سے کام لینا واجب ہے۔ اس طرح کا عادلانہ برتاؤ اگرچہ سخت و دشوار ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے اور جس کے پاس قدرت نہ ہو اسے چاہئے کہ ایک سے زیادہ بیوی کا انتخاب نہ کرے۔ لیکن دلی محبت و لگاؤ کی

وجہ سے تمام بیویوں کو ایک نظر سے دیکھنا اور محبت میں انکے درمیان عادلانہ رویہ اپنانا نہایت سخت اور عام انسان کے حد و توان سے باہر کی چیز ہے کیونکہ ایک عام انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ اپنے دلی میلان و محبت کو کنٹرول میں رکھے، یہی وجہ ہے کہ پروردگار کا ارشاد ہے: تم جتنی بھی کوشش کرلو قلبی محبت و رغبت کے لحاظ سے اپنی بیویوں کے درمیان عدل سے کام نہیں لے سکتے ہو۔ باالفاظ دیگر، کبھی کسی بیوی کا کردار و عمل شوہر کی مرضی سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے جسکے نتیجہ میں شوہر بھی اس سے زیادہ محبت کرتا ہے یا اسکے برخلاف کبھی کسی بیوی کا عمل یا کردار شوہر کی مرضی کے برخلاف ہوتا ہے جسکے نتیجہ میں وہ اس بیوی سے کم محبت کرتا ہے۔ لہٰذا متعدد بیویوں کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کرنا عادی انسان کے لئے نہایت سخت و دشوار بلکہ ناممکن ہے لیکن شرعی و قانونی اعتبار سے عادلانہ رویہ بالکل ممکن ہے لہٰذا پروردگار کا ارشاد ہے: ''وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِن تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا''؛ اور تم کتنا ہی کیوں نہ چاہو عورتوں کے درمیان مکمل انصاف نہیں کر سکتے ہو لیکن اب بالکل ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرلو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (نسا/۱۲۹) (جوادی آملی، ص ۶۵، ۶۶ اور ۶۹، ج ۲۱، ۱۳۸۸)

سیرت پیغمبر اکرمؐ کا اگر بادقت مطالعہ کیا جائے اور دنیا و دنیاوی لذتوں کے بارے میں آپؐ کے زہد کو دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ نبی کریمؐ کی شادی عام انسانوں کی شادی کی طرح بالکل نہیں تھی۔ اسکے علاوہ پیغمبر کی سیرت اور آپ کے اقوال ہمیشہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے فراموش شدہ حقوق اور انکی سماجی شخصیت کو زندہ کرنے اور انکے احترام و وقار کو واپس پلٹانے میں کافی موثر واقع ہوئے ہیں۔ (گذشتہ حوالہ، ج ۱۷، ص ۲۹۳ اور ۲۹۷)

چونکہ پیغمبر اکرمؐ توانائی و قدرت رکھتے تھے کہ اپنی بیویوں کے درمیان شرعی و قانونی طور پر عادلانہ برتاؤ رکھیں اور محبت و رغبت کے اعتبار سے بھی عدل سے کام لیں لہٰذا آپ کو اجازت تھی کہ آپ چار سے زیادہ دائمی بیویاں رکھیں لیکن چونکہ دوسرے یہ قدرت نہیں رکھتے ہیں لہٰذا انکے لئے چار سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

۱/۲۔ بغیر مہر کے شادی کرنا

اگر کوئی مومنہ خاتون اپنے نفس کو پیغمبرؐ کو بخش دے اور پیغمبرؐ سے مہر کا مطالبہ بھی نہ کرے تو اگر پیغمبرؐ چاہیں تو اس سے شادی کر سکتے ہیں: "۔۔ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۔۔۔"؛ اور اس مومنہ عورت کو جو اپنا نفس نبی کو بخش دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے تو حلال کر دیا ہے لیکن یہ صرف آپ کے لئے ہے باقی مومنین کے لئے نہیں ہے۔ (الاحزاب/۵۰) اس طرح کی شادی صرف پیغمبر ختمی مرتبت کے لئے جائز تھی۔ بے شک بغیر مہر کے ہمسر اختیار کرنا صرف پیغمبر سے مخصوص تھا جیسا کہ یہ آیت بھی صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔ رہا سوال یہ کہ کیا اس حکم پر عمل بھی ہوا یا نہیں تو اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض جیسے ابن عباس کا ماننا ہے کہ پیغمبرؐ نے کسی کے بھی ساتھ اس طرح کی شادی نہیں کی اور یہ حکم صرف ایک اجازت کے طور پر رہا اور کبھی بھی اس پر عمل نہیں ہو سکا۔ بعض دوسرے مفسرین نے تین سے چار خواتین کا نام ذکر کیا ہے جن سے پیغمبرؐ نے بغیر مہر کے شادی کی تھی جیسے "میمونہ بنت حارث" انصار میں سے، "زینب بنت خزیمہ" قبیلہ بنی اسد سے، "ام شریک بنت جابر" اور "خولہ بنت حکیم"۔ (مکارم شیرازی، ج۱۷، ص ۴۰۲۔ ۴۰۶، ۱۳۷۴)

قبیلوں کے اعزاز و امتیاز میں سے ایک یہ تھا کہ انکے قبیلہ کی کسی خاتون کو ازواج نبی میں شمار کیا جائے۔ یہ شادی انکے قبیلہ کی سماجی حیثیت کو مضبوط کرنے میں مددگار ہوتی تھی اور پورا قبیلہ دل و جان سے پیغمبرؐ کی حمایت میں کھڑا رہتا تھا۔ قرآنی آیت کی روشنی میں اس طرح کی شادی صرف نبی اکرمؐ سے مخصوص تھی انکے علاوہ کسی بھی مسلمان کے لئے ہبہ کی صورت میں شادی جائز نہیں تھی۔ واضح رہے کہ وہ خاتون جو بغیر کسی مہر کے پیغمبرؐ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو رہی ہے ان کا مقصد معنوی افتخار کو کسب کرنا تھا جو رسول خداؐ کی ہمسر بننے کی صورت میں انکے لئے فراہم تھا۔ (جوادی آملی، ج۱۷، ص ۲۹۶، ۱۳۸۸)۔

۱/۳۔ نماز شب کا واجب ہونا

ایک اور صفت جو صرف پیغمبر اسلامؐ سے مخصوص ہے اور تمام مفسروں کا جس پر اجماع ہے وہ نماز شب کا واجب ہونا ہے۔ عام مسلمانوں پر جتنی چیزیں واجب ہیں نبی کریمؐ پر ضروری تھا کہ ان پر بھی عمل کریں اسکے علاوہ کچھ اور بھی واجبات ہیں جو صرف آپ سے مخصوص ہیں انہی واجبات میں سے ایک نماز شب کا وجوب ہے،اور بعض آیات میں جسکی جانب اشارہ ملتا ہے: ''يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۳﴾ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا''؛ اے میرے چادر لپیٹنے والے رات کو اٹھو مگر ذرا کم آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا کچھ زیادہ کردو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر باقاعدہ پڑھو'' (المزمل/ ۱۔۴)۔ ''وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا''؛ اور رات کے ایک حصہ میں قرآن کے ساتھ بیدار رہیں یہ آپ کے لئے اضافہ خیر ہے عنقریب آپ کا پروردگار اسی طرح آپ کو مقام محمود تک پہنچادے گا''۔ (الاسرا/۷۹)

اس واجب کے مقابلہ میں پروردگار اپنے نبی کو عظیم اجر عطا کرے گا اور وہ مقام محمود یا بلند و پسندیدہ عہدہ و رتبہ ہے۔ روایت کے مطابق مقام محمود سے مراد ''شفاعت'' ہے کہ پیغمبرؐ قیامت کے دن اپنی امت کے گناہان کبیرہ کو بخشوانے میں جس کا استعمال کریں گے۔ (ابن بابویہ، ص ۲۹۴، ۷۶ ۱۳)۔ بے شک مقام محمود نہایت عظیم منزلت و رتبہ ہے کیونکہ محمود ''حمد'' سے لیا گیا ہے جسکے معنی تعریف کرنے کے ہیں اور چونکہ یہ لفظ بغیر کسی قید و شرط کے ذکر ہوا ہے تو شاید اسکے یہ معنی ہے کہ اولین سے لے کر آخرین تک ہر کوئی آپ کی تعریف و تمجید کرے گا۔ اسلامی روایتیں چاہے اہل بیت علیہم السلام سے ہوں یا اہل تسنن کے منابع میں، سب نے مقام محمود کو مقام ''شفاعت کبری'' سے تفسیر کیا ہے، چونکہ عالم آخرت میں نبی کریمؐ کی ذات گرامی سب سے بڑی شفیع ہے اور جو اس شفاعت کے سزاوار ہونگے انھیں یہ شفاعت نصیب ہوگی۔ (طباطبائی، ص ۱۷۵، ج ۱۳، ۱۴۰۳ ھ)

۱/۴۔ عہدین یعنی توریت و انجیل میں پیغمبر کا نام مکتوب ہونا

ایک اور امتیاز جسے مفسرین صرف پیغمبر اکرمؐ سے مخصوص مانتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کا اسم مبارک عہدین یعنی توریت و انجیل میں موجود ہے۔ آپ کے صفات، نشانیاں، دلائل نبوت اور نبی کریمؐ کی حقانیت

مختلف تعبیروں کے ساتھ آسمانی کتاب (توریت و انجیل) میں موجود ہے، یہ نشانیاں اس طرح سے مذکور ہیں کہ انسانوں پر آپ کی حقانیت ثابت ہو جاتی ہے، قرآن مجید کا اس سلسلہ میں ارشاد ہے: " الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ۔۔۔؛ جو لوگ رسولِ نبی امّی کا اتباع کرتے ہیں وہ اس کا ذکر اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں" (الاعراف/۱۵۷)

اسی طرح سے حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے کہ علمائے اہل کتاب پیغمبر اکرمؐ کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے چونکہ آپ کا نام مبارک، حلیہ، نشانیاں وہ سب اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھ چکے تھے: " الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۔۔۔؛ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو بھی اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں" (البقرہ/۱۴۶)

یہ آیت ایک لطیف حقیقت و نکتہ سے پردہ اٹھاتی ہے اور وہ یہ کہ گذشتہ قوم کی کتابوں میں پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے جسمانی و روحانی صفات و خصوصیات کا تذکرہ اس طرح واضح و روشن تھا کہ وہ افراد جنکا سروکار ان کتب سے تھا وہ بخوبی پیغمبرؐ کی کامل تصویر اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔ (مکارم شیرازی، ج۱، ص ۵۰۰، ۱۳۷۴) اب یہ کہ اس آیت میں پیغمبر کا نام نہیں لیا گیا بلکہ انھیں "رسول" "نبی" اور "امی" کے خطاب سے نوازا گیا اور اسکے بعد آیت کا یہ فراز ذکر ہوتا ہے "الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل" اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ توریت و انجیل میں آپ کو انہیں تین خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔ (طباطبائی، ج۸، ۳۶۵، ۱۴۰۳ھ) چونکہ یہ آیت کہ جس میں آپؐ کی نبوت کی گواہی کے طور پر توریت و انجیل کو پیش کیا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی دوسری کسی بھی آیت میں رسول خداؐ کا ایک ساتھ ان تین صفت کے ساتھ تذکرہ نہیں ہوا ہے۔

۱/۵۔ اول المسلمین (پہلا مسلمان) ہونا

مفسرین کے نزدیک اول المسلمین یعنی پہلا مسلمان ہونا بھی ان کمالات میں سے ہے جو صرف ذات با برکت پیغمبرؐ سے مخصوص ہے اور یہ تمام مفسرین کا متفقہ فیصلہ ہے۔ پروردگار اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ کہو: "

میں پہلا مسلمان ہوں" الَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ؛ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"۔ (الانعام/۱۶۳)

دوسرے کسی بھی نبی کے لئے اول المسلمین کی تعبیر نہیں ملتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے آپ سے سبقت رکھتے ہیں اور تمام ابراہیمی انبیاء کا سلسلہ جناب ابراہیمؑ ہی سے چلا ہے آپ نے دعا کی: " رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ؛ پروردگار ان کے درمیان ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انکے نفوس کو پاکیزہ بنائے۔ بے شک تو صاحب عزّت اور صاحبِ حکمت ہے" (البقرہ/۱۲۹)۔ بعض روایتوں کے مطابق پیغمبر اکرمؐ: "اَنَا ابنُ الذَّبِيحَيْنِ" کہکر خود کو اسماعیل فرزند ابراہیم کی اولاد قرار دیتے ہیں اسکے باوجود پروردگار نے جناب ابراہیمؑ سے نہیں کہا کہ کہو "میں پہلا مسلمان ہوں" حضرت نوح جنھیں شیخ الانبیاء کہا جاتا ہے اور جناب آدم جو ابوالبشر ہیں ان میں سے بھی کسی نے یہ تعبیر خود کے لئے استعمال نہیں کی۔ قرآن مجید تنہا اگر کسی ذات کو اس عنوان سے پہچنواتا ہے تو وہ پیغمبر اکرمؐ کی ذات والا صفات ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اولویت نہ تو زمان کے لحاظ سے ہے اور نہ ہی تاریخ کے اعتبار سے؛ کیونکہ اگر زمانہ کے لحاظ سے اولیت مراد ہوتی تو ہر نبی اپنی قوم کے لئے "اول المسلمین" ہوتا اور گذشتہ انبیاء بھی بطریق اولیٰ اس اولیت کا مصداق ہوتے۔ یہ جو پروردگار نے صرف پیغمبر اسلامؐ سے کہا: کہو مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اول المسلمین (پہلا مسلمان) ہوں، یہ اس وجہ سے ہے کہ آپؐ صادر اول یا ظاہر اول ہیں؛ یعنی مرتبہ وجودی میں کوئی آپ کے برابر نہیں ہے، جیسا کہ قیامت میں بھی آپ کی ذات سب سے پہلے محشور ہوگی۔ (جوادی آملی، ج۸، ص ۳۰، ۱۳۸۵)

فیض کاشانی کا ماننا ہے کہ "إنه أَوَّلُ مَن أَجَابَ فِي الْمِيْثَاقِ" آنحضرتؐ نے عالم ذر اور عہد و پیمان لینے کے وقت سب سے پہلے لبیک کہا تھا۔ لہٰذا آپ کا اسلام تمام مخلوقات کے اسلام پر مقدم ہے۔ (فیض کاشانی، ج۲، ۲۵۴، ۱۳۸۷)

علامہ طباطبائیؒ کا یہ ماننا ہے کہ "و انا اول المسلمین" کا جملہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ "اول" سے مراد رتبہ میں اولیت ہے، نہ کہ زمانہ کے لحاظ سے اولیت؛ چونکہ نبی کریمؐ سے پہلے بھی مسلمان تھے جیسا کہ قرآن مجید نے حضرت نوحؑ کے قول کو نقل کیا ہے: " وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ" (یونس/۷۲) اسی طرح سے جناب ابراہیم کا قول نقل ہے "إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ " (البقرہ/۱۳۱) اسکے علاوہ آپ اور آپ بیٹے کے قول کو نقل کیا: " رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔۔۔" (البقرہ/۱۲۸) یا حضرت لوط کے سلسلہ میں ملتا ہے: " فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ" (الذاریات/۳۶) اوراگر ملک سبا کی شہزادی کے قول کواس طرح بیان فرمایا:"... وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ" (النمل/۴۲) البتہ اگر ملک سبا کی ملکہ کی مراد خدا کے لئے اسلام ہو۔ نیز آپ نے کہا: "...وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (النمل/۴۴)

قرآن کریم میں "اول المسلمین" کی صفت کسی کے لئے بھی استعمال نہیں ہوئی ہے صرف پیغمبر ختمی مرتبتؐ ہیں جنھیں مندرجہ بالا آیت اور اس آیت " وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ"؛ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا اطاعت گزار بن جاؤں" (الزمر/۱۲) میں اول المسلمین کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ اس امت کے پہلے مسلمان ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ہر زمانہ میں اسلام مراد ہے تو سب سے پہلے مسلمان جناب ابراہیم علیہ السلام ہیں اور دوسرے آپ کے پیرو ہیں۔ یہ بات قابل قبول نہیں ہے کیونکہ سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۶۳ میں اسلام کو اس امت کے اسلام سے مقید نہیں کیا گیا ہے لہٰذا کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آیت میں اضافی قید و شرط لگائی جائے۔ اور رہا سوال یہ کہ سب سے پہلے مسلمان جناب ابراہیم علیہ السلام ہیں تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ہمارے پاس ایسی بھی آیتیں موجود ہیں جن میں جناب ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کے انبیاء کو مسلمان بتایا گیا ہے۔ یہ آیتیں " رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ" (البقرہ/۱۲۸) اور "... مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ ..." (الحج/۷۸) اس لئے کوئی بھی دلیل مذکورہ مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ (طباطبائی، ج۷، ص

۳۹۵۔ ۳۹۴، ۱۴۰۳ھ) سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۶۳ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام تمام الٰہی ادیان پر فضیلت رکھتا ہے اور اسلام کی پیروی واجب ہے؛ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ سب سے پہلے وہ انسان ہیں جنھیں حکم دیا گیا کہ اسلام کے آگے سر تسلیم خم کرلیں اور دوسروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپؐ کی پیروی کریں۔ (طبرسی، ج۹، ص ۱۳۶۰،۳۶)

۱/۶۔ کوثر عطا کرنا

کوثر وہ نایاب الٰہی تحفہ ہے جو تمام انبیاء میں پروردگار نے صرف پیغمبر اکرمؐ کو عطا کیا۔ تمام مفسرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مشکلات و حادثات کی کثرت اور دشمنوں کے زخم زبان سے تسلی کی خاطر خدا نے پیغمبر اکرمؐ سے فرمایا: ''اِنَّآ اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ؛ ہم نے تمہیں کوثر (کثیر خیر وبرکت) عطا کیا''۔ (الکوثر/۱)

کوثر وہ صفت ہے جو کثرت سے لی گئی ہے جس کے معنی فراوان خیر وبرکت کے ہیں۔ اسی لئے سخی انسان کو بھی ''کوثر'' کہا جاتا ہے۔ رہا سوال یہ کہ کوثر سے مراد کیا ہے تو اس سلسلہ میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں جنت کی ایک نہر کا نام ہے اور بعض کہتے ہیں مراد حوض کوثر ہے جو پیغمبرؐ سے مخصوص ہے۔ بعض کا ماننا ہے کہ اس سے مراد نبوت و قرآن ہے اسی طرح سے کچھ اصحاب وانصار کی کثرت، اولاد کی کثرت، نسل اور شفاعت سے تفسیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب اس لفظ (کوثر) کے واضح و روشن مصادیق ہیں اور کوثر کے معنی خیر کثیر و نعمت فراوان ہے۔ (مکارم شیرازی، ج۲۷، ص ۳۷۲، ۱۳۷۴)۔ کوثر کے روشن مصادیق میں سے ایک مصداق جناب فاطمہ زہرا (س) کی ذات بابرکت ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کی نسل ان ہی کی اولاد سے دنیا میں پھیلی ہے وہ بھی ایک ایسی نسل جو نہ صرف خونی لحاظ سے پیغمبرؐ کی اولاد تھی بلکہ اس نے تمام اسلامی اقدار واسکے قوانین کی حفاظت فرمائی اور آئندہ آنے والی نسلوں تک اسے منتقل کیا۔

۱/۷۔ خاتم الانبیا اور آپکی شخصیت کا عالمی ہونا

ایک اور صفت جو صرف پیغمبر اکرمؐ سے مخصوص ہے اور تمام مفسرین و اسلامی دانشور آپ کے خاتم الانبیاء ہونے پر اتفاق رائے رکھتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے: '' مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا محمد تمہارے مردوں میں سے

کسی ایک کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شے کا خوب جاننے والا ہے " (سورہ احزاب/۴۰)۔ یہ آیت زمانہ جاہلیت کی ایک غلط فکر و رسم کو باطل قرار دیتی ہے کہ انسان اپنے گود لئے بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں کر سکتا ہے۔ اس سوچ کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے: محمد تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں ہیں نہ تو زید کے اور نہ ہی کسی دوسرے کے۔ خاتم اس مہر کو کہتے ہیں جو خط کے آخر میں لگائی جاتی ہے، پروردگار انسانی معاشرہ کے لئے انبیاء و رسل کے ذریعہ اپنا پیغام بھیجتا ہے اور جب اسکا پیغام مکمل ہو جاتا ہے تو پیغمبر اکرمؐ کو بھیج کر سلسلہ نبوت کو بھی منقطع کر دیتا ہے لہٰذا آپؐ کے بعد اب کسی نبی یا رسول کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اسی وجہ سے ارشاد ہوتا ہے: رسول اکرمؐ تمام انبیاء کے زیور کمالات سے آراستہ اور خاتم الانبیاء ہیں اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوا ہے۔ (جوادی آملی، ج۸، ص ۲۳، ۱۳۸۵)۔ مرحوم طبرسی کا ماننا ہے کہ "خاتم النبیین" کی تعبیر اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ رسول گرامیؐ خدا کی جانب سے آخری پیغام لانے والے ہیں اور آپکے آنے سے سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا۔ اسی بنیاد پر آپ کی شریعت قیامت تک ہر انسان کے لئے جاری و ساری ہے اور تمام انبیاء کے درمیان یہ خود بہت بڑی فضیلت ہے جو صرف آپ کو نصیب ہوئی۔ (طبرسی، ج۱، ص ۵۱۲، ۱۳۶۰)

پیغمبر اکرمؐ کے خاتم الانبیاء ہونے پر یہی آیت کافی ہے لیکن ہمارے پاس صرف یہی آیت دلیل کے طور پر موجود نہیں ہے بلکہ دوسری آیات و روایات بھی اسی جانب اشارہ کرتی ہیں منجملہ: "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ"؛ اور پیغمبر ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں" (سبا/۲۸)؛ "... وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ ...؛ اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ میں تمہیں اور جہاں تک یہ پیغام پہنچے سب کو ڈراؤں ۔۔۔" (الانعام/۱۹) تعبیر "و من بلغ" کی وسعت ایک طرف جہاں قرآن و پیغمبر کی عالمی رسالت کی جانب اشارہ کر رہی ہے وہیں دوسری طرف آپ کے خاتم الانبیاء ہونے کو بھی اجاگر کر رہی ہے۔

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کے وہ مخصوص صفات و احکام جن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے:

۲/۱۔ عالی مرتبت ہونا (ابتدائے اسلام سے آج تک نبی کریمؐ کے نام کی رفعت)

یہ خصوصیت نبی رحمت کے نیک اخلاق و صفات کا نتیجہ ہے۔ کسی بھی انسان کی عظمت و بزرگی کو پہچاننے کا ایک راستہ اس فرد سے زیادہ بلند مرتبہ انسان کا اسکی تعریف و تمجید کرنا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا پروردگار کی خاص توجہ کا مرکز بننے اور ملائکہ کے درود و سلام کا اہل قرار پانے سے آپکے وجود کی عظمت و بزرگی کا پتہ چلتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم پر واجب کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ پر دورد و سلام بھیجیں اور آپ کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کریں: "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا؛ بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ رسول پر صلوٰات بھیجتے ہیں تو اے صاحبانِ ایمان تم بھی ان پر صلوٰات بھیجتے رہو اور سلام کرتے رہو"۔ (سورہ الاحزاب/۵۶)

یہ آیت نبی کریمؐ کے عالی مقام و عظیم رتبہ کو بخوبی بیان کررہی ہے اور پروردگار کی تائید کی وجہ سے لوگوں میں آپ کی مقبولیت روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے۔ دوسری آیت میں ملتا ہے: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ؛ اور آپ کے ذکر کو بلند کردیا" (الانشراح/۴)، اسی طرح سے دوسری بھی آیتیں اس موضوع کی جانب اشارہ کررہی ہیں۔ (الحجرات/۱؛ النور/۶۳)۔ خدائے سبحان نے اپکے ثبوتی کمالات جیسے ایمان، اطاعت، اجابت اور سلبی صفات اسی طرح دوسرے موارد اور پیغمبر عظیم الشان کے نام مبارک کو اپنے مبارک اسماکے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (جوادی آملی، ج۹، ص ۳۶۲، ۱۳۸۵)

۲/۲۔ عبد مطلق ہونا

پیغمبرؐ کی مخصوص صفات میں سے ایک صفت آپ کا "عبد مطلق" ہونا ہے۔ پروردگار کا رسول اکرمؐ کے لئے ارشاد ہے: "وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ؛ (کیا انبیاء کی گذشتہ کتابوں سے انھیں یہ خبر نہیں ملی ہے کہ) بیشک سب کی آخری منزل پروردگار کی بارگاہ ہے" (النجم/۴۲)۔ پروردگار رب العالمین ہے لیکن بعض انسان اسکے کسی ایک جزء کا مظہر قرار پاتے ہیں مثال کے طور پر بعض لوگ حقیقت میں عبد الرزاق، عبد الباسط، عبد القابض، عبد الکریم اور عبد الجلیل ہوتے ہیں لیکن پیغمبر ختمی مرتبتؐ "عبد" ہیں اور خود پروردگار نے آپکی تربیت فرمائی جو بندگی کی معراج ہے اور قوس صعود میں کوئی بھی رتبہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ آپؐ نے

پروردگار کے ذریعہ تربیت پائی ہے۔ خدائے سبحان کے عالی ترین ناموں میں ایک نام ''ھو'' ہے جس سے پروردگار کی ذات مطلق مراد ہے آنحضرتؐ بھی اس سے منسوب ہیں؛ چونکہ عبودیت کے کامل ترین رتبہ پر آپ فائز ہیں لہٰذا سب سے جامع نام سے آپ بھی منسوب ہیں۔ ''هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ؛ وہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو'' (التوبہ/۳۳)

جب کسی دوسرے نبی کے لئے پروردگار ''عبد'' کی تعبیر کا استعمال کرنا چاہتا ہے تو انکے نام کو بھی ذکر کرتا ہے مثال کے طور پر ارشاد ہوتا ہے: '' وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ؛ اورائے پیغمبر! علیہ السّلام ہمارے بندے ابراہیم (علیہ السّلام) اسحاق (علیہ السّلام) اور یعقوب (علیہ السّلام) کا ذکر کیجئے جو صاحبانِ قوت اور صاحبانِ بصیرت تھے'' (ص/۴۵)؛ '' وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ؛ اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السّلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے بڑی تکلیف اور اذیت پہنچائی ہے'' (ص/۴۱)؛ '' اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ؛ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السّلام) کو یاد کریں جو صاحب طاقت بھی تھے اور بیحد رجوع کرنے والے بھی تھے'' (سورہ ص/۱۷)؛ ''كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ؛ ان سے پہلے قوم نوح نے بھی تکذیب کی تھی کہ انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ دیوانہ ہے بلکہ اسے جھڑکا بھی گیا'' (سورہ القمر/۹) لیکن پیغمبر اکرمؐ کے لئے جب ''عبد'' کی تعبیر استعمال ہوتی ہے تو نام کے بغیر جو ''عبد مطلق'' پر دلیل ہے: '' تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا؛ بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ سارے عالمین کے لئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بن جائے'' (الفرقان/۱)۔ نہ تو لفظ ''عبد'' سے پہلے آپ کا نام مبارک ذکر ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں جو یہ کہا جاسکے کہ قرینہ ہونے کی بنیاد پر آپ کا نام محذوف ہے اور نہ ہی ''عباد'' کہا جو کہ کثرت پر دلالت کرتا ہے بلکہ ''عبدہ'' کہا جو

مقام وحدت کی جانب اشارہ ہے اور یہ تعبیر "عبد اللہ" کی تعبیر سے زیادہ بلند و رسا ہے؛ کیونکہ اس عبودیت کا منشا پروردگار کی ذات مطلق ہے جو مقام الوہیت سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے۔ (جوادی آملی، ج۸، ص ۲۶، ۱۳۸۵)

اسکے علاوہ سورہ اسراء کی ابتدا میں ملتا ہے: "سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَیٰ بِعَبْدِهِ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِیَهُ مِنْ آیَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِیعُ الْبَصِیرُ؛ پاک و پاکیزہ ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف کو ہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھائیں بیشک وہ پروردگار سب کی سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے" (الاسرا/۱)۔ اسی طرح سے سورہ کہف کی پہلی آیت کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی أَنزَلَ عَلَیٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ یَجْعَل لَّهُ عِوَجًا ؛ ساری حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی ہے اور اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی ہے" (کہف/۱)۔ ان تمام آیتوں سے واضح وروشن ہوجاتا ہے کہ جب بھی لفظ "عبد" بغیر کسی نام یا شرط کے ذکر ہو تو اس سے مراد کامل ترین فرد یعنی ذات بابرکت رسول اکرمؐ ہیں جو دوسرے انبیاء کی بہ نسبت یہ ایک ناقابل انکار فضیلت ہے۔ رسول اکرمؐ کی ذات ہر زمانہ میں پروردگار کے لئے بندہ مطلق ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء و معصومین علیہم السلام اسی عبد مطلق کے سایہ میں ہیں بالفاظ دیگر رسول خداؐ سید الاولین والآخرین ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "أَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدم وَ لَا فَخْرَ، أَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ، وَإِمَامُ الْمتقین وَرسولُ رَبِّ الْعالَمِین" (مجلسی، ج۹، ص ۲۹۴، ۱۳۷۲) استاد جوادی آملی کے نزدیک یہ خصوصیت صرف پیغمبر اکرمؐ سے مخصوص ہے۔ (جوادی آملی، ج۸، ص ۲۶، ۱۳۸۵)

۲/۳۔ ماضی، حال اور مستقبل میں اسوۂ حسنہ ہونا

"اسوہ" کی صفت پیغمبر اکرمؐ کی خاص صفت ہونے کے ساتھ ساتھ سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۴ اور ۶ میں یہ صفت جناب ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی ذکر ہوئی ہے۔ اس صفت کے نبی کریمؐ سے مخصوص ہونے کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض تفسیروں منجملہ تفسیر نور میں سورہ احزاب کی آیت نمبر ۲۱ کے ذیل میں ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی یہ صفت ذکر ہوئی ہے۔ (قرائتی،

ج۷، ص ۳۴۴، ۱۳۸۳)۔ لیکن ان دو پیغمبروں کے اسوہ ہونے کی نوعیت مختلف ہے جناب ابراہیم کو شرک و مشرکین سے برائت و بیزاری میں اسوہ بتایا گیا ہے لیکن اس آیت میں پیغمبر اکرمؐ کو دشمنوں کے مقابلے میں ثبات قدمی و استقامت دکھانے کے لحاظ سے اسوہ بتایا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضورؐ کی گفتار و سیرت کا کوئی بھی پہلو نمونہ عمل کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔ (سیوطی، ج۶، ص ۴۵، ۱۴۰۴ھ)

نبی کریمؐ کی پوری زندگی انسانی فضائل و کمالات، پسندیدہ صفات اور مسلسل سلوک و عرفان کی منزلوں کو طے کرنے کے حوالے بھری پڑی ہے اسی وجہ سے پروردگار کا ارشاد ہے: "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ؛اور آپ بلند ترین اخلاق کے درجہ پر ہیں" (القلم/۴) نیز ارشاد ہوتا ہے: "لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ؛ مسلمانو! تم میں سے ہر ایک کے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے جو شخص بھی اللہ اور آخرت سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے" (الاحزاب/۲۱)۔

پیغمبر ختمی مرتبت کو "اسوہ" اور "نمونہ عمل" کے طور پر بغیر کسی قید و شرط کے پہچنوانا اس بات پر دلیل ہے کہ آپؐ کے تمام افعال ہر حالت میں حجت ہیں اور صدر اسلام سے آپ کی سنت کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ حدیثوں میں بھی پیغمبر کے عبادی و غیر عبادی کاموں کو "اسوہ" کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (صادقی، ج۲، ص ۷۵-۷۶، ۱۳۶۵)

شیخ طوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اسوہ وہ حالت ہے جس میں دوسرے کسی کی پیروی کرتے ہیں اور نمونہ عمل ہونا خود انسان سے مخصوص ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نیک اسوہ اور آئیڈیل کی پیروی کرے گا تو وہ بھی نیک ہو جائے گا" (طوسی، ج۸، ص ۳۲۸، ۱۴۰۹ھ) آیت میں "لکم" کی تعبیر سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ مساوی طور پر ہر ایک کے لئے اسوہ و نمونہ عمل ہیں لیکن "لِمَنْ کان" کی تعبیر اشارہ کر رہی ہے کہ اس اسوہ سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنکے اندر خاص شرائط موجود ہوں؛ یعنی ایسا نہیں ہے کہ سب عمومی طور پر اس اسوہ سے فائدہ اٹھا پائیں گے بلکہ کچھ مخصوص افراد ہی اس سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سے "لِمَن کانَ یَرجوا اللہ" کی تعبیر اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ غیر مومن افراد پیغمبر اکرمؐ کے نمونہ عمل ہونے سے

فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے اور "و لَقَد کانَ لَکُم" کی تعبیر دلالت کررہی ہے کہ ہر زمانہ میں ختمی مرتبت کی سیرت مومنین کے لئے اسوہ و قابل عمل ہے؛ اسکے یہ معنی ہوئے کہ پیغمبر کی پیروی وہ شرعی فریضہ ہے جسکا وجوب ہر زمانہ میں مومنین پر ثابت ہے۔ (طباطبائی، ج۱۶، ص ۴۳۲، ۱۳۷۴)

۲/۴۔ عظمت وبزرگی سے لبریز خطاب ہونا

مفسروں کے درمیان اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ صفت پیغمبر ختمی مرتبت سے مخصوص ہے یا نہیں۔ بعض کا ماننا ہے کہ خاتم الانبیاء کو مخاطب کرنے میں پروردگار نے ایک خاص ادب و احترام کا لحاظ کیا ہے جو دوسرے انبیاء کے سلسلہ میں ہمیں دیکھنے کو نہیں ملتا ہے۔ گذشتہ انبیاء کو مخاطب کرنا تھا تو انکا نام لے کر خطاب کیا گیا لیکن قرآن مجید میں کہیں بھی پیغمبر اکرمؐ کو "یا محمد" کہہ کر نہیں پکارا گیا بلکہ ہمیشہ آپؐ کو ایسی تعبیروں جیسے "یا ایّها الرّسول"، "یا ایّها النّبی" سے خطاب کیا گیا جس سے آپ کی عظمت وبزرگی کا پتہ چلتا ہے اور اگر "یا ایها المزمل" یا "یا ایّها المدّثر" کی تعبیر استعمال ہوئی ہے تو ایک خاص تاریخی نکتہ کی جانب اشارہ کرنا منظور تھا؛ مثال کے طور پر ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ملتا ہے: "وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔۔۔" (البقرہ/۳۵) آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے لئے ملتا ہے: "قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ۔۔۔" (ھود/۴۶) جناب موسی کے لئے ارشاد ہوتا ہے: "۔۔۔ يَا مُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ" (القصص/۳۱) حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے ملتا ہے: "وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ۔۔۔" (المائدہ/۱۱۶) اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے ملتا ہے: "يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔۔۔" (سورہ ص/۲۶) لیکن رسول اکرمؐ کے سلسلہ میں پروردگار نے جو باعظمت تعبیریں استعمال کی ہیں ان کے علاوہ بندوں کو بھی بتایا گیا ہے کہ: "لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ۔۔۔" "اے مومنین جس طرح سے تم ایک دوسرے کو (بغیر کسی ادب واحترام کے) پکارتے ہو رسول کو نہ پکارو" (النور/۶۳)۔ جب بھی پیغمبر کو آواز دینا چاہو تو کسی عام انسان کی طرح انھیں آواز مت دو بلکہ پکارنے کا انداز بھی مؤدبانہ ہو اور جو الفاظ استعمال کررہے ہو وہ بھی عظمت وبزرگی کو اجاگر کرے۔ (جوادی آملی، ج۸، ص۵۷۔۵۸، ۱۳۸۵)۔ اس کے مقابلے میں کچھ مفسریں کا ماننا ہے کہ "دعائے رسول" سے مراد

آپ کو مخاطب قرار دینا یا آواز دینا نہیں ہے کہ لوگ عام انسانوں کی طرح انھیں نہ پکاریں بلکہ آپ کا نام مبارک ادب و احترام سے لیں مثال کے طور پر "یا محمد" یا "یا ابن عبد اللہ" نہ کہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر جب لوگوں کو کسی کام کو انجام دینے یا کسی عمل کی طرف بلائیں تو پیغمبر کی دعوت کے ساتھ عام انسانوں کی دعوت جیسا برتاؤ نہ کرو۔ اور ذیل کی آیت بھی اسی معنی کی تصدیق کررہی ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے: "۔۔۔قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ؛ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے خاموشی سے کھسک جاتے ہیں لہٰذا جو لوگ حکم خدا کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس امر سے ڈریں کہ ان تک کوئی فتنہ پہنچ جائے یا کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے" (النور/۶۳)۔ نیز بعد کی آیتوں میں بھی پیغمبر کے حکم کی مخالفت کا کیا نقصان ہو سکتا ہے اسے بتایا گیا ہے۔ (طباطبائی، ج۱۵، ص ۲۳۱، ۱۳۷۴)۔

بعض دوسرے محققین کے مطابق، آیت کا مضمون زندگی کے تمام شعبوں میں ایک عمومی حکم اور رسول خداؐ کی سنت کی حجیت پر محکم سند اور دستاویز ہے۔ اس نظریہ کے مطابق تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہر حال میں پیغمبر کے اوامر و نواہی کی اطاعت کریں۔ (مکارم شیرازی، ج۲۳، ص ۵۰۸، ۱۳۷۴)

مرحوم طبرسی کے نزدیک اس آیت میں "دعا" کے معنی آواز دینے کے نہیں ہیں بلکہ پیغمبر کا امر و نہی ہے۔ (طبرسی، ج۱۷، ص ۱۷۸، ۱۳۶۰)۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر خدا نے صراحت کے ساتھ پیغمبر کا نام لیا ہے (آل عمران/۱۴۴؛ الاحزاب/۴۰؛ محمد/۲ ؛ الفتح/۲۹)۔ ان آیات میں پیغمبر کا نام ذکر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان آیتوں میں آپ کی رسالت کا تذکرہ ہے۔ (مجلسی، ج۱۶، ص ۴۰۰، ۱۳۷۲)

۲/۵۔ مومنین پر بعثت کا احسان ہونا

اگرچہ تمام انبیاء کی بعثت بشریت پر ایک احسان ہے لیکن صرف پیغمبر ختمی مرتبت کی بعثت کو پروردگار نے مومنین پر احسان کے طور پر بتایا ہے، ارشاد ہوتا ہے: "لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۔۔۔ یقیناً خدا نے صاحبانِ ایمان پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے" (آل عمران/۱۶۴)۔ منت ایسی وزنی و عظیم نعمت کو کہتے ہیں جسے تحمل کرنا انسان کیلئے آسان نہ ہو۔

صرف مومن انسان ہی نعمت نبوت اور پیغمبرؐ کی اطاعت جیسی طاقت فرسا ذمہ داری سے سرخرو ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اگرچہ عالمی پیغمبر ہیں لیکن اسکے باوجود آیت میں صرف مومنین پر احسان بتایا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ مومنین کے علاوہ دوسروں میں اس احسان و نعمت کو قبول کرنے کی صلاحیت اور ظرفیت نہیں ہے۔ "۔۔۔وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" (سبا/۲۸) اور پروردگار نے صرف مومنین پر احسان کیا ہے کہ انہی کے درمیان سے رسول کو مبعوث کیا۔ (جوادی آملی، ج۸، ص ۵۹۔۶۰، ۱۳۸۵)

نتیجہ

قرآن کریم کی آیات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ تمام انبیائے الٰہی اگرچہ منصب نبوت اور عالم وحی سے متصل ہونے کے لحاظ سے مساوی ہیں لیکن فضیلت و برتری اور دیگر معیارات کی وجہ سے ہر گز ایک رتبہ اور مقام پر فائز نہیں ہیں۔ بعض الٰہی رہنما اور رسول کچھ ایسے صفات و کمالات کے مالک ہیں کہ دوسرے اس میں شریک نہیں ہیں۔ تمام انبیاء میں پیغمبر ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰؐ کچھ ایسے صفات واحکام سے متصف ہیں کہ جو صرف آپ ہی کی ذات سے مخصوص ہے۔ ان میں سے بعض اوصاف و خصوصیت یہ ہیں: خاتم الانبیاء ہونا، خدا کے مطلق بندے ہونا، ہر زمانہ میں کامل ترین فرد ہونا، درجہ اور مقام کے اعتبار سے پہلے مسلمان ہونا، پروردگار کے خصوصی انعام واکرام سے بہرہ مند ہونا، ایک وقت میں متعدد شادیوں کا آپ کے لئے حلال ہونا اور عہدین یعنی توریت و انجیل خاص کر قرآن مجید میں آپ کا نام مبارک مکتوب ہونا، یہ تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ دوسرے انبیائے الٰہی میں یہ صفات نہیں پائے جاتے تھے۔ تو پھر یہیں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ حقیقی معنی میں انسان کامل اور اشرف مخلوق آپ ہی کی ذات بابرکت ہے جو ہر زمانہ میں ہر انسان کے لئے کمالات کو حاصل کرنے میں نمونہ عمل کے طور پر موجود ہے اور یہ وہی احسان ہے جو پروردگار نے مومنین پر کیا اور ایسی بابرکت ہستی کو بھیج کر انسانوں کی ہدایت کا سامان فراہم کیا۔ دوسری طرف آپ کی ذات گرامی خدائے رحمان کی وہی رحمت واسعہ ہے جسے پروردگار نے دونوں عالم کے لئے قرار دیا ہے تاکہ ہر تشنہ ہدایت اس چشمہ رحمت سے سیراب ہو سکے۔

منابع

۱۔ مستقل یا متفرق طور پر اس موضوع کے تحت جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ اس طرح ہیں : ''تفسیر موضوعی قرآن'' ، مولف: استاد جوادی آملی؛ اس کتاب میں پیغمبرؐ کے بعض صفات کو انبیاء کے درمیان مشترکہ اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے آیت اللہ مکارم شیرازی کی ''پیغام قرآن'' اور آیت اللہ جعفر سبحانی کی ''منشور جاوید'' کہ جس میں بہت ہی اختصار کے ساتھ اس موضوع پر تحقیق کی گئی ہے۔

۲۔ ''حدیث منزلت'' فریقین نے جسے نبی اکرمؐ سے متواتر حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔ حدیث منزلت میں پیغمبر اکرمؐ حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: '' اَمَا تَرضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّی بِمَنزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰی اِلَّا اِنَّه لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ: کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اسکے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا'' (مجلسی، ج ۳۷، ص ۲۵۴، ۱۳۷۳)۔

کتاب کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے ''إنَّ اللهَ خَتَمَ بِنَبِیِّکُم النَّبِیِّینَ فَلا نبیَ بعدَہ أَبَدَا، وَخَتَمَ بِکِتَابکُم الکُتُبَ فَلا کتابَ بَعدہ أبدا'' پروردگار نے تمہارے نبی کے ذریعہ سلسلہ انبیاء کو منقطع کر دیا ہے لہٰذا اب اسکے بعد کوئی بھی پیغمبر نہیں آئے گا اور تمہاری آسمانی کتاب کے ذریعہ آسمانی کتابوں کا سلسلہ منقطع کر دیا لہٰذا اب (قرآن مجید) کے بعد کوئی بھی کتاب نازل نہیں ہوگی۔ (کلینی، ج ۱، ص ۲۶۹، ۱۴۰۷ھ)۔ ایک اور مشہور حدیث میں پیغمبر سے یوں منقول ہے:

''حلاَلُ مُحَمَّدٍ حلاَلٌ أَبَداً إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَحَرَامُهُ حَرَامٌ أَبَداً إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ لاَیَکُونُ غَیْرُهُ وَلاَیَجِیءُ غَیْرُهُ'' (گذشتہ حوالہ، ۵۸)

نہج البلاغہ کے بہت سے خطبوں میں پیغمبرؐ کے "خاتم الانبیاء" ہونے کے سلسلہ میں اشارہ ملتا ہے۔ منجملہ آنحضرتؐ کی توصیف میں امام علیؑ فرماتے ہیں: "اَمینُ وَحیہ و خَاتَم رُسُلِہ وَبَشیرُ رَحمتِہ و نَذیرُ نِقمَتِہ؛ پیغمبر اسلامؐ وحی خدا کے امین، خاتم الانبیاء، خدا کی رحمت کی بشارت دینے والے اور اسکے عذاب سے ڈرانے والے ہیں" (نہج البلاغہ/خطبہ ۱۷۳)۔ایک دوسرے خطبہ میں اسی موضوع کے سلسلہ میں ملتا ہے: "اَرسَلَہ عَلیٰ حِینِ فَتْرۃٍ مِن الرُّسلِ وَ تَنَازُعٍ مِن الْاَلسُنِ فَقَفّٰی بہ الرُّسُلَ وَ خَتَمَ بِہ الوَحیَ" پروردگار نے پیغمبر ﷺ کو ایک طولانی مدت کے بعد بھیجا جب کوئی نبی نہیں تھا جب مختلف مذاہب کے پیروکار آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اختلافات کا شکار تھے لہٰذا انھیں رسولوں کے بعد بھیجا اور آپ کو بھیج کر نزول وحی کا سلسلہ منقطع کر دیا" (گذشتہ حوالہ/خطبہ ۱۳۳)۔اگرچہ بہت سی آیتیں اور روایتیں دین وآئین پیغمبرؐ کے عالمی و ہمیشگی ہونے کو بیان کرتی ہیں لیکن سورہ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ پیغمبرؐ کے خاتم الانبیاء ہونے پر روشن و واضح دلیل ہے؛ چونکہ یہ واحد ایسی آیت ہے جس میں پیغمبرؐ کے نام اور انکی رسالت کو دو الگ الگ عنوان سے بیان کیا گیا ہے: "محمد"، "رسول اللہ"، "خاتم النبیین"۔

۳۔ مندرجہ ذیل آیتیں بھی پیغمبر ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کی جانب اشارہ کر رہی ہیں: "تَبَارَكَ الَّذِی نَزَّلَ الْفُرقَانَ عَلیٰ عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالِمِینَ نَذِیراً (الفرقان/۱)" ترجمہ: بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ سارے عالمین کے لئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بن جائے۔ اور "قُل یا ایھا النّاسُ انّی رسولُ اللہِ اِلَیکُم جمیعا الذی۔۔۔ (الاعراف/۱۵۸) ترجمہ: اے رسول کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول اور نمائندہ ہوں۔۔۔

۴۔ "آدَمُ وَمِنْ دُوْنِہ تَحتَ لِوائی یَومَ الْقِیَامَۃ:" آدم اور ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء قیامت کے دن میرے پرچم کے سایہ میں جمع ہونگے" (مجلسی، ج۳۹، ص ۲۱۳، ۱۳۷۲)

حوالہ جات

قرآن کریم، مترجم آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

ابن بابویہ (صدوق)، محمد بن علی، (۱۳۷۶)، الامالی، مترجم: محمد باقر کمرہ ای، تہران، کتابچی

ابن حنبل، احمد، (۱۳۷۵)، مسند بن حنبل، تحقیق محمد شاکر، قاہرہ، نشر حلبی

جوادی آملی، عبداللہ، (۱۳۸۸)، تفسیر تسنیم، تحقیق و تنظیم حسین اشرفی اور دیگر محققین، قم، انتشارات اسراء

ـــ (۱۳۸۵) تفسیر موضوعی قرآن کریم، قم، مرکز نشر اسراء

حجتی، محمد باقر، (۱۳۶۹) پژوہشی در تاریخ قرآن کریم، تہران، مؤسسۂ انتشارات امیر کبیر

رازی، ابوالفتوح، (۱۳۸۵)، روض الجنان و روح البیان، تہران، بی تا

رامیار، محمود، (۱۳۸۶)، تاریخ قرآن، تہران، نشر فرہنگ اسلامی

سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، (۱۳۶۰)، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ، بی تا

ـــ (۱۴۰۴ھ) الدر المنثور فی تفسیر الماثور، قم، کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی

شریف الرضی، محمد بن حسین، (۱۳۸۹)، نہج البلاغہ، ترجمہ محمد دشتی، قم، انتشارات دیوان

صادقی، محمد، (۱۳۶۵)، تفسیر فرقان، تہران، انتشارات فرہنگ اسلامی

طباطبائی، محمد حسین، (۱۳۷۴)، المیزان فی تفسیر القرآن، ترجمہ: سید محمد باقر موسوی ہمدانی، قم، دفتر انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم سے وابستہ

ـــ (۱۴۰۳ھ) المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات

طبرسی، فضل بن حسن، (۱۳۶۰)، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ترجمہ مترجمان، تہران، انتشارات فراہانی

طوسی، محمد بن حسن، (۱۴۰۹ھ)، التبیان، تحقیق احمد حبیب قصیر الماملی، بی جا، مکتب الاعلام الاسلامی

قرائتی، محسن، (۱۳۸۳)، تفسیر نور، تہران، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن

کاشانی، محمد حسن فیض، (۱۳۸۷)، تفسیر صافی، ترجمہ: فضلاء کا ایک گروہ، استاد عقیقی بخشایشی کی زیر نگرانی، قم، دفتر نشر نوید اسلامی

کلینی، محمد بن یعقوب، (۱۴۰۷ھ)، الکافی، تصحیح علی اکبر غفاری و محمد آخوندی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

مجلسی، محمد باقر، (۱۳۷۲)، بحار الانوار، تحقیق سید جواد علوی و مرتضی آخوندی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

مکارم شیرازی، ناصر اور دوسرے محققین، (۱۳۷۴) ، تفسیر نمونہ، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

ہیثمی، نور الدین، (۱۳۵۲)، مجمع الزوائد، بی جا، بی نا

پیغمبرؐ کی اخلاقی سیرت پر ایک نظر

مؤلفین: عسکر آرمون اور حجۃ الاسلام عبداللہ اسدی

مترجم: مولانا ظہیر عباس

خلاصہ

انسان کو اخلاق اور تربیت کے بالاترین مقامات حاصل کرنے کے لئے ایک معیاری سرمشق کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم اور دین کے پیشواؤں اور ائمہ معصومینؑ کی روایات کے مطابق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مناسب اسوہ، ''رسول گرامی'' کی ذات ہے۔ یقیناً آپ کی پیروی اس دنیاوی زندگی میں حیات طیبہ اور اخروی زندگی میں سعادت تک پہونچاتی ہے۔

اس لحاظ سے، دنیا اور آخرت میں امنیت اور اطمینان کی منزلوں تک پہونچنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ کی اخلاقی اور تربیتی سیرت اور آداب کا جائزہ لینا اور آنحضرت کو نمونہ قرار دینا لازم اور ضروری ہے۔

زیر مطالعہ مقالہ ''پیغمبر اکرمؐ کی انھیں تربیتی اور اخلاقی خصوصیات پر مشتمل ہے اس تحریر کا مقصد ہی، رسول اعظم (ص) کے اخلاق وآداب، ان کی عملی سیرت، کلمات اور بیانات سے آشنا ہونا ہے۔

مقدمہ

انسان اس وقت اشرف مخلوقات کہے جانے کے لائق ہے جب انسانی اخلاق اور تربیت کا مالک ہو، ورنہ وہ ایک ایسا خطرناک مخلوق ہے جو اپنی ذہانت سے استفادہ کرکے پرسکون اور آباد دنیا کو برباد اور جلا کر راکھ کر سکتا ہے اور اپنے ہدف تک پہونچنے اور دنیاوی فائدوں کو حاصل کرنے کے لئے وہ جنگ اور فتنہ برپا کر سکتا ہے، دوسرے انسانوں کا بے رحمی سے استحصال کر سکتا ہے، مظلوم انسانوں کے گھروں اور ان کی پناہ گاہوں کو غصب کر سکتا ہے اور بے گناہوں کا خون بہا سکتا ہے۔

مہذب رویہ اور درست سماجی آداب، انسانی اخلاق کا حصہ ہیں؛ انبیاء اور معصومین علیہم السلام نے اس سلسلہ میں تاکید کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی طرز زندگی پر غور و فکر کرکے اسلامی معاشرے کے لئے اخلاقی اعمال اور افعال کا معیار طے کیا جاسکتا ہے۔

اسلام کی نظر میں، انسان ایک اجتماعی اور تربیت پذیر مخلوق ہے جس کا اخلاقی رشد اور کمال معاشرے کے درمیان ہی انجام پاتا ہے، اسی لئے اسلام نے انسانی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے اخلاقی نصیحتوں کے ساتھ ساتھ تربیت کا مخصوص انداز بھی پیش کیا ہے۔

خداوند عالم نے انسان کو ایسا بنایا ہے جو فطری طور پر کمال اور انسانی اور اخلاقی فضیلت کا طالب ہوتا ہے۔ انسان کا دل باکمال افراد اور معنوی اور حقیقی خوبیوں سے آراستہ افراد کی تلاش میں رہتا ہے اور بے ساختہ ان کی تعریف بھی کرتا ہے۔ اللہ کے رسولوں کی کامیابی کا راز، پاک اور آمادہ دلوں کو جذب کرنے میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اولیائے خدا اپنے دور کے جامع فضائل و مناقب اور شائستہ ترین افراد میں سے تھے حقیقت کے متلاشی اور سعادت کے خواہشمند افراد جو بیدار ضمیر اور متحرک عقل کے مالک ہیں، اپنے مذہب اور عقیدے کو ملحوظ خاطر رکھے بغیر اولیائے الٰہی کی زندگی اور ان کے سیرت و کردار کا مطالعہ کرتے ہیں اور جان و دل سے ان پر شیفتہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے معاملات میں ان کی سیرت اور ان کے اخلاق کا مطالعہ، مشتاق دلوں کو حق اور حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

یقین سے کہا جاسکتا ہے تربیت کے باب میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی تعلیمات جو ولادت سے لیکر موت تک انسان کی پوری زندگی پر مشتمل ہے، معاشرے کی اصلاح اور اسلامی مدینہ فاضلہ کا روشن راستہ ہے۔

اصطلاحات کی تعریف

سیرت: لغت کی کتابوں میں سیرت کے متعدد معنی بیان ہوئے ہیں۔ راغب اصفہانی کے مطابق سیرت، انسان اور غیر انسان کی حالت کا نام ہے، چاہے وہ حالت جبلی (فطری) ہو یا اکتسابی۔[1] مجمع البحرین میں

۱۔ راغب اصفہانی، ص ۲۴۷، ۱۴۱۴ ھ

بھی ''سیرت'' کا معنی طور و طریقہ اور حالت بیان ہوا ہے۔[۱]

شہید مطہری کی نظر میں، سیرت، اس روش، اندازِ عمل اور کردار کا نام ہے جس میں تکرار اور استمرار پایا جائے، اس طرح کہ ایک مدت کے بعد وہی روش، کردار کا قاعدہ اور قانون بن جائے۔[۲]

اس مطالعہ میں عملی سیرت سے مراد، حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انفرادی، گھریلو اور سماجی طرز زندگی ہے اور نظری سیرت سے مراد، تربیت اور اخلاق کی روش کے بارے میں آنحضرت کے نظریات کا جائزہ لینا ہے جو آپؐ سے منقول حدیثوں اور معتبر روایات میں بیان ہوئے ہیں۔

تربیت: انسان کی حقیقت ایک ایسا موضوع ہے جس میں مختلف مذاہب کے مفکرین اور نظریہ پردازوں کے نظریات کے اختلاف کی وجہ سے اس کی تعریف، اس کی غرض اور اس کی حقیقت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

''تربیت'' کی اصل ''رب'' سے مشتق ہے اور لغوی لحاظ سے نشو و نما پانا، کمال کی طرف بڑھنا، اضافہ ہونا اور مرغوب یا قیمتی بنانا، کے معنی میں ہے۔

شہید مطہری کے نظریہ کے مطابق کسی چیز کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کی پرورش کرنا اور اس کو نکھارنا، تربیت ہے۔[۳]

اخلاق: اخلاق کی اصل خُلُق اور خَلُق ہے جس کے معنی مزاج، طبیعت اور فطرت کے ہیں۔ مشہور و معروف ڈکشنری ''لسان العرب'' میں ہے کہ ''خُلق'' اور ''خَلق'' کی اصل ایک ہے؛ دونوں کے معنی پیدا کرنے اور خلقت کے ہیں، جیسے ''شَرب'' اور ''شُرب'' (پینا)۔ یعنی خُلق اور خَلق میں تلفظ کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے معنی کے لحاظ سے نہیں۔ لیکن عام طور پر دونوں کو الگ الگ مقامات پر استعمال کیا جاتا ہے؛ اصل میں ''خُلق'' اور ''خُلُق'' سے مراد، شخص کی باطنی اور ناپائیدار شکل ہے جو بصیرت (دل کی آنکھ) سے نظر آتی ہے؛ اس کے مقابل ''خَلق''

۱۔ طریحی نجفی، ص۱۰۵، ج۳، ۱۳۹۶ھ

۲۔ شہید مطہری، ص۷۲، ج۱۶، ۱۳۷۵

۳۔ مطہری، ص۲۱، ۱۳۷۵

انسان کی ظاہری شکل کو کہا جاتا ہے جس کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔[۱]

بعض مفکرین کی نظر میں، اخلاق سے مراد ہر طرح کی "نفسانی صفت" جس کے باعث پسندیدہ یا ناپسندیدہ کام وجود میں آتے ہیں؛ چاہے وہ باطنی نفسانی صورت استوار اور پائیدار ہو یا ناپائیدار اور چاہے غور وفکر کے ساتھ انجام پائے یا بغیر غور و فکر کے۔

شہید مطہری کی نظر میں اخلاق کی وہ تعریف مقبول ہے جس میں زندگی بسر کرنے کی کیفیت اور اوصاف و خصوصیات کے بارے میں گفتگو کی گئی ہو؛ زندگی بسر کرنے کی کیفیت کا تعلق انسان کے اعمال اور گفتار سے ہوتا ہے لیکن اوصاف اور خصوصیات کا تعلق اس کے نفس کی صلاحیت سے ہوتا ہے۔[۲]

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اخلاق ان مفاہیم اور اقدار کا حامل ہوتا ہے جو فرد اور معاشرے سے باہر وجود میں آتے ہیں، اجتماع سے ماوراء، خارجی وجود رکھتے ہیں۔

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لائق ترین نمونۂ عمل

پیغمبر اعظمؐ "خُلق عظیم" اور "رحمۃللعالمین" ہونے کی وجہ سے ہر زمانے میں تمام انسانوں کے لئے، اخلاقی خوبیوں کا نمونہ اور سر مشق رہے ہیں۔ بشریت کے لئے بہترین، کامل ترین عبارت اور حقیقی سر مشق، سب کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ اخلاق اور کریمانہ کردار کا حامل ہونے کی وجہ سے ہی آپ نے ۲۳سال کی مدت میں لاتعداد گمراہ دلوں کو مذہب اسلام کا عاشق بنا دیا۔

پیغمبر اکرمؐ کی عظمت کے بیان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خداوند عالم نے آنحضرت کی تکریم اور تجلیل کے لئے قرآن میں "یا ایھا الرسول[۳]" اور "یا ایھا النبی[۴]" جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔

اسی طرح پیغمبر اسلام (ص) کی عظمت اور بزرگی کی حد، اس درجہ تھی کہ خدا نے آپ کی زندگی کی قسم

۱۔ ابن منظور، ص ۱۹۴، ج ۴، ۱۴۱۶ھ

۲۔ مطہری، ص ۲۲، ۷۸، ۱۳

۳۔ سورہ قلم، آیت نمبر ۴

۴۔ سورہ انبیاء، آیت نمبر ۱۰۷

کھائی ہے: ''لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ[۱]'' (اے رسول) آپ کی زندگی کی قسم! یقیناً وہ بدمستی میں مدہوش ہیں۔

اس کے علاوہ، قرآن کریم نے حضرت رسول گرامیؐ کو اسوہ حسنہ قرار دیتے ہوئے تاکید کی ہے کہ سب کو آپ کی پیروی کرنا چاہیئے ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[۲]'' بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح خداوند عالم نے اس رسول گرامی کے لئے فرمایا ہے: ''وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[۳]'' اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں، خدا نے مؤمنوں کو امر کیا ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے احکام کی تعمیل کریں اور آپ کے فرامین کی اطاعت کریں اور جن چیزوں سے روکا ہے انھیں ترک کر دیں: '' وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا[۴]'' دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ''وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ[۵]'' اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

سعد بن ہشام[۶] بیان کرتے ہیں: '' میں نے حضرت رسول اکرمؐ کی زوجہ، عائشہ سے پیغمبر خداؐ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے اس کے بارے میں کہا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ تو انھوں نے کہا: '' قرآن ہی پیغمبرؐ کا اخلاق ہے۔''[۷]

مذکورہ بالا روایت نے نبی اکرمؐ کے اخلاق کو قرآن سے تشبیہ دی ہے، یعنی اگر کوئی قرآن کا حقیقی اور عملی نمونہ دیکھنا چاہتا ہے تو اسے حضرت کے اخلاق کا جائزہ لینا چاہیئے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ قرآن میں حضرت کا اخلاق، بصیرت اور کردار کس طرح نمایاں ہے۔

۱۔ سورہ حجر، آیت نمبر ۷۲
۲۔ سورہ احزاب، آیت نمبر ۲۱
۳۔ سورہ قلم، آیت نمبر ۴
۴۔ سورہ حشر، آیت نمبر ۷
۵۔ آل عمران، آیت نمبر ۱۳۲
۶۔ سعد بن ہشام دور اول کے مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں۔
۷۔ فیض کاشانی، ص ۲۱، ج ۴، ۱۳۷۸

اسی طرح حضرت علیؑ نے پیغمبر خداؐ کو لائق پیروی بتایا ہے اور آپ کی سیرت کو سب کے لئے کافی جانا ہے، لہٰذا فرمایا: نبی خدا کا طور و طریقہ، تمہارے آئیڈیل کے لئے کافی ہے اور دنیا کی کمی و کاستی اور اس کی بدی و رسوائی سے حفاظت کے طور پر تمہارے لئے بہترین رہنما ہیں۔ لہٰذا طیب و طاہر پیغمبر سے وابستہ ہو جاؤ کیونکہ ان کا طور طریقہ، عظمت و بزرگی کے متلاشی کے لئے زبردست سرمایہ ہے۔ خدا کے نزدیک سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس کے پیغمبر کی پیروی کرے اور آپ کے نشانِ قدم پر اپنا قدم رکھے۔[1]

حضرت امام صادقؑ پیغمبر اکرمؐ کو سر مشق بنانے کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اني لأكره لِلرَّجُلِ أَن يَمُوتَ وَقَد بَقِيَتْ عَلَيه خُلَّةٌ مِن خِلَالِ رَسُولِ الله (صلى الله عليه و آله) لَمْ يَأْتِهَا'' مجھے پسند نہیں ہے کہ کوئی مسلمان مر جائے اور وہ اپنی زندگی میں ایک بار بھی رسول خداؐ کی سنت پر عمل نہ کرے۔

پیغمبر اکرمؐ کی عملی سیرت اور احادیث میں تربیت

خدا کے رسولوں میں روحانی، عرفانی اور معنوی کشش، اس قدر رہی ہے کہ آج بھی جب ماہر اسلامی مفکر، ان ہستیوں کی تربیت اور اخلاق کا ایک قطرہ بھی راہ حقیقت کے تشنہ کاموں کے حلق میں ڈالتے ہیں تو وہ انھیں مدہوش کر دیتا ہے اور حق و حقیقت کے متلاشی کو انبیاء اور اولیائے الٰہی کے گرد جمع کر دیتا ہے۔

اور تو اور، انبیاء اور اولیائے الٰہی سے محبت کرنا، صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب کے درمیان بہت سے مفکرین ہیں جنہوں نے علمی اور عملی سیرت کے موضوع پر، اللہ کے رسولوں، ائمہ طاہرین (ع) اور بالخصوص پیغمبر اکرمؐ کی لاتعداد حدیثوں اور روایتوں کو جمع کیا ہے اور اس کی تشریح کرکے کتاب کی شکل میں شائع بھی کیا ہے۔

لہٰذا پیغمبر اکرمؐ کی بعض خصوصیات، آپ کی اخلاقی خوبیاں اور عملی و تربیتی سیرت کا جائزہ، چار پہلوؤں سے لیا جائے گا؛ معنوی اخلاق کی تربیت، فردی اخلاق کی تربیت، معاشی اخلاق کی تربیت اور اجتماعی اخلاق کی تربیت۔

۱۔ دشتی، خطبہ ۱۶۰، ۱۳۸۲

الف) معنوی اخلاق کی تربیت

تربیت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں؛ معنوی، احساساتی، سماجی اور فردی و۔۔۔تربیت کا سب سے اہم پہلو معنوی تربیت ہے، تربیت کے زیادہ تر ماہرین کی نظر میں، تربیت کا یہ پہلو دوسرے پہلوؤں کی بنیاد ہے۔ یہ دیندار انسان کے طرز عمل اور کردار کا بنیادی اور اصلی جوہر ہے۔ دینی اور غیر دینی تربیت کے درمیان اصلی فرق، معنوی تربیت ہی ہے۔ معنوی تربیت کا اصلی محور "خدا" ہے اور خدا محوری کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اعمال و کردار الٰہی معیار کے مطابق ہو۔ تربیت کی اس قسم میں، انسان کی روحانی تربیت، انسان اور خدا میں ارتباط کے مواقع فراہم کرنا اور قرب الٰہی تک پہونچنے کے لئے انسان کو تیار کرنا، شامل ہے۔ انبیاء اور ائمہ اطہارؑ نے اس پہلو پر بہت زور دیا ہے اور ان ہستیوں نے زندگی کے تمام میدانوں میں، معنوی تربیت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

ایمان اور معنوی تربیت کا سب سے بڑا اثر آدمی کا نفسیاتی سکون و اطمینان ہے: "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1]" (یہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل یادِ خدا سے مطمئن ہو جاتے ہیں یاد رکھو! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کے نظریات کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ آداب اور سماجی و اخلاقی کردار کے علاوہ، موجودہ نسل اور مستقبل کے معاشرے کو معنوی اور دینی تربیت کے نکات سے آگاہ کرانا چاہیئے۔ اس طرح موجودہ نسل، اپنے کائنات کے مبداء حقیقی سے متصل ہونے کے ساتھ ساتھ، ان میں اعتماد بہ نفس اور استقلال کی طاقت اور زندگی کی لاتعداد مشکلات کے مقابل ڈٹے رہنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

معنوی اخلاق کی تربیت کے بعض پہلوؤں کے ذیل میں پیغمبر اکرمؐ کی عملی اور نظری سیرت کا جائزہ لیا جائیگا:

۱۔ خدا کی عبادت

دین اسلام میں عبادت، تربیت کی کاروائیوں کا اٹوٹ حصہ ہے۔ در حقیقت عبادت، تخلیق کا ہدف، حق سے تقرب اور حقیقی کمال تک پہونچنے کا راستہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ بشر کی سماجی اور اخلاقی تربیت کا مقدمہ بھی ہے۔

۱۔ سورہ رعد، آیت نمبر ۲۸

حقیقت میں، پروردگار کی عبادت اور بندگی خدا کی راہ پر چلنا، ایسا کام ہے کہ جس کے بغیر بشر حقیقی بلندی اور کمال تک نہیں پہونچ سکتا اور سعادت کی سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتا۔ قرآن کریم کی آیتوں کے مطابق بشر کی تخلیق اور نبیوں کی بعثت کا مقصد، خدا کی بندگی اور عبادت ہے[۱] جو بشر کے سنّ بلوغ سے لیکر، دم نکلنے سے پہلے تک جاری رہتا ہے: ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ [۲] ''اور اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے جب تک کہ موت نہ آجائے۔

انبیاء اور ائمہ اطہارؑ ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی عبادت اور مناجات سے غافل نہیں تھے، بندگی اور عبادت کی روح ان کے تمام اعمال پر غالب تھی، اس طرح کہ اس خصوصیت نے انھیں پروردگار کے احکام کے مقابل سراپا مطیع بنادیا تھا اور وہ رب کی مرضی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت رسول گرامی اسلامؐ کے انداز عبادت کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ: آنحضرت جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو خدا کے خوف سے آپ کے چہرے کا رنگ اُڑ جاتا تھا اور ان کا دل اس طرح دھڑکنے لگتا تھا جس طرح ایک خوفزدہ اور وحشت زدہ انسان کا دل دھڑکتا ہے۔ [۳]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ جب نماز پڑھتے تھے لگتا تھا جیسے کوئی کپڑا ایک گوشہ میں پڑا ہوا ہے (سابق حوالہ)۔ اسی طرح ایک روایت کے مطابق عائشہ بیان کرتی ہیں: ''رسول خداؐ سے بات کرنے کے دوران جیسے ہی نماز کا وقت ہوتا، آپ پر ایسی حالت طاری ہوتی کہ نہ آپ ہمیں پہچانتے تھے اور نہ ہم آپ کو۔ [۴]

مفید الدین طوسی نقل فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت علیؑ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری عطا کی، ان کے لئے ایک آئین نامہ ان کے لئے تحریر کیا اور اس کے ضمن میں فرمایا: ''اپنے رکوع اور سجدوں کا خیال رکھنا، کیونکہ؛ رسول خداؐ کی نماز تمام لوگوں سے کامل تر تھی لیکن اس کے باوجود سب سے آسان اور مختصر ہوتی۔'' [۵]

۱۔ سورہ ذاریات، آیت نمبر ۵۶، ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ'' میں نے جنات وانسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔
۲۔ سورہ حجر، آیت نمبر
۳۔ نوری، ص ۲۶۳، ج۱، ۱۴۰۸ھ
۴۔ سابق حوالہ، ص ۲۶۴
۵۔ صدوق، ۱۵۶، ۱۴۰۸ھ

رسول اکرمؐ کی عبادتوں کے درمیان، کوئی عبادت نماز کے برابر نہیں تھی۔ نماز آنحضرت کی محبوب ترین عبادت اور آپ کے آنکھوں کا نور تھی۔[۱]

پیغمبر اعظمؐ نے اس سلسلہ میں، ابوذرؓ سے فرمایا: ''اے ابوذر! خداوند عالم نے میری آنکھوں کا نور نماز میں قرار دیا ہے اور اسے میری نظروں میں اس قدر محبوب بنا دیا ہے جس طرح بھوکے لئے کھانا اور پیاسے کے لئے پانی ہوتا ہے؛ (بس فرق یہ ہے کہ) بھوکا کھانا کھا کر اور پیاسا پانی پی کر سیر اور سیراب ہو جاتا ہے لیکن میں نماز سے سیر نہیں ہوتا۔''[۲]

آنحضرت کی عبادت کا ایک عظیم ترین ظہور یہ تھا کہ آپ تمام حالات میں خدا کے احکام کے مقابل تسلیم رہتے تھے اور آپ کی توجہ ہمیشہ اس کی بارگاہ میں ہوتی تھی۔ جو حق کے مقابل تسلیم رہتے ہوئے اپنا رخ خدا کی جانب رکھتا ہے، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے دینداری کا بہترین اور برترین ثبوت دیا ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا: ''وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ''[۳] ''اور اس سے اچھا دیندار کون ہو سکتا ہے جو اپنا رخ خدا کی طرف رکھے اور نیک کردار بھی ہو۔

آسمانی کتابوں کے درمیان خدا کا یہ کلام صرف یہاں سے مخصوص ہے اور خدا کے مقابل تسلیم ہونے کو بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم نے پیغمبر اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ''[۴] ''کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ، عبادت کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: خَيْرُكُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَفْشَى

۱۔ حاکم حسکانی، ص ۵۰۴، ۱۴۱۱ھ
۲۔ حر عاملی، ص ۳۱۲، ج ۱۵، ۱۴۰۹ھ
۳۔ سورہ نساء، آیت نمبر ۱۲۵
۴۔ سورہ انعام، آیت نمبر ۱۶۲ و ۱۶۳

السَّلامَ وَ صَلّٰی بِاللَّیلِ وَ النّاسُ نیامٌ " تم میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور ہر ایک کو سلام کرے اور جس وقت لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھے۔[1]

۲۔ توکل بخدا

تربیت کا ایک کامیاب ذریعہ، توکل بخدا ہے۔ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ جفاکش انسان، اپنا کام خدا کے سپرد کر دے اور صرف اسی سے اپنی مشکلات کا حل چاہے؛ وہ خدا جو اس کی ضرورتوں کا علم رکھتا ہے اور اس پر شفیق و مہربان ہے وہ اس کی ہر مشکل کو حل کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ جس میں توکل کا مزاج پایا جاتا ہے وہ ہر گز ناامید نہیں ہوتا اور مشکلات کے مقابل میں کمزوری اور عاجزی کا احساس نہیں کرتا اور مشکل ترین حادثات میں ڈٹا رہتا ہے اور یہی عقیدہ و مزاج، اس کے نفس میں ایسی طاقت دیتا ہے جس سے وہ مشکلات کو شکست دے سکتا ہے۔ دوسری طرف، غیبی امداد کہ جس کی بشارت، توکل کرنے والوں کو دی گئی، اس کی مدد کے لئے بڑھتے ہیں اور اسے شکست اور ناتوانی سے بچاتے ہیں۔

تمام امور کی پایۂ تکمیل میں نبی اکرم (ص) کا اصلی توشہ، بالخصوص آپ کی رسالت کے دور میں محنت و مشقت اور سعی و کوشش کے ساتھ ساتھ "توکل" تھا۔ اسی سلسلہ میں قرآن کریم کی آواز میں آواز ملا کر فرماتے ہیں: "قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ"[2] "آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے میرا خدا کافی ہے اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ امور کی انجام دہی میں توکل بخدا کے بارے میں فرماتے ہیں: "مَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفاهُ مَؤُنَتَهُ وَرِزْقَهُ مِنْ حَيْثُ لايَحْتَسِبُ"[3] جو شخص خدا پر توکل کرے، خداوند اس کے اخراجات کے لئے کافی ہے اور اسے ایسی جگہوں سے رزق عطا کرے گا جہاں کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

اسی طرح آنحضرت فرماتے ہیں: "اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَما مِنّا [إلّا] وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَذْهَبُهُ التَّوَكُّلِ"[4] بدشگنی لینا

۱۔ صدوق، ص ۱۰۳، ج ۱، ۱۴۰۴ھ
۲۔ سورہ زمر، آیت نمبر ۳۸
۳۔ متقی ہندی، ص ۱۰۳، ۱۴۰۹ھ
۴۔ قزوینی، ص ۱۱۷، ج ۲، ۱۴۲۵ھ

شرک ہے اور ہم میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ وہ بدشگنی لینے کا شکار ہوتا ہے لیکن خداوند عالم توکل کی خاطر اس کا اثر ختم کر دیتا ہے۔

ایک روز رسول اسلامؐ نے بے کار لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا تو فرمایا: ''مَا اَنتُمْ؟'' تم لوگ کیا کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ''نحن المتوکلون'' ہم توکل کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''لا، بَل اَنتُم المُتَوکلون'' ہر گز نہیں، تم لوگ بوجھ ہو۔[1] یہ روایت بیان کرتی ہے کہ سعی و کوشش کے بغیر توکل کرنا، عبث اور فضول ہے۔ توکل، اس صورت میں قابل تحسین اور نتیجہ خیز عمل ہے جب سعی و کوشش کے ساتھ ہو۔

پیغمبر اکرمؐ غیر خدا پر توکل کے اثر کے بارے میں پروردگار کی جانب سے پیغام دیتے ہوئے بیان فرمایا: ''مَا مِنْ مخلوقٍ یَعْتَصِمُ بِمَخْلُوق دُونِي، اِلَّا قَطَعْتُ أَسْبابَ السَّماواتِ وَالأَرضِ دُونَه، فَاِن سَأَلَنِي لَمْ أُعْطِه، وَاِن دَعَانِي لَم أُجِبّه'' (طوسی، ۱۴۱۴ھ، ص۵۸۵)؛ خداوند عزوجل فرماتا ہے (یہ تو اچھا ہے کہ) کوئی مخلوق میرے علاوہ دوسرے پر اعتماد نہیں کرتی، ورنہ میں زمین وآسمان کے اسباب اس کے لئے قطع کر دیتا، پھر اگر وہ مجھ سے طلب کرتا تو میں اسے عطا نہیں کرتا اور اگر مجھے پکارتا رہتا تو میں اس کا جواب نہیں دیتا۔

ب) فردی اخلاق کی تربیت

پیغمبر اکرمؐ کی گہربار زندگی، معنویت، طہارت و پاکیزگی اور شفقت و مہربانی سے سرشار ہے۔ آنحضرت کا فردی اخلاق اور طرز زندگی، محبت و مہربانی، خوش خلقی، صداقت، علم و دانش، ایثار و بخشش اور دلیری کے اعتبار سے ایک کامل انسانی مثال ہے۔

ذیل میں حضرت پیغمبر اکرمؐ کی فردی تربیت کے آداب ملاحظہ ہوں:

ا۔ علم و دانش

انبیاء اور ہمارے پیشوا اور امام، سب بشریت کے عظیم ترین معلم تھے۔

ا۔ نوری، ص۲۱۷، ج۱۱، ۱۴۰۸ھ

قرآن اور اسلامی روایات کے مطابق، پیغمبروں کے علم و دانش کا اصلی سر چشمہ، خدا کا لامتناہی علم ہے؛ وہ علم جو فرشتۂ وحی کے ذریعہ، بیداری میں یا رویائے صادق میں یا ماسبق نبیوں کے ذریعہ ۔۔۔ پیغمبروں کو عطا ہوتا تھا۔

خداوند عالم قرآن کریم میں رسول اکرمؐ کو حکم دیتا ہے کہ وہ خدا کی بارگاہ سے اپنے علم میں وسعت طلب فرمائیں: ''وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا[۱] ''اور یہ کہتے رہیں کہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔ قرآن کریم کی دوسری آیات میں، ان لوگوں کی سرزنش کی گئی ہے جو اہلِ علم و دانش نہیں ہیں اور علم کا فقدان، بہت سی مشکلات کا سبب ہے۔[۲]

تاریخ کی یقینی دلیلوں اور قرآن کریم کی آیات کے مطابق، رسول اکرمؐ کا ضمیر، بشری علوم کی تعلیم سے پاک تھا۔ آپ ایک مکتبی انسان تو تھے لیکن الٰہی مکتب اور حق کے علاوہ دوسرے مکاتب سے کچھ سیکھا نہیں، اس کے باوجود آپ بشریت کے معلم اور دار العلوم اور یونیورسٹیوں کے بانی ہیں۔[۳]

ابن خلدون بیان کرتے ہیں: ''پیغمبر امّی تھے، لیکن امّی ہونا ان کے لئے کمال تھا، کیونکہ آپ نے اپنا علم، عالم بالا سے لیا تھا؛ ہمارے برخلاف کہ امّی ہونا ہمارے لئے عیب ہے، کیونکہ امی ہونا ہمارے لئے جاہل ہونا ہے۔[۴]

قرآن کریم کے بلند ترین معارف اور جامع اور ہمہ گیر احکام و قوانین نیز آنحضرت کی سیرت اور آپ کے ارشادات، آپ کی علمی عظمت اور دانش کی وسعت پر گواہ ہیں۔ بالیقیں آپ علم و دانش کا معدن اور دنیا کے دانشمندوں میں آپ کا نام سرِ فہرست ہے۔

حصولِ علم و دانش کے باب اور اس کی منزلت و اہمیت میں حدیثوں کی بہتات ہے۔ اس مقام پر ایک روایت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جس سے پیغمبر اکرمؐ کی نظر میں علم اور عالم کی منزلت و عظمت کا بخوبی اظہار

۱۔ سورہ طہ، آیت نمبر ۱۱۴
۲۔ سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۰؛ سورہ نحل، آیت نمبر ۹۵، سورہ عنکبوت، آیت نمبر ۱۵ وغیرہ۔۔۔
۳۔ مطہری، ص ۱۰۳ و ۱۰۴، ۱۳۷۳
۴۔ ابن خلدون، ص ۴۱۹، ۱۴۲۲ھ

ہوتا ہے۔انصار میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: اگر جنازہ کے کفن دفن میں شرکت کرنا اور ایک عالم کی علمی نشست میں شرکت کرنا، دونوں میں سے ایک کام میرے لئے ممکن ہو تو آپ کی نظر میں کون سا کام محبوب ہے، جس کو میں انجام دوں؟ حضرت نے فرمایا: "اگر جنازہ میں شرکت کرنے اور دفن و کفن کرنے والے ہوں تو اس عالم کی بزم میں حاضر ہونا زیادہ محبوب ہے چونکہ جو علوم، احادیث اور آیت الٰہی کی وہ تعلیم دیتا ہے ہزار جنازوں میں شرکت کرنے، ہزار بیماروں کی عیادت کرنے، عبادت خدا کے لئے ہزار رات قیام کرنے، ہزار روز روزہ رکھنے، ہزار دینار فقیر کو صدقہ دینے، ہزار حج کرنے اور خدا کی راہ میں ہزار بار جہاد کرنے سے افضل ہے۔ یہ چیزیں کہاں الٰہی علم کی مجلس میں حاضر ہونے کی برابری کر سکتی ہیں!؟ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ دل کی زندگی، الٰہی علم سیکھنے سے وابستہ ہے دل کی موت اور اس کی نابودی جہالت اور نادانی سے ہے!؟[1]

پیغمبر اکرمؐ دینی اور الٰہی علوم کے طلب گاروں کی توصیف اس طرح فرماتے ہیں: "دین کے مسائل اور احکام کا عالم، نادان لوگوں کے درمیان، ایسا ہی ہے جیسے مُردوں کے درمیان زندہ اور ہر چیز حتی دریاؤں کی مچھلیاں، ڈسنے اور چیر پھاڑ کھانے والے حیوانات، سب الٰہی علوم کے طلب گاروں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، لہٰذا دین کا علم حاصل کرو کیونکہ یہی علم تمہارے اور خدائے عزوجل کے درمیان رابطہ ہے، یقینا دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔"[2]

آنحضرت نے قیامت کے دن دو گروہوں کو حسرت انگیز بتایا ہے: "قیامت کے روز دو لوگ سب سے زیادہ افسوس کریں گے: ایک وہ شخص جس کے پاس دنیا میں وقت تھا لیکن آرام پسندی کی وجہ سے تلاش علم میں نہ جائے؛ دوسرا وہ شخص جو دین کی تعلیم دے اور لوگ اس پر عمل کرکے جنت میں چلے جائیں لیکن وہ خود اس علم پر عمل نہ کرے، وہ جہنم میں جانے کے لائق ہے۔[3]

اسی طرح آنحضرت مؤمن کے علم کی قدر و قیمت بہت خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں: "

۱۔ فتال نیشابوری، ص۱۴۲۰،۱۲۱ھ

۲۔ مفید، ص۴۱، ۱۴۰۳ھ

۳۔ پائندہ، ص۶۰، ۱۳۷۵

مرنے والے مؤمن کے ورثہ میں اگر ایک ورق کاغذ بچا ہو جس پر اس نے علم محفوظ کیا ہو، تو وہ قیامت کے دن اس کے اور آتش جہنم کے درمیان حائل بن جائے گا اور خداوند عالم اس ورق پر لکھے ہوئے ہر حرف کے عوض میں جنت میں ایک شہر عطا کرے گا جو کہ دنیا سے سات گنا بڑا ہوگا۔[1]

۲۔ مہربانی اور محبت

انسان کی تمام ضرورتوں کے درمیان ''جذبات کی ضرورت'' سب سے زیادہ اہم ضرورت، شمار ہوتی ہے۔ محبت کے بغیر زندہ تو رہا جا سکتا ہے؛ لیکن زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ دین اسلام نے محبت، خوش خلقی اور مؤمنین کے ساتھ نیک برتاؤ کو بہت اہمیت دی ہے اور انھیں اخلاق کی بلند ترین اقدار جانا ہے۔

کمسنی میں اس جذباتی ضرورت کا پورا کرنا، زیادہ ضروری ہے۔ بچے دوسروں کی توجہ اور محبت کی نسبت زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ اسی لئے ''روایات اور معصومین (ع) کی سیرت میں بچوں سے محبت کرنے پر بہت تاکید پائی جاتی ہے''۔ (حر عاملی، ج۱۵، ص۲۰۱، ۱۴۰۹ھ)

خدا کے بندوں سے محبت اور مہربانی کا اظہار کرنا، پیغمبر اکرمؐ کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی عملی اور انفرادی و سماجی زندگی، مہر و محبت اور شفقت و مہربانی سے پُر ہے۔ آنحضرت تمام لوگوں حتی بچوں کی نسبت دلسوز اور مہربان تھے۔

خداوند عالم نے سورۂ کی آیت نمبر ۱۲۸ میں، مؤمنوں کی نسبت پیغمبر اکرم (ص) کی مہربانی کو اس طرح بیان کیا ہے: ''عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ'' اس پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مومنین کے حال پر شفیق اور مہربان ہے۔

اس کے مقابل دوسری آیت میں، کافروں کے لئے آنحضرت کی سنجیدگی اور کرختگی کا تذکرہ کیا گیا ہے: ''مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ''[2] ''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں۔

۱۔ صدوق، ص۳۷، ۱۴۰۸ھ
۲۔ سورہ فتح، آیت نمبر ۲۹

اگرچہ، ہر جگہ اور ہر زمانے کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے خوش خلقی کی نصیحت کی ہے، لیکن گھر کے اندر، افراد خانوادہ (فیملی) کے ساتھ خوش رفتاری سے پیش آنے پر خصوصی توجہ دلائی ہے، اس طرح کہ نیک لوگوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی خانوادے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ہے۔ آنحضرت نے ایک روایت میں فرمایا: "ایمان کے اعتبار سے بہترین آدمی وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو اور جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور تمام لوگوں کے درمیان اپنے خانوادے کے لئے سب سے زیادہ مہربان ہو۔[1]

ایک دوسری روایت میں، آنحضرت کی ایک زوجہ کے حوالہ سے منقول ہے: پیغمبرؐ سے زیادہ خوش اخلاق کوئی نہیں تھا۔ صحابہ اور آپ کے خانوادے میں سے جب کوئی آپ کو پکارتا تھا تو آپ اس کا جواب ضرور دیتے۔[2]

آج تربیت کے اصولوں میں اہم ترین نکتہ جس پر تربیت کرنے والے خصوصی توجہ دیتے ہیں، وہ لوگوں، خاص طور سے بچوں اور بیوی سے بات کرنے کا انداز ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ شرم کی وجہ سے یا اس لئے ان کے گھر والے زیادہ سر نہ چڑھ جائیں، دوسرے الفاظ میں گفتگو کریں، جب کہ پیغمبرؐ کی سیرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل و عیال سے گفتگو کرتے وقت بہترین الفاظ استعمال کرنا چاہیئے۔ ایک دوسری جگہ، اہل و عیال کی نسبت، پیغمبرؐ کی سیرت کے بارے میں وارد ہوا ہے: پیغمبرؐ جب اپنے اہل و عیال کے درمیان ہوتے تو سب سے زیادہ شوخ مزاج ہوتے تھے۔[3]

رسول اکرمؐ کی سیرت میں ایک اور بات جس کو بار بار نقل کیا گیا ہے، بچوں کا احترام کرنا ہے۔ ایک روایت میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ پیغمبر خداؐ جب بچوں کے نزدیک سے گزرتے تھے تو انھیں سلام کرتے تھے۔[4] ہو سکتا ہے بعض لوگ یہ تصور کریں کہ چونکہ بچے چھوٹے ہوتے ہیں لہٰذا ہمیشہ انھیں چاہئے کہ بڑوں کو سلام کریں، جب کہ انھیں سماجی آداب سکھانے کی ذمہ داری بڑوں پر ہوتی ہے۔

۱۔ مجلسی، ص۳۸۷، ج۶۸، ۱۴۰۳ھ

۲۔ اصبہانی، ص۱۳۷، ج۱، ۱۹۹۸ء

۳۔ مناوی، ص۱۸۰، ج۵، ۱۴۰۵ھ

۴۔ بخاری، ص۲۳۰۶، ج۵، ۱۴۰۷ھ

پیغمبر اکرمؐ اپنی عظمت و بزرگی کے باعث، بچوں کے ساتھ خوش خلقی حتی بہت سے موارد پر ان سے مذاق بھی فرماتے تھے۔ ایک روایت میں انس سے منقول ہے: کبھی کبھی میں اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ پیغمبرؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تھا۔ آنحضرت اس بچہ کو دیکھتے تو اس سے مذاق کرتے اور فرماتے: ''یَا اَبَا عُمَیرِ مَا فَعَلَ النُّغَیرُ'' (ابوطلحہ انصاری کے ایک فرزند کا نام ابو عمیر تھا جس کے پاس گوریّا جیسا ایک چھوٹا سا پرندہ تھا (جس کو عربی میں نُغَیر کہا جاتا ہے) جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا، جب وہ مر گیا تو پیغمبرؐ اس سے مذاق فرماتے ہوئے کہتے تھے) ابو عمیر، نغیر کے ساتھ کیا کیا، وہ کہاں ہے؟۔[1]

پیغمبر اکرمؐ کی رحمت و محبت میں اتنی زیادہ وسعت تھی کہ آپ اپنے صحابہ اور پیروی کرنے والوں کو بہت وسیع پیمانہ پر احسان اور محبت کا درس دیتے تھے۔

ایک روز پیغمبر اکرمؐ صحابہ کی ایک جماعت سے، جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، فرمایا: ایک شخص کو تپتے ہوئے صحرا میں بہت شدید پیاس لگی۔ وہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے ایک کنویں میں داخل ہوا اور اس کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی، اسی وقت اس کی نظر ایک کتّے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے تڑپ رہا تھا اور اپنا منہ زمین پر رگڑ رہا تھا، اس آدمی نے یہ سوچا کہ بے چارے جانور کو بھی اسی کی طرح پیاس کا احساس ہے اور پانی نہ پانے کی وجہ سے تکلیف میں ہے۔ اس کے اندر رحم دلی اور مہربانی کے احساس نے جوش مارا، لہٰذا اس نے پیاسے جانور کو سیراب کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ شخص اس ارادے سے دوبارہ کنویں کے اندر گیا اور اپنے جوتوں کو پانی بھر کر جانور کے سامنے رکھا، جو پیاس سے جان بہ لب تھا، خداوند عظیم نے اس کے اس نیک عمل کے عوض میں اس کے گناہوں کو بخش دیا۔ حضرت کے صحابہ نے عرض کی: کیا ہم لوگوں کو جانوروں کی خدمت کرکے ثواب حاصل ہوگا؟ حضرت نے فرمایا: ہاں، خداوند عالم کی بارگاہ میں زندہ جانوروں کی ہر خدمت کا ثواب تمہیں دیا جائے گا۔[2]

پیغمبر اکرمؐ کی سیرت اور تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ رسالت کی انجام دہی میں آپ کی کامیابی کا راز، حسن خلق اور نیک برتاؤ میں پوشیدہ ہے، آپ کے حسنِ خلق سے ہی آنحضرت کا دین دنیا کے

۱۔ اصبہانی، ص ۱۵۴، ج ۱، ۱۹۹۸ء

۲۔ موسوی لاری، ص ۲۴۳، ۱۳۵۸

گوشے گوشے تک پہونچا اور لوگ دل و جان سے آپ کے دین کو چاہنے لگے۔ رسول اکرمؐ نے اپنے اس انداز سے، جو آپ نے وحی الٰہی سے سیکھا تھا، نہ صرف ہدایت کے لئے آمادہ دلوں کو جذب کیا بلکہ قسم خوردہ دشمن کو بھی گہرے دوست میں بدل دیا۔

۳۔ تواضع

تربیت اور سعادت کی منزل تک پہونچنے میں ایک بہت ہی اہم رکاوٹ کا نام تکبر غرور اور خود پسندی ہے یہ ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان کے لئے ہدایت کو قبول کرنے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اسی صفت کی وجہ سے تربیت شدہ لوگ اور تربیت کرنے والوں میں فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جتنا انسان کے اندر تواضع اور انکساری کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی ہدایت اور خدا سے قرب کا امکان بڑھ جاتا ہے اسی وجہ سے تواضع وانکساری انسان کے پسندیدہ اور بہت ہی اہم صفات میں سے ایک ہے، تواضع کی بہترین مثال یہ ہے کی انسان خود کو دوسروں سے بالاتر اور بڑا نہیں سمجھتا۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں بنی امیہ کے اس شخص کے بارے میں اس آیت کو نازل کیا ہے جس نے ایک نابینا کو دیکھ کر اپنی بزرگی کا اظہار کیا اور اپنا منہ پھیر لیا ارشاد ہوتا ہے: (عَبَسَ وَتَوَلّٰى، اَن جَاءَہُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّہُ يَزَّكّٰى)[۱] اس نے منہ بسور لیا اور پیٹھ پھیر لی، کہ ان کے پاس ایک نابینا آگیا، تمہیں کیا معلوم شاید وہ پاکیزہ نفس ہو جاتا۔ خدا نے اس آیت کو نازل کرکے اس متکبرانہ رفتار کرنے والے شخص کی تنبیہ کی ہے۔

دین اسلام کی نگاہ میں عزت کا سرچشمہ خدا، رسول اور مومنین ہیں، اسلام مومنین کے اندر تکبر کی ذلت کو پسند نہیں کرتا، اسلام کی نگاہ میں مومنین صاحب عزت ہیں، ایک مومن اجتماعی طور پر جس کردار اور عمل کو پیش کرتا ہے اسی کا نام تواضع ہے، دوسرے الفاظ میں اگر یہ سوال کیا جائے کی دوسروں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے؟ تو اس کا بہترین جواب سورہ کہف کی آیت نمبر ۱۱۰ میں موجود ہے اس آیہ کریمہ میں تواضع کے میزان کو بیان کیا گیا ہے خداوند عالم اپنے حبیب کو خطاب کرکے فرماتا ہے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اس آیت

۱۔ سورہ عبس آیت ۱۔۳

سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کی انسان کو اپنے مقام اپنے رتبے اور جاہ حشم کی وجہ سے غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کی خوش رفتاری کے بارے میں فرمایا: پیغمبر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو ورنہ اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔[۱] (محدثی ۱۳۸۵، ص ۴۳)

پیغمبر اکرمؐ کے عمل و کردار میں کوئی فرق نہیں تھا جب آپ یتیم ولاچار تھے تب اور جب آپ لوگوں کے رہبر اور رہنما بنے تب بھی۔

امام باقرؑ فرماتے ہیں رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں ایسی ہیں جسے مرتے دم تک میں نہیں چھوڑونگا تاکہ میرے دنیا سے جانے کے بعد وہ تمام چیزیں میری سنت بن جائیں۔

غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کو کھانا کھانا، گدھے کی برہنہ پشت پر سواری کرنا، اپنے ہاتھوں سے بکری کا دودھ دوہنا، موٹے اور دبیز لباس پہننا اور بچوں کے ساتھ کھیلنا۔

''خَمسٌ لَا ادعھُنّ حتیٰ المماتِ الاکلُ علی الحضیضِ مَع العیدِ، وَرُکوبی الحمارَ مَوکِفاً و حَلْبِی العنزَ بِیَدی، ولبسُ الصوفِ والتّسلیمُ عَلی الصِّبیانِ لِتَکُون سنۃ من بعدی''[۲]

امام صادقؑ سے ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ زیادہ تر زمین پر قبلہ رخ ہی بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور کہتے تھے میں بھی ایک بندہ سے زیادہ کچھ نہیں ہوں جس طرح ایک عام انسان کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھاؤں گا اور انھیں کی طرح زمین پر بیٹھوں گا۔[۳]

رسول اکرمؐ کی عملی سیرت اور آپ کی باتیں تواضع وانکساری سے سرشار اور غرور و گھمنڈ سے بہت دور ہیں پیغمبر اکرمؐ کی یہ سیرت رہی ہے آپ ہر اس چیز سے بہت دور رہتے تھے جس سے تکبر کی بو آتی تھی اور اپنے

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹
۲۔ صدوق، ص ۱۴۰۸، ۴۴ھ
۳۔ مجلسی، ص ۲۲۹، ج ۱۶، ۱۴۰۳

چاہنے والوں کو بھی خبر دار کرتے رہتے تھے، آپ نے فرمایا: جو بھی زمین پر تکبر و غرور سے چلتا ہے اس پر زمین کے اندر اور زمین کے اوپر رہنے والے لعنت بھیجتے ہیں۔ [۱]

۴۔ صداقت

انسان کی ایک بہت ہی عظیم فضیلت اور اس کا نیک عمل اسکی صداقت اور سچائی ہے، یہ ایک ایسی فضیلت ہے جسے خدائی مکتب کے ساتھ ساتھ مادہ پرست مکتب کے لوگ بھی عظیم اور بلند سمجھتے ہیں ایک نیک اور طیب وطاہر انسان کی خاصیت یہ ہے کی اسکی زبان اور اس کا دل ایک ہو، اس کا ظاہر و باطن بھی ایک ہو یعنی اسے جس بات کا یقین ہو وہی بات اپنی زبان سے جاری کرے اسلامی منابع میں مختلف طریقے سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسان ہمیشہ سچ بولے اور اس عظیم صفت کو اپنے ایمان اور دین کی بنیاد سمجھے خداوند عالم سورہ نحل میں ارشاد فرماتا ہے: جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو اللہ کی نشانیوں کی تصدیق نہیں کرتے وہ جھوٹے ہیں یعنی جھوٹے لوگ اللہ کی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے (نحل، آیت ۱۱۷) رسول اکرمؐ نے جھوٹ کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ [۲]

خدا کی جانب سے بھیجے ہوئے نمائندوں کی گفتار اور اعمال میں صداقت اور سچائی لوگوں کے اندر اطمینان وسکون عطا کرتی ہے جسکی وجہ سے لوگ ان کی باتوں کو آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ دوسروے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ الٰہی نمائندے جھوٹ بول رہے ہیں تو ان کا یقین واعتماد ختم ہو جاتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے جھوٹ کی قباحت کے سلسلے میں فرمایا ہے: مومن جب بھی بغیر کسی عذر کے جھوٹ بولتا ہے تو ستر ہزار ملائکہ اس پر لعنت کرتے ہیں اس کے دل سے ایک عجیب بدبو نکلتی ہے جو آسمان تک پہونچتی ہے اور خداوند عالم اس جھوٹ کی وجہ سے ستر زنا جس میں اس نے اپنی ماں سے بھی زنا کیا ہو، اس کے نامہ

۱۔ صدوق، ص ۶۲۷، ۱۴۰۵

۲۔ حر عاملی، ص ۱۲۵، جلد ۱۶، ۱۴۰۹ ھ

اعمال میں لکھ دیتا ہے۔[1]

ج) معاشی اخلاق کی تربیت

دین اسلام، دنیا وآخرت دونوں کا دین ہے۔ دین اسلام جہاں آخرت کو سنوارنے کے اصول بیان کرتا ہے وہیں دنیا کو سنوارنے کے بھی قواعد بیان کرتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کی اسلام چاہتا ہے کی انسان اپنے معاشیات کی بھی فکر کرے۔ اسلام نے بہت ہی اہم ذرائع بھی بیان کئے ہیں تاکہ انسان اپنا معاشی نظام صحیح کر سکے، دین اسلام نے جہاں اس بات پر زور دیا ہے کہ انسان اپنے معاشی امور کی اصلاح کرے وہیں اس بات پر بھی بہت توجہ دلائی ہے کہ زندگی کے مخارج اور مصارف میں میانہ روی اور اعتدال سے کام لے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ضروریات کے مطابق ہی معاشیات سے استفادہ کرے چونکہ معاشیات کے ذریعہ انسان اپنے امور کی اصلاح کر سکتا ہے اور اپنی آخرت کو بھی سنوار سکتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے تمام معنوی اور بلند اہداف کے ساتھ ساتھ معاشیات کی صحیح راہوں کو بھی بیان کیا ہے آپ نے معاشیات کے مسائل پر بہت زیادہ توجہ کی ہے آپ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے اور اپنے چاہنے والوں کو بھی اس بات کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے انسان کی معاشی زندگی کا پیمانہ یہ ہے کہ انسان قناعت پسند ہو اور جھوٹی شان سے دور رہے اور ایک عام زندگی بسر کرے ان تمام چیزوں کو ہم رسول اکرمؐ کی سیرت میں دیکھ سکتے ہیں۔

سادگی، قناعت اور حشم وخدم سے دوری

اگرچہ تاریخ میں خود نمائی، اسراف، اور دکھاوا معاشرے کے کچھ مخصوص لوگوں میں ہی پایا جاتا تھا لیکن آج یہ چیزیں ہماری ثقافت کا حصہ بن چکی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے چیزوں کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھتے ہیں یہ بات بہت زیادہ عام ہو چکی ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ سماج میں ایک دوسرے کے قدم سے قدم ملا کر چلیں اور اپنی زندگی کو سکون اور عیش وآرام میں بسر کریں تو ہمارے پاس تمام مادی وسائل کا ہونا ضروری ہے، جس کی وجہ سے خود نمائی اور تجمل گرائی معیار بن گیا ہے جبکہ ہمارے سامنے رسول اکرمؐ کی زندگی ہے جس میں سادگی، قناعت، زہد، دنیا سے بے رغبتی یہ ساری چیزیں رسول اکرمؐ کی زندگی کے بنیادی اصول تھے اگر ہم آپ

۱۔ نوری، ص ۸۴، جلد ۲، ۱۴۰۸ھ

کی زندگی کو غور سے دیکھیں تو یہ ساری چیزیں خود بخود واضح اور روشن ہو جاتی ہیں۔

مفہوم کے اعتبار سے سادہ زندگی اور زہد کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا سے دل نہ لگائے اتنا ہی کافی سمجھے جتنا اس کو ضرورت ہے تاکہ اس کا جسم بھی امان میں رہ سکے، رسول اکرمؐ کی زندگی سادہ زیستی اور قناعت کا بہترین نمونہ ہے جسے عملی طور سے ہم آپ کی زندگی میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

زاہد انسان بھی اگر چاہیں تو خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے اپنی زندگی کو بہت ہی پر سکون بنا سکتے ہیں یہ لوگ دنیا کی رنگینیوں سے اپنا دل نہیں لگاتے دوسروں کو خود پر مقدم رکھتے ہیں اپنے بارے میں سوچنے سے پہلے دوسروں کے بارے میں سوچتے ہیں مال دنیا سے تھوڑے ہی پر اپنی زندگی کا گذر بسر کرتے ہیں (وہ لوگ اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انھیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو)۔[1]

رسول اکرمؐ کی زندگی اس طرح تھی کہ آپ سماج اور معاشرہ میں زندگی بسر کرنے والے درمیانی طبقہ کے سب سے نیچی سطح کے لوگوں کی طرح اپنی زندگی گذارتے تھے بعض روایتوں کی بناء پر جن لوگوں کی آمدنی کم تھی اور وہ فقیرانہ زندگی گزار رہے تھے آپ ان کی طرح ہی ایک سادہ زندگی گذارتے تھے آپ خود کو ان کی ہی طرح دیکھتے تھے اسی لئے آپ نے کبھی گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ ایک روایت میں امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ جو روایتیں آپ کے والد بزرگوار کی طرف سے نقل ہوئیں ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے کبھی گیہوں کی روٹی نہیں کھائی وہ صحیح ہے یا نہیں؟ امام نے فرمایا: رسول اکرمؐ نے کبھی گیہوں کی روٹی نہیں کھائی، حد یہ ہے کی جو کی روٹی بھی کبھی پیٹ بھر نہیں کھائی۔[2]

ابن مسعود سے منقول ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جب وہ رسول اکرمؐ سے باتیں کر رہا تھا اس کی زبان میں لکنت تھی رسول کہتے ہیں آرام سے بات کرو میں کوئی بادشاہ یا سلطان نہیں ہوں میں قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت کو پتھر پر رکھ کر سورج کی گرمی

۱۔ نراقی، سورہ حشر آیت ۹، ص ۲۷۵، ۱۳۸۰

۲۔ طبرسی، ص ۳۳۵، جلد ۱، ۱۳۷۵

سے پکا کر کھاتی تھی۔[۱]

آپ کی غذا جو کی روٹی اور کھجور تھی آپ اپنے کپڑے اور جوتے خود ہی سلتے تھے اس سادگی کے باوجود آپ فقیر و نادار نہیں تھے آپ اپنی دولت و ثروت کو سماج اور معاشرہ کے فائدے کے لئے صحیح اور مناسب راستوں میں استعمال کیا کرتے تھے جیسا کی یہ جملہ آپ کی بات کی تایید کرتا ہے "نِعمَ المالُ الصالحُ لِلرَّجُلِ الصَّالحِ" کتنی اچھی بات ہے کی انسان مال و دولت کو صحیح اور جائز راستوں سے حاصل کرے اور اسے پتہ ہو کی اس دولت کو ہمیں کہاں خرچ کرنا ہے اسی طرح رسول اکرمؐ فرماتے ہیں " (نِعْمَ الْعَوْنُ عَلیٰ تَقوَی اللهِ الْغِنیٰ" تقویٰ الٰہی کی راہ میں بہترین مددگار بے نیازی ہے (مطہری، ۱۳۸۶، ص۱۳۶) رسول اسلامؐ کی سادہ زندگی کی ایک بہترین مثال یہ بھی ہے کہ آپ مجلس و شادی میں یہ بات پسند نہیں تھی کہ آپ کو صدر مجلس یا جلسہ بنایا جائے، آپ کے بیٹھنے کی جگہ دوسروں سے بلند و بالا ہو، آپ ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ میرے دوست اور اصحاب سب لوگ حلقے میں بیٹھیں، مجلس میں کوئی اوپر نیچے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو۔[۲]

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کی قناعت، سادہ زندگی، رسول اکرمؐ کی زندگی کی بہت ہی اہم خصوصیات میں سے ہیں۔

د۔ اجتماعی تربیت

انسان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ملکر معاشرہ اور سماج میں رہنا پسند کرتا ہے اسی وجہ سے بغیر ارتباط اور بغیر لوگوں کے ساتھ کے انسان، کمال اور کامیابی کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا انسان اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب دوسرے لوگ اسے محبوب رکھتے ہوں اسی وجہ سے جن کے پاس اچھے دوست ہیں وہی لوگ انسانوں کے دلوں میں اپنا اثر چھوڑتے ہیں اور اپنے مد مقابل کو اپنی فکر سے ہماہنگ کرتے ہیں چونکہ سماج اور ایک اجتماعی زندگی میں انسان اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالے اور معاشرہ میں افراد کے دلوں کو فتح کر لے۔ ہمارے خدا کے نمائندے خاص طور سے رسول اکرمؐ

۱۔ قزوینی، ص۱۱۰۱، جلد۲، ۱۴۲۵

۲۔ مطہری، ص۱۰۱، ۱۳۸۳

کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ وہ اپنے عظیم ہدف و مقصد تک پہونچنے کے لئے لوگوں کے دلوں کو بدل دیا کرتے تھے تاکہ قیمتی معارف الٰہی بہتر اور اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان کے دلوں میں نفوذ کر سکے اس کام کو بہت اچھے طریقے سے معلم بشریت بن کر رسول اکرمؐ نے انجام دیا آپ نے اخلاقی تربیت اور اجتماعی تربیت کا ایک صحیح راستہ دکھایا تاکہ نسلوں کی اچھی پرورش کی جائے اور انھیں باادب بنایا جائے اس ہدف کو تب ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جب گھر خاندان والے اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں حقُ الوَالدِ عَلَی الوَلَدانَ یُحَسِّنَ اسْمَہٗ وَیُحسَّنَ اَدَبَہ ایک باپ کا اپنے بیٹوں پر حق یہ ہے کی وہ ان کا اچھا نام رکھے اور انھیں اچھا ادب و سلیقہ سکھائے۔

آیئے اب ہم رسول اکرمؐ کی عملی اور نظری سیرت کے سایہ میں اجتماعی تربیت کے کچھ اہم پیانوں پر نظر ڈالیں :

ا۔ ضرورت مندوں کی مدد اور ان پر احسان

لوگوں کے دلوں کو جذب کرنے کا ایک عملی اور تجربہ شدہ طریقہ لوگوں کی مدد اور انکی خدمت کرنا ہے انسان کی فطرت یہ ہے کی جو لوگ کسی کے ساتھ نیکی اور احسان کرتے ہیں یا انکی مشکلات اور پریشانی کو دور کر دیتے ہیں ان کی طرف دل بہت جلدی مائل ہوتے ہیں، سماج اور معاشرہ میں ایک انسانی اور اخلاقی وظیفہ یہ ہے کی ہم ایک دوسرے کی مشکلات اور پریشانی کو ختم کرنے کے لئے تلاش و کوشش کریں، مسلمان کی ضرورت اور اس کی حاجت کو پورا کرنا بیس حج کے ثواب سے زیادہ ثواب رکھتا ہے، اس کے علاوہ خدا کے نزدیک بہت ہی محبوب کام ہے۔[1]

معاشرہ میں ضرورت مندوں کو ان کا حق دینا اور ان کے حقوق کو زندہ کرنا، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام کرنا، مال و دولت کا انتظام کرنا یہ سب وہ کام ہیں جن کے ذریعے ہم ان کی حمایت و مدد کر سکتے ہیں۔ سماج میں ضرورت مندوں کی ضرروت کو ختم کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کی ہم ان کی عزت نیلام کر دیں، ان کی فقیری و مجبوری کو سر عام کر دیں بلکہ ان کی فقیری کو جڑ سے ختم کر دینا ہے اور ان وجہوں کو فراہم کرنا جن کی وجہ سے ہمارا سماج اور معاشرہ پھلتا پھولتا ہے جیسے ضرورت مندوں کی مدد کرکے انھیں بازار میں

ا۔ ابی یعقوب، ص ۱۰، ج ۲، ۱۴۰۵ھ

کام کاج میں لگایا جانا کمپنیوں کا کھولنا تاکہ اچھی چیزیں اور اچھے پروڈیکٹ بازار میں آئیں۔

رسول اکرمؐ نے اپنی ایک قیمتی حدیث میں ارشاد فرمایا: اپنے دینی بھائی کی مدد کرنا خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہے "مَن قَضیٰ لِاَخِیہِ المومن حاجۃ کان کَمَن عبدَ اللّٰہ دَھرَہ" [۱] جو اپنے مؤمن بھائی کی مدد کرتا ہے اسے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کا اجر دیا جائے گا۔

جو لوگ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں رسول اکرمؐ نے کچھ اس طرح سے بیان فرمایا ہے: اگر کوئی شخص اپنے دینی بھائی کی ضرورت کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے ۹ ہزار سال خدا کی عبادت کی ہو اس حالت میں کہ وہ دن میں روزہ سے رہا ہو اور رات میں شب زندہ داری کی ہے۔ [۲]

اسی طرح آپ نے مسلمانوں کی خدمت رسانی کے سلسلے میں ارشاد فرمایا: "اَیھا المسلمُ مَاخدِم قوماً مِن المسلِمین اِلّا اعطاہُ اللّٰہُ مثلَ عَدَدِھم خُداماً فِی الجَنۃ" [۳] جو مسلمان، مسلمانوں کے ایک گروہ کی خدمت کرتا ہے تو خدا اسے جنت میں ان کی تعداد کے برابر خادمین عطا کرے گا۔

ایک مومن انسان کو کھانا کھلانے کا ثواب اور اجر اتنا زیادہ ہے جس کے بارے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو بھی کسی مومن کو پیٹ بھر کھانا کھلائے اس کا اجر و ثواب اتنا زیادہ ہوتا ہے جسے دونوں جہان کے خدا کے علاوہ کوئی بھی بندگان خدا شمار نہیں کر سکتے نہ خدا کے مقرب فرشتے اور نہ ہی خدا کے بھیجے ہوئے رسول۔ [۴]

حاصلِ کلام یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے اور ان تک مدد پہونچانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ رسول اکرمؐ کی نگاہ میں مسلمان ہی نہیں ہے "مَن اَصبحَ وَ لاَیھتَمِ بِاُمورِ المُسلِمینَ فَلَیس

۱۔ طوسی، ص۴۸۱، ۱۴۱۴ھ
۲۔ مجلسی، ج۷۴، ص۳۱۵، ۱۴۰۳ھ
۳۔ کلینی، ج۲، ص۲۰۷، ۱۳۸۲
۴۔ مجلسی، ص۴۴۴، ۱۴۰۴ھ

مُسلِم وَمَن سَمِعَ رَجُلا یُنَادِی یَالَلْمسلِمینَ !فَلم یُجِبْہ فَلَیس بِمُسلِم" [۱] جو بھی کسی مسلمان کی مدد اور فریاد رسی کو نہ پہونچے وہ مسلمان نہیں ہے،اسی طرح اگر کوئی شخص یہ سنے کی کسی مسلمان کوفریاد ررسی اور مدد کی ضرورت ہے لیکن کوئی جواب نہ دے ایسا شخص بھی مسلمان نہیں۔

۲۔ حسن معاشرت

لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا،اچھے سے ایک دوسرے کے ساتھ رہناایک دوسرے کی مدد کرتے رہنا خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا ہے ہمارے معصومین خاص طور سے رسول اکرمؐ نے بھی اس بات پر توجہ دلائی ہے کہ دین اسلام کے دستورات و قوانین کے مطابق ہمیں آپس میں اچھے سے پیار و محبت کے ساتھ رہنا چاہئے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے کی وہ مادی چیزوں کی وجہ سے اپنے تعلقات کو روا رکھے اور غریب و فقیر افراد کی طرف ان کے فقر کی وجہ سے توجہ نہ دے بلکہ ہمیں چاہئے حشاش و بشاش ،خندہ رو چہرہ اور کھلے دل سے ایک دوسرے سے ملیں اور ایک دوسرے کی مشکلات کو ختم کریں معاشرہ میں جب ہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو مختلف طریقوں کے الفاظ او رالگ الگ طور و طریقہ سے ملتے ہیں ائین اسلام میں ایک دوسرے سے اچھے اور احسن طریقے سے ملنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اسی لئے اسلام کا ایک طریقہ یہ ہے کی جب ہم آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو سلام کریں، رسول اکرمؐ جب بھی کسی سے ملتے تھے تو اس بات کی رعایت کرتے تھے اس کا احترام باقی رہے اسکی تحقیر نہ ہو اسکی بے عزتی نہ ہو۔

جریر سے روایت نقل ہوئی ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر کے گھر جاتا تھا آپ اسے گھر میں اچھی جگہ بٹھاتے تھے اور اگر جگہ نہیں ہوتی تھی اور کوئی شخص زمین پر بیٹھ جاتا تھا تو رسول اکرمؐ اسے اپنا لباس دیتے تھے تاکہ وہ اسے زمین پر بچھا کر بیٹھ جائے۔

یحیٰ بن یعمر فرماتے ہیں : جریر جب پیغمبر کے گھر گئے تو اپ کے گھر میں پہلے سے ہی بہت لوگ تھے گھر میں جگہ نہ تھی جریر گھر کے باہر ہی بیٹھ گئے پیغمبر نے جریر کی طرف اشارہ کیا اپنا لباس دیا اور کہا اسے بچھا کر بیٹھ

۱۔ کلینی، ج۲،ص۱۶۴، ۱۳۸۲

جاؤ لیکن جریر نے اس لباس کو زمین پر نہیں بچھایا بلکہ اس لباس کا احترام کیا اور اسے اپنے سر صورت پر مل لیا۔[۱]

اسی طرح حضرت سلمان فارسی نقل کرتے ہیں: ایک دن میں رسول کی خدمت میں حاضر ہوا رسول تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی میں بیٹھا رسول نے وہ تکیہ مجھے دے دیا اور کہا سلمان اگر تمہارے پاس کوئی تمہارا دینی بھائی آئے اور تم اس کے احترام میں اسے تکیہ دیدو تو خدا گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔[۲]

اسی لئے رسول اکرمؐ کی ایک بہت ہی عظیم اور شایستہ خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی شخصیت بہت ہی بلند و بالا تھی آپ اخلاق حسنہ کے عظیم درجات پر فائز تھے: "اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم"[۳]

خلاصہ

دور حاضر میں اقدار کی زنجیروں اور مقدسات کی بنیادوں کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے، اخلاقیات، اخلاقی زندگی پر خطرات کے بادل چھائے ہوئے ہیں، دین کے مستحکم ترین عقیدے اس سے چھین لئے گئے ہیں، مکینیکل اور مستعار فکروں نے ان کی جگہ لے لی ہے، انسان باطنی اور ظاہری مختلف پریشانیوں میں گرفتار ہے اور دینی معارف میں بحران کا شکار ہے۔

اسی وجہ سے، انسان آج کل دنیاوی نعمتوں میں افراط اور تفریط سے کام لے رہا ہے اور پوری طرح دنیاوی اسباب کی جمع آوری میں مصروف ہے اور پرہیزگاری، سادگی، قناعت اور صداقت و۔۔۔ کا رنگ اس کی زندگی میں پھیکا پڑ چکا ہے۔ معنوی زندگی سے زیادہ مادی زندگی پر توجہ دیتا ہے۔

انبیائے الٰہی، بالخصوص رسول اسلامؐ نے تربیت کے بہترین طریقے اپنے پیروی کرنے والوں کے سامنے رکھے ہیں۔ ان کی عظیم زندگی کو تاریخ بشر میں کامیاب ترین مثال کے عنوان سے پیش کیا جاسکتا ہے۔

پیغمبرؐ کی سیرت کا جائزہ لینے سے معلوم ہو گیا کہ آپؐ کی اخلاقی اور تربیتی سیرت، دو خصوصیات کی وجہ سے، تربیت کا مناسب ترین اور بہترین سرمشق ہے: پہلی خصوصیت پیغمبر اکرمؐ کی ذات میں ہے اور دوسری

۱۔ اصبہانی، ج۱، ص۸۷، ۱۹۹۸ء

۲۔ گزشتہ حوالہ، ص۲۰

۳۔ سورہ قلم، آیہ ۴

خصوصیت شریعت اور مذہب میں ہے کیونکہ آنحضرت اسے خدا کی طرف سے بشریت کی ہدایت کے لئے لائے ہیں۔

اس مقالہ کی تحقیقات کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کی گہربار زندگی معنویت، پاکیزگی، مہربانی سے سرشار رہی ہے۔ اس کا اخلاق و انفرادی اور معنوی آداب کے لحاظ سے آنحضرت کی زندگی، تقویٰ، پرہیزگاری، قناعت، کار خیر اور خُلقِ حسن، مروت اور جوانمردی، بخشش اور ایثار میں انسانیت کے لئے کامل ترین سرمشق ہے۔

اخلاق اور سماجی زندگی کے آداب کے اعتبار سے آنحضرت آزادی اور جمہوریت، خدمت خلق، محتاج اور مجبور انسانوں کی حمایت اور سرپرستی کرنے میں انسانی سماج کے لئے حقوق بشر کے علمدار ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم رسول اسلامؐ کی راہ کے مسافر، صرف کتابوں اور تحریروں کو کافی نہ سمجھیں۔ حضرتؐ کے اخلاقی فضائل کو عملی جامہ پہنانے اور معاشرے میں انھیں عام کرنے کے لئے تعلیمی نظام جیسے اسکولوں، یونیورسٹیوں اور ثقافتی مراکز اور سوشل میڈیا جیسے: ریڈیو، ٹیلیویزن، اخبارات، میگزین کے ذریعہ، لوگوں کو واقف کرائیں تاکہ نبوی معارف اور اخلاق وآداب پورے معاشرے میں عام ہو جائیں۔

منابع:

ابراہیم زادہ، عیسی (۱۳۸۳) فلسفہ تربیت، تہران: ناشر دانشگاہ پیام نور

ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد (۱۴۲۲ق)، مقدمہ ابن خلدون، بیروت: ناشر دار العلم

ابن مسکویہ (۱۳۷۱)، تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق، قم نشر بیدار

ابن منظور، مصری (۱۴۱۶ھ)، لسان العرب (ج ۴و۶)، بیروت: دار الاحیاء التراث العربی، چاپ اول

ابی یعقوب، احمد (۱۴۰۵ھ)، تاریخ یعقوبی (ج ۲)، بیروت، دار صادر

اتکینسون، ار، اف (۱۳۶۹)، درآمدی بہ فلسفہ اخلاق، ترجمہ سہراب علوی نیا، تہران: مرکز ترجمہ و نشر کتابت

احمدی، سید احمد (۱۳۷۸)، اصول و روشہای تربیت در اسلام، تہران، ناشر جہاد دانشگاہی، چاپ چہارم

اصبہانی، عبداللہ بن محمد بن جعفر (۱۹۹۸ء)، اخلاق النبی وادابہ (ج۱)، بیروت، دار العلم للنشر والتوزیع

الٰہی قمشہ ای، مہدی (۱۳۷۵)، ترجمہ قرآن کریم، تہران، مؤسسہ نشر اسلامی، چاپ اول

بتائی، فاطمہ سادات (۱۳۹۰)، انسان امروز و سیرہ اخلاقی پیامبر اعظمؐ، پایان نامہ کارشناسی ارشد، حوزہ علمیہ خراسان

بخاری، محمد بن اسماعیل (۱۴۰۷ھ)، صحیح بخاری (ج۵)، بیروت، دار ابن کثیر الیمامہ

پاینده، ابوالقاسم (۱۳۷۵)، ترجمہ نہج الفصاحۃ، تہران، ناشر جاویدان

حاکم حسکانی، عبید اللہ بن احمد (۱۴۱۱ھ)، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل فی الآیات النازلہ فی اھل البیتؑ، تحقیق محمد بن باقر محمودی، تہران، مجمع احیاء الثقافہ الاسلامیہ

حر عاملی، محمد بن الحسن (۱۴۰۹ھ)، وسائل الشیعہ (ج۱۵و۱۶)، تحقیق، مؤسسہ آل البیت، قم، ناشر مؤسسہ آل البیت، چاپ چہارم

دشتی، علی (۱۳۸۲)، ترجمہ نہج البلاغہ،، تہران، ناشر مکتب اسلامی

دھخدا، علی اکبر، (۱۳۸۲) لغت نامہ دھخدا، تہران، ناشر امیر کبیر، چاپ پنجم

راغب اصفہانی، حسین (۱۴۱۴ھ)، معجم مفردات الفاظ القران، تحقیق، ندیم مرعشلی، بیروت، دار الکتب العربی، طبع اول

سدیدی، عفت (۱۳۸۹)، سیرہ اخلاقی۔ خانوادگیؑ، پایان نامہ کارشناسی ارشد، حوزہ علمیہ سبزوار

شکوہی، غلام حسین (۱۳۸۲) مبانی و اصول آموزش و پرورش، مشہد، آستان قدس رضوی، چاپ یازدہم

صدوق، محمد (۱۴۰۸ھ)، الامالی، مشہد، آستان قدس رضوی و بنیاد پژوہش ھای اسلامی

صدوق، محمد (۱۴۰۸ھ)، ثواب الاعمال، قم، مؤسسہ نشر اسلامی

صدوق، محمد (۱۴۰۴ھ)، من لایحضرہ الفقیہ، تحقیق، علی اکبر غفاری، قم، دفتر انتشارات اسلامی، چاپ دوم

صدوق، محمد (۱۴۰۳ھ)، خصال (ج۱)، ترجمہ سید احمد فہری، قم، مؤسسہ نشر اسلامی

طبرسی، حسن بن فضل (۱۳۷۵)، احتجاج (ج۱)، تہران، کتاب فروشی مصطفوی

طریحی نجفی، فخر الدین حسین (۱۳۹۶ھ)، مجمع البحرین (ج۳)، قم، المکتبۃ المرتضویہ، طباعت اول

طوسی، محمد (۱۴۱۴ھ)، امالی، قم، ناشر دار الثقافۃ

قتال نیشابوری، محمد (۱۴۲۰ھ) ، روضۃالواعظین، قم، ناشر رضی

فیض کاشانی، محمد محسن (۱۴۲۱ھ)، المحجۃالبیضاء (ج۴) قم، انتشارات اسلامی، چاپ دوم

قزوینی، محمد بن یزید (۱۴۲۵ھ)، سنن ابن ماجہ (ج۲) ، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، بیروت، ناشر دار الفکر

قمی، شیخ عباس (۱۴۱۶ھ)، سفینۃالبحار (ج۲) ، تہران، ناشر دار الاسوہ

کلینی، محمد بن یعقوب (۱۳۸۲ھ)، اصول کافی، (ج۱و۲) تہران، ناشر مکتب اسلامی

لطفی میامی، اکرم (۱۳۹۰)، پیامبر اعظمؐ الگوی زندگی، رہ یافتی نو از سیرہ پیامبر اعظم، پیان نامہ کارشناسی ارشد، حوزہ علمیہ خراسان،

نراقی، ملا علی (۱۳۸۰)، معراج السعادہ، تہران، ناشر دھقان، چاپ سوم

نوری، میرزا حسین (۱۴۰۸ھ)، مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل (ج۱۱، ۲، ۱)، بیروت، مؤسسہ ال البیت الاحیاء التراث العربی، چاپ دوم

متقی ہندی، علی (۱۴۰۹ھ)، کنزالعمال (ج۳و۶) بیروت، مؤسسہ الرسالۃ

مجلسی، محمد باقر (۱۴۰۴ھ)، عین الحیواۃ، تہران، ناشر قائم

مجلسی، محمد باقر (۱۴۰۳ھ)، بحار الانوار (۷۶، ۷۷، ۷۴، ۷۱، ۷۰، ۶۸، ۱۶، ۱)، بیروت، دار الاحیاء التراث العربی الثالثۃ

محدثی، جواد (۱۳۸۵)، اخلاق معاشرت، قم، مرکز چاپ ونشر دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، چاپ نہم

مطہری، مرتضی (۱۳۷۸) آشنائی باعلوم اسلامی، حکمت عملی، تہران، ناشر صدرا، چاپ پنجم

مطہری، مرتضی (۱۳۷۵)، تعلیم وتربیت در اسلام، تہران، ناشر صدرا، چاپ دہم

مطہری، مرتضی (۱۳۸۶)، وحی ونبوت، تہران، ناشر صدرا

مطہری، مرتضی (۱۳۸۳)، حکمت ہاواندرزھا، تہران، ناشر صدرا

مطہری، مرتضی (۱۳۷۳)، پیامبرامی، تہران، ناشر صدرا

مفید، محمد بن محمد (۱۴۰۳ھ)، امالی، قم ناشر جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ

مکارم شیرازی، ناصر (۱۳۸۶)، تفسیر نمونہ (ج ۱۳)، قم، دار الکتب الاسلامیہ

مناوی، عبد الرووف (۱۴۰۵ھ)، فیض الغدیر (ج ۵)، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ

موسوی لاری، مجتبیٰ (۱۳۸۵)، رسالت اخلاق در تکامل انسان، تہران، دفتر تبلیغات اسلامی

ہوشیار، محمد باقر (۱۳۸۵)، اصول آموزش و پرورش، تہران، ناشر دانشگاہ تہران

پیغمبرؐ کی سیرت و شخصیت پر مغربی نظریات اور اس کی تردید

مؤلفین: سید محمد موسوی مقدم[۱]
سید رضا مؤدب[۲]
مترجم: سید اطہر عباس

مقدّمہ

پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت اور سیرت کے تعلق سے مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے افکار و نظریات کے بارے میں تحقیق، کافی پہلے سے مسلمان علماء اور دانشوروں کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور اس وقت بھی مستشرقین کے آخری نظریات وخیالات بالخصوص نظریۂ "شکاکیت نو"[جدید] کا مطالعہ اوراس کی تحقیق و تحلیل کا شمار عصر حاضر کی تحقیقاتی اولویت میں ہوتا ہےاور اس بات کو بعض ہم عصر مغربی دانشوروں نے ذکر کیا ہے اور اگر یہ تحقیق و تحلیل انجام نہ پاتی تو بہت ممکن ہے ان کے افکار و نظریات مسلمانوں کے درمیان انحرافی افکار کی نشر و اشاعت کا باعث ہوتے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین اور ہتک حرمت کا پیش خیمہ ثابت ہوتے۔ لہٰذا قابل ذکر ہے کہ آخری صدیوں میں پیغمبراکرم ﷺ کی شخصیت اور سیرت کے حوالے سے مغربی محققین اور مستشرقین کے مطالعات نے دو جداگانہ راہیں طے کی ہیں: ا۔"روایتی" (Traditional) یا "خوش بین" (Sanguine) نقطۂ نظر۲۔ "تجدید نظر طلب" نقطۂ نظر (Revisionist) یا شکّاک (Sceptics) نقطۂ نظر۔ صحیح نظریہ کی تحقیق اور چھان بین کے لئے پہلے مندرجہ بالا تمام نقطہ ہائے نظر کو تجزیہ و تحلیل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گااور اس کے بعد اس سے مربوط اہم تنقیدیں کی جائیں گی۔

ا۔ معاون استاد دانشگاہ تہران پردیس قم
SM.MMAQADDAM@UT.AC.IR
۲۔ ناظر علمی ـ استاد دانشگاہ قم
MOADAB-R113@yahoo.com

۱۔روایتی (Traditional) یا خوش بین (Sanguine) نقطۂ نظر

روایتی یا خوش بین نقطۂ نظر کے حامل علماء حضرات وہ ہیں جو حضرت محمد صلی ﷺ کی زندگی سے متعلق اس حقیقت کے باوجود کہ سیرت پیغمبر ﷺ کے روائی منابع مرحلۂ نقل میں تغیرات سے دوچار ہوئے ہیں، روائی منابع کے لئے تاریخی اہمیت کے قائل ہیں۔ایک جملے میں عرض کروں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی روائی سیرت کے اہم ترین اور بنیادی حوادث و واقعات کو تاریخی لحاظ سے صحیح جانتے ہیں۔[1] روایتی نقطۂ نظر کے طرفدار جہاں ایک طرف اپنی تحقیق کے دائرے کو مسلمانوں کے مکتوبات (Literature) تک محدود کرتے ہیں وہیں دوسری طرف ان منابع کی تحقیق اپنے مبانی اور اپنی عرف دانش تحقیقی مولانا کے مطابق کرتے ہیں۔[2]

شایان ذکر ہے کہ روایتی نطقۂ نظر کے حامل افراد کی توجہ اس مسئلہ پر مرکوز نہیں تھی کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے منابع اس شعبے میں پیغمبر ﷺ کی رحلت کے دو سو یا تین سو برس بعد تدوین ہوئے ہیں؛ کیونکہ یہ تمام آثار ان روایات اور سلسلۂ اسناد پر مشتمل تھے جن کے مؤلفین کا سلسلہ پیغمبر کے دور حیات سے جا کر ملتا ہے اور غالبا صدر اسلام کے کسی ایسے شخص پر جا کر منتہی ہوتا ہے جو شاہد ماجرا تھا۔مغربی سیرت نگار بخوبی جانتے تھے کہ ان روایات کے درمیان جن میں کبھی تناقض بھی پایا جاتا ہے، جعل و اغراق کی نشانیاں اور طرح طرح فرقہ وارانہ اور مذہبی تعصّبات موجود ہیں، لیکن یہ یقین تھا کہ ایک نقّاد اور تیز بین ذہن آخر کار یہ جان جائے گا کہ صدر اسلام کے تمام حوادث و واقعات میں آخر کیا ہوا ہے اور حقیقت ماجرا کیا ہے؟۔[3]

سنتی اور روایتی مکتب، اسلامی علماء کی طرح تعیینِ اعتبارِ اسناد پر بہت زیادہ توجہ مبذول کرتا ہے؛ لیکن اسناد کے تنقیدی جائزہ سے یہ بات بہت جلد معلوم ہو جاتی ہے کہ تاریخی حوادث و واقعات کو اعتبار بخشنے کے لئے ان

1.Gregor schoeler , the biography of mohammad nature and authenticity translated by uwe vagelpohl edited by james e . Montgomery .routledge 2011,p.9

ہمیں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ ''خوش بین اور روایتی'' کا لیبل ان کے ناقدین کا وضع کردہ تھا یہ طبقہ بندی دانشوروں کا دین نہیں ہے؛ لہٰذا یہ لیبل شائستہ اور مناسب نہیں ہے۔ملاحظہ ہو کہ ارنسٹ برنہایم (Ernst Bernheim ۱۸۵۰۔۱۹۴۲م) اپنے شکاکین کو خوش بین کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور شکاکین جدید روایتی افراد کو خوش بین کہتے تھے ۔(Uri Rubin,The Biograpky of Mohammad,Nature and Authenticity,p,9,fn 108)

۲۔ی کورن وی۔دنوو،''اسلامی مطالعات کے لئے اصولی طریقہ کار'' ترجمہ شادی نفیسی۔آئینہ تحقیق،۱۱۴،۵۶۸۔۵۶۹۔(۱۳۸۷)

۳۔رک: کریمی نیا، مرتضی (مدون و مصحح)۔مغرب میں سیرت کی تحقیق؛منتخب متون و منابع: تہران: مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی، ص۱۴،۱۳۸۶

پر اعتماد اور تکیہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔[1]

مجموعی طور پر سنتی اور روایتی نقطۂ نظر کے پیشواؤں کی فہرست میں نبیہ عبود (Nabia Abbott/۱۸۹۷ء)، ولیم مونٹومگری واٹ (Milliam Montgomery Watt/ متولد ۱۹۰۹-۲۰۰۶ء) اور فوئاٹ سزگین (Fuat Sezgin/ متولد ۱۹۲۴ء) کو شمار کیا جاسکتا ہے[2]۔

آخری دہائیوں میں خوتیر ینبل (G .H. A. Juynboll/۱۹۳۵-۲۰۱۰ء)، فرڈمک گروڈونر (Fred McGraw Donner/ متولد ۱۹۴۵ء)، ہارالڈ موٹزکی (Harald Motzki/ متولد ۱۹۴۷ء)، مارکو شولر (Scholler Markco/ متولد ۱۹۶۸ء) گرگور شوئلر (Gregor Scheler)، روبرٹ جی ہویلنڈ (RAOBERT G. Hoyland) اور کرسٹوفر ایف روبنسن (Christopher F.Robonson.) جیسوں کی کتابوں کی تالیف اور "روایتی" اور "تجدید نظر طلب" ان دو نظریوں کی تلفیق و تصحیح کے نتیجے میں سیرت سے متعلق مغربی تحقیق میں اسلام شناسی اور سیرت نگاری کی تحقیق کے باب میں بہت سارے تنقیدی کام ہوئے ہیں۔

۲۔ "تجدید نظر طلب" (Revisionist) یا "شکاک" (Sceptic) نقطۂ نظر

"تجدید نظر طلب" یا "شکاک" نظریہ کے قائل افراد کی اکثریت جہاں ایک طرف مسلمانوں کے مکتوبات کی روش ہائے نقد منبع (Cricical-Source) [۲] کے مبنیٰ پر تحلیل کرتی ہے وہیں دوسری طرف ظہور اسلام کے دور کے معاصر غیر عرب مکتوبات [جو موضوع سے مرتبط ہوں] نیز اس دور کے باقیماندہ مادّی باقیات جیسے

۱۔ ی، کورن و ی۔ د۔ نوو، ا"سلامی مطالعات کے لئے اصولی طریقہ کار"، ص۵۷۶۔

5.Gregor SCHOELER .THE BIRGRAPHY OF MOHAMMAD ,NATURE AND AUTHENTICITY p

روایتی طریقہ کار کے معتقدین درج ذیل ہیں:

فرانتس بوھل (Frants Buhl, 1932-1850 AD) ھوبرت گریمہ (HUBERT GRIMME/ ۱۸۶۴-۱۹۴۲ء) تورآندرائہ (TOR ANDRAE/ ۱۸۸۵-۱۹۴۷ء) آلفرد گیوم (ALFRED GULLAUME/ ۱۸۸۸-۱۹۶۶ء) آرتور جفری (ARTHUR JEFFERY ۱۸۹۲-۱۹۵۹ء) یوھان فوک (JOHANN FUCK متولد ۱۸۹۴ء) رودی پارت (RUDI PARET/ ۱۹۰۱-۱۹۸۳ء) روبرت برترام سرجینت (ROBERT BERTRAM SERJEANT / ۱۹۱۵-۱۹۹۳ء) ماکسیم رودنسون (MAXIME RODINSON / ۱۹۱۵-۲۰۰۴ء) مارسدن جونز (J.M.B. JONES / ۱۹۲۰-۱۹۹۲ء) آنہ ماری شیمل (ANNEMARIE SCHIMMEL / ۱۹۲۲-۲۰۰۳ء) و معاصران از آن ھایوزف گورووپتس (JOSEPH HOROVITZ ۱۹۲۶ء) رودلف زلھایم (RUDOLF SELLHEIM / ۱۹۲۸) کارل ارنست (CARL W . ERNST/ ۱۹۵۰ء) اور سولا سرگین (URSULA SEZGIN ۱۹۷۰ء) مناخیم ی قسطر (MENACHEM J . KISTER) مایکل لکر (Michael lLicker/ ۱۹۸۲ء) گئورک اشتاوت (GEORG STAUTH) رایف گرور گزخوری (RAIF GEORGES KHOURY) جی فون اشتولپ (J. VON STULPNAGEL) ناگل ووپی جنسن (JENSEN) (SEE IBID . P. 11)

آثار قدیمہ کی دریافت ،کتبہ شناسی اور سکہ شناسی کو [کہ جن پر معمولا روایتی مکتب میں بحث ومباحثہ نہیں ہوتا]اپنے نظریات کے اثبات کے لئے شاہد اور قرینہ کے عنوان سے ملحوظ نظر رکھتی ہے۔یہ طریقۂ کار ،روش سے قطع نظر اس کے نتائج کو دیکھتے ہوئے ''تجدید نظر طلب'' کے نام سے موسوم ہوا۔[۱] ''تجدید نظر طلب'' مدعی ہیں کہ تاریخ صدر اسلام کے بارے میں ان کے اکثر منابع ومآخذ صرف بعد کے نظریات اور دغدغوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی روایت پر مبنی بنیادی یا تمام سوانح حیات کو جعلی اور من گھڑت مانتے ہیں۔[۲]

''تجدید نظر طلب'' مؤلفین کے مختلف آثار معمولا حوادث صدر اسلام کی گزارش پیش کرنے کے حوالے سے متعارض ہیں ؛لیکن وہ سب شناختی روش کے مبانی اوّلیہ کے ایک مجموعہ میں اتفاق نظر رکھتے ہیں جو کلی طور پر روایتی نقطۂ نظر کے طرفداروں کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے؛ باوجودیکہ یہ تمام تحقیقات نتائج میں متضاد ہیں لیکن صرف مسلمانوں کی لکھی ہوئی کتابوں سے ماّخوذ حقائق پر مبتنی گزارشات کو تاریخی لحاظ سے معتبر نہ ماننے میں ہم عقیدہ ہیں۔اس طرح سے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تحریک ''تجدید نظر طلب'' کو واقعی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا؛لیکن'' تجدید نظر طلب'' نقطہ نظر کے مخالفین عام طور پر قابل استفادہ روش کے بر خلاف تاریخ صدر اسلام کے مسائل پر حملہ کرنے میں ہمیشہ اس چیز سے جو اہل مغرب کی آلۂ کار تنظیم کا حصہ ہو یا اس کے لائق استفادہ شواہد کے خلاف ہو ،استدلال نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ سابقہ اسباب و علل کی بناء پر صرف اس کے نتائج کی نفی میں کوشاں رہتے ہیں۔''روایتی'' نقطۂ نظر والے ''تجدید نظر طلب'' والوں کے آثار کو بآسانی نظر انداز کردیتے ہیں یا ایک مأخذ پر تنقیدی تحقیق کے اعتبار کو ضدّ اسلام کا لیبل لگا کر مخدوش کردیتے ہیں اور ان مکتوبات کے مبانی اولیہ ،ان کے اسالیب اور ان میں پیش کردہ نتائج کو سمجھنے کی بالکل بھی کوشش نہیں کرتے۔[۳] بنابراین، روایتی اور ''تجدید نظر طلب'' یہ دونوں نظریے زیادہ تر دو متوازی خطوط کی صورت

۱۔ سابق حوالہ ،۵۶۹

۲۔ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت اور شخصیت کے بارے میں ''تجدید نظر طلب'' گروہ کے آراء و نظریات کی تنقید و تحقیق مقالہ کے آخر میں انجام پائی ہے۔

Ibid.p.9.

۳۔ی۔کورن وی۔د۔نود''اسلامی مطالعات کا اصول طریقۂ کار'' ص ۵۶۹ منقول از : E' g'Serjeant*[Review o]Wansbrough,Quranic Studies,*J'Royal As,Soc,1978,p76-78'

میں نظر آتے ہیں جو کبھی آپس میں ملتے نہیں ہیں۔ ''تجدید نظر طلب'' نوعاً ''روایتی'' طبقے کی تاریخی تحقیقات کو نامعتبر اور نادرست سمجھتے ہیں اور روایتی طبقہ بھی ''تجدید نظر طلب'' گروہ کے نظریات اور نتائج کو کلی طور پر مسترد کرتا ہے۔[1]

''تجدید نظر طلب'' گروہ کے بعض پیشوا اور طرفدار مندرجہ ذیل ہیں :ایگناز گولڈزیہر(Ignaz Goldziher/۱۸۵۰-۱۹۲۱ء) ہنری لامنس(Henri Lammens/۱۸۶۲-۱۹۳۷ء) ، لئونہ کایٹانی (Leone Caetani/۱۸۶۹-۱۹۳۵ء)، یوزف شاخٹ (joseph Schacht/۱۹۰۲- ۱۹۶۸ء)،جان ونزبرو(john Wansbrough/۱۹۲۸-۲۰۰۲ء)، مائیکل کوک(Michael Cook متولد۱۹۴۰ء)،اور پاٹریشا کرونہ(patricia Crone/ متولد۱۹۴۵ء)۔ ان مذکورہ افراد میں سے ہر ایک پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کی نفی یا ان کے خود ساختہ ہونے پر تاکید واصرار کرتا ہے۔

۲/۱۔ ''تجدید نظر طلب'' کی روش شناسائی کے مبانی اور ان کی تحقیق

'' تجدید نظر طلب'' گروہ کی شناخت کے لئے لازم ہے پہلے ان کے مبانی کی تحلیل کی جائے کیونکہ ایسا لگتا ہے ''تجدید نظر طلب'' گروہ کا نظریہ بنیادی طور پر شناختی روش کی تین ضرورتوں پر مشتمل اور استوار ہے :

۱۔ ظہور اسلام اور دوران حیات پیغمبر ﷺ کے بارے میں قرآن اور مسلمانوں کے مکتوبات کا ایک تنقیدی جائزہ۔

۲۔ مسلمانوں کی عرف (Tradition) سے جدا اور علیحدہ ان گزارشات کا معاصرین کی گزارشات سے موازنہ کرنے کی ضرورت۔

۳۔ ہم عصر مادی شواہد جیسے آثار شناسی، سکہ شناسی اور کتبہ شناسی وغیرہ سے استفادہ کرنا اور اس بات کو قبول اور تسلیم کرنا کہ ان مادی شواہد سے مأخوذ نتائج کی صحت کا احتمال ان نتائج سے زیادہ ہے جو مسلمانوں کی تاریخی

۱۔ ی۔ کورن۔ و۔ ی۔ نوو۔''اسلامی مطالعات کا اصولی طریقہ کار'' ص ۵۶۹

کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں؛ بالخصوص وہاں پر جہاں ہم عصروں کی جانب سے کوئی مؤید دریافت نہ ہو۔[۱]

قابل ذکر ہے کہ "تجدید نظر طلب" گروہ کی جانب سے قرآن اور صدر اسلام کے منابع کا تنقیدی جائزہ "روایتی" گروہ کے طریقۂ کار کا ردّ عمل ہے اور یہ طریقۂ کار مقدس کتابوں کے تئیں اہل مغرب کی انتقادی نظر کا نتیجہ ہے جو یقینا شناختی روش کے لحاظ سے مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے؛ کیونکہ تمام مسلمان بالخصوص شیعہ حضرات قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کو ہر قسم کی خطاء، اشتباہ اور لغزش سے مبرا اور منزہ جانتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ نصّ قرآن ہر طرح کی تحریف و تغییر سے مصون اور محفوظ ہے اور پیغمبر اسلامؐ کو مکمل طور پر ہر رخ اور ہر جہت سے معصوم جانتے ہیں۔[۲] بالخصوص دوسرے مبنیٰ یعنی پیغمبرؐ کی سیرت کے حوالے سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تحقیقات و نظریات کا موازنہ کرنے میں اگر اس موازنہ میں انصاف کی رعایت ہو اور اس پر حاکم اصول کی پاسداری ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مذکورہ مبنیٰ، شناختی روش کے لحاظ سے مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول ہوگا۔ لیکن تیسرے مبنی میں ہمارا ماننا ہے کہ دیگر منابع اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کے مسلمانوں کے مکتوب مستندات کے پہلو میں شاہد و مؤید کے عنوان سے مادّی شواہد [آثار شناسی، کتبہ شناسی اور سکّہ شناسی] سے استفادہ کرنا بہتر اور مفید ہے لیکن محکم دلیل اور قوی علمی قوی استدلال کے بغیر یہ بیان کیا

۱۔ "تجدید نظر طلب" طریقہ کار کی روش شناسائی کے مبانی جو متن میں پیش ہوئے تھوڑی سی تلخیص اور تصرف کے ساتھ سابق حوالہ ص ۵۷۰ - ۵۷۳ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ سلامت نص قرآن اور عصمت پیغمبر اسلام ﷺ کے تعلق سے مزید اطلاع کے لئے رجوع کیجئے: سید ابو القاسم خوئی، البیان فی تفسیر القرآن، ص ۱۹۵-۲۳۴ (قم موسسہ احیاء آثار الامام الخوئی، ۱۴۱۳ھ)؛ سید حسینی میلانی، التحقیق فی نفی التحریف عن القرآن (قم مرکز حقائق الاسلامیہ، ۱۴۳۶ھ)؛ فتح اللہ نجار زادگان (محمدی) سلامۃ القرآن من التحریف، (تہران، پیام آزادی ۱۳۷۸)؛ محمد ہادی معرفت، صیانۃ القرآن من التحریف (تہران وزارت امور خارجہ، ۱۳۷۹) سمد حسن طاہری خرم آبادی، عدم تحریف قرآن (قم، بوستان کتاب، ۱۳۸۵)؛ حسن زادہ آملی و عبد العلی محمد شاہرودی، قرآن ہر گز تحریف نہیں ہوئی (قم، قیام، ۱۳۷۶)؛ محمد ہادی معرفت، تاریخ قرآن، ص ۱۵۴-۱۸۱؛ (تہران، سمت، ۱۳۷۵)؛ محمد ہادی معرفت، شبہات قرآن کریم پر نقد و تبصرہ، (ترجمہ حسن حکیم باشی و دیگران، ص ۱۹-۱۴۴، (قم، تمہید، ۱۳۸۸)؛ سید رضا مؤدب مبانی تفسیر قرآن، ص ۴۷-۷۵ (قم دانشگاہ قم ۱۳۸۸)؛ محمد علی رضائی اصفہانی منطق تفسیر قرآن (۱)، ص ۱۲۵-۱۲۹)، (قم، جامعہ المصطفیٰ العالمیہ، ۱۳۸۷)، رضا استادی، آشنائی با تفاسیر — عدم تحریف قرآن و چند مباحث قرآنی، ص ۷ - ۵۳؛ (تہران، نشر قدس، ۱۳۸۳)؛ حسین جوان آراستہ، درسنامہ علوم قرآنی، سطح ۲، ص ۳۰۳-۳۴۲؛ (قم بوستان کتاب ۱۳۷۷)؛ سید ابو الفضل میر محمدی زرندی تاریخ و علوم قرآن، ص ۲۸۵-۳۰۲، (قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، قم، ۱۳۷۷)؛ عبد اللہ جوادی آملی، وحی و نبوت در قرآن، ص ۱۹۷-۲۹۲، (قم مرکز نشر اسراء ۱۳۸۱)؛ عبد اللہ جوادی آملی، نزاہت قرآن از تحریف، تحقیق: علی نصیری (قم، مرکز نشر اسراء، ۱۳۸۹) روح اللہ خمینی قرآن کتاب ہدایت از دیدگاہ امام خمینیؒ، ص ۵۳-۶۰، (تہران مؤسسۂ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ ۱۳۸۵)؛ محمد باقر شریعتی سبزواری وحی و نبوت در نگاہ عقل و دین؛ ص ۹۱ — ۱۰۶؛ (قم بوستان کتاب ۱۳۸۸)؛ محمد تقی مصباح، آموزش عقاید، ص ۱۹۱-۲۵۱، ۲۱۶-۲۶۹، ۲۵۸-۲۷۶، (تہران سازمان تبلیغات اسلامی، شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۷۷)

جائے کہ مادی و خارجی شواہد کی صحت کا احتمال، مسلمانوں کے مکتوب منابع سے زیادہ ہے، تو یہ محققین کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

۲/۲۔ "تجدید نظر طلب" گروہ کے آراء و نظریات اور ان کا تحلیلی و تحقیقی جائزہ

"تجدید نظر طلب" گروہ کے آراء و نظریات کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس نظریہ کی حامل اہم ترین شخصیات کے بارے میں تحقیق کی جائے۔ چنانچہ اس حوالے سے ذیل میں کچھ اہم شخصیات کا بطور نمونہ ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ ایگناز گولڈزیہر

"تجدید نظر طلب" گروہ کے درمیان ضروری لگتا ہے کہ پہلے ایگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher/۱۸۵۰۔۱۹۲۱ء) کے آراء و نظریات سے شروعات کی جائے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ۱۹۸۰عیسوی میں اپنی کتاب "اسلامی مطالعات"[1] کی جلد دوّم کی نشر واشاعت کرکے اسلام کی ابتدائی صدیوں کے منابع کی وثاقت و اعتبار کی نسبت اپنے شک و تردید کا اظہار کیا اور ایک طرح سے شکوک و شبہات کا بیج بو پا اور یہاں تک کی تاریخی معدومیت (Nihilismus) کی بنیاد رکھی، یعنی اس کی تاریخی حیثیت کو کالعدم قرار دیا۔[۳] وہ سمجھتا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی سے مربوط متون کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے، وہ ان متون کو بالکل ساقط الاعتبار سمجھتا تھا۔ اور ان متون کو فقط اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں دینی، سیاسی اور اجتماعی تحولات کا حاصل اور نتیجہ مانتا تھا۔[۲]

۲۔ ہنری لامنس

گولڈزیہر کے بعد انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہنری لامنس (Henri Lammens/ ۱۸۶۲-۱۹۳۷ء) فرانسوی مستشرق نے "نحوۂ تدوین سیرۂ محمد از درون قرآن و سنت"[۳] [قرآن و سنت کی روشنی میں سیرت

---

1. Ignaz Goldziher , muhammedanische 2 vols, Halle , 1888-1890. English translation : muslim studies , tr,by c. r. barber & s.n stern landon George Allen and unwin , 1967-1971.

۲۔ نادر پور شند، * نحوہ برخورد اسلام شناسان غرب با سیرہ رسول اکرمؐ، ص۱۱

3. Henri lammens , qoran at tradition comment fut compose la vie de Mahomet ,Recherches de science religieuse ,li,26-51, (1910)

محمدؐ کے تدوین کی کیفیت] کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا اور اس نے اپنے اس مقالہ مین ایگناز گولدزیہر (Ignaz /Goldziher ۱۸۵۰-۱۹۲۱ء) کے نظریہ سے استناد کیا اور اس کے نظریہ کو فقہی و کلامی احادیث و روایات کی مکمل نفی و تردید پر مشتمل جانا اور اس میں صدر اسلام کی روایات کو بھی شامل کر لیا، یعنی ان پر بھی بھی خطِّ بطلان اور خطِّ نفی کھینچ دیا۔ لامنس نے اس عنوان کے تحت کہ ''کیا محمد صادق تھے'' ایک مقالہ میں اس بات کا منفی جواب دیا اور یہی وجہ ہے کہ بعد کی دہائیوں میں اس کی کتابوں سے محققین نے استفادہ نہیں کیا کیونکہ اس نے علمی غیر جانبداری کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔[۲] لامنس کے موقف اور نظریہ کی تاثیر بیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم تک رہی؛ اس کی تاثیر رجس بلاشر[۳] کی کتاب ''محمد ایک مسئلہ'' پر غیر قابل انکار ہے۔[۴]

لامنس جس نے پیغمبر اسلامؐ کی حیات کے مکی دور کا بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے۔ وہ حضرت محمد ﷺ کی حیات کے مکّی دور سے مربوط روایات میں جو توصیفات ذکر ہوئی ہیں ان کے تعلق سے مدنی دور سے مربوط روایات کی نسبت بہت کم اصالت کا قائل تھا اور مکی دور کی روایات کو عام طور پر قرآن کے مختلف حصوں کی شرح و تفسیر سے تعبیر کرتا تھا؛ چنانچہ اسی وجہ سے پیغمبر ﷺ کی سرزمین مکّہ کی سرگرمیوں سے متعلق تمام روایات کو بے اعتبار جانتا ہے۔[۵] البتہ کارل ہاینرلیش بیکر (carl heinrich becker/ ۱۸۷۶-۱۹۳۳ء) کا ماننا ہے کہ لامنس اپنی شکاکیت میں بالکل بھی ثابت قدم نہیں تھا کیونکہ اس نے صرف بعض اسلامی روایات کی نفی کی ہے؛ یعنی ان روایات کی نفی کی ہے جن میں حضرت محمد ﷺ کو ایک مثبت کردار شخصیت کے عنوان سے پیش

1.Gregor schoeler the biography of mohammad , nature and authenticity ,p 3

۲۔ نادر پور نقشبند ''مغربی اسلام شناسوں کا سیرۂ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رویہ، ص۱۱۔

3.Regis Blachere Le Probleme de Mahomet, Paris:P U F..1952.

۴۔ بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کے حوالے سے مغرب میں کئی کتابیں لکھی گئیں ان کتابوں کے لکھنے والے سیرت و غزوات کی روایات کی وثاقت کے بارے میں تردید کا شکار ہوگئے۔ اس کے باوجود بالکل بھی اس بات پر زور نہیں دیا کہ اپنے شکوک و شبہات کو بر طرف کریں؛ بلکہ سیرت و غزوات کی اپنی کتابوں کو انھیں روایات سے ماخوذ کلی مفاہیم اور اپنے معتقدات کی اساس پر تدوین کیا۔ کتاب ''محمد ایک مسئلہ'' تالیف، رژی بلاشر، فرانسوی مترجم قرآن اور سن ۱۹۵۴ء میں فقہ اللغۃ اور ادبیات عرب میں محقق۔ ایک اہم ترین کتاب اسی قبیل سے ہے جس میں انتقادی سیرت نگاری کے باب میں ایک اہم فصل موجود ہے۔ (مغرب کی تحقیقی سیرت، منتخب متون و منابع، ص۱۶)

5.Uri Rubin * introduction : the prophet Muhammad and the Islamic sources * Xvii . on Lammens approach see reference in F.E. Peters the QUEST of the historical Muhammad international journal of middle east studies 23.(1991).

کیا گیا ہے۔[1] قابل ذکر ہے کہ ولیم منٹگمری واٹ کے دور میں بہت سارے محققین لامنس کے نظریات کو بہت زیادہ افراطی اور شدت پسندانہ جانتے تھے[2] لیکن محققین متاخّر اس کے اس استنتاج کے زیر اثر آگئے کہ بہت سارے حقائق کی پیغمبرؐ کی حیات کے مدنی دور میں جستجو کی جاسکتی ہے۔[3]

لامنس مدعی تھا کہ حدیث، تفسیر اور سیرت (پیغمبر ﷺ کا زندگینامہ) مضمون اور مواد کے لحاظ سے سب یکساں اور برابر ہیں اور ان کی اصل ایک ہے۔ وہ اس بات کا بھی قائل تھا کہ سیرت کے تمام مضامین حدیث و تفسیر کا محصول اور نتیجہ ہیں۔ اس کے نقطۂ نظر سے پیغمبر کی زندگی، سیرت نگاری کی گزارشات سے تشکیل پائی ہے جو جعلی اور من گھڑت تفسیری مطالب کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے جو کہ قرآنی دلالتوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔[4] دوسرے لفظوں میں لامنس ان مستشرقین میں سے ہے جنھوں نے مکمل طور پر سیرت کی تاریخی قدر و قیمت کو ناصواب اور ساقط الاعتبار جانا ہے۔[5] پیغمبر کی زندگی کا مطالعہ سیرت کے مجموعوں کی بنیاد پر کرنے والے مستشرقین کے بر خلاف، اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ مطالبِ سیرت کا عصارہ و خلاصہ حدیث سے تشکیل پایا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ حدیثی مجموعوں کو اپنے لائق استفادہ خیالی منابع سے خارج نہیں کرتا ہے۔[6]

۳۔ جوسف شاخت

جوزف شاخت (joseph Schacht/۱۹۰۲۔۱۹۶۹ء) ہالنڈی مستشرق اس بات کا قائل ہے کہ جو روایات اپنے سلسلہ سند کے ساتھ پیغمبر یا کسی ایک صحابی تک پہونچتی ہیں وہ در اصل دوسری صدی ہجری کی سیاسی، فقہی اور کلامی تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں اور عصر پیغمبر کی تاریخی اہمیت اور قدر و قیمت سے بے بہرہ

---

1. gegor schoeler the biography of Muhammad nature and authenticity ,p5.
2. URI Rubin , * introduction : the prophet Muhammad and the Islamic sources * Xvii for details see G.Levi della vida ,sira in Encyclapaedia of Islamic 2ed edition leiden :E .J Brill 1934 vol iv p 441
3. Uri Rubin * introduction : the prophet Muhammad and the Islamic sources * Xvii
4. gegor schoeler the biography of Muhammad nature and authenticity ,p3
5. Uri Rubin * introduction : the prophet Muhammad and the Islamic sources * Xvii
6. Ibid xxviii

ہیں۔[۱] البتہ عبد العزیز دوری نے "الزہری، اسلامی تاریخ نگاری کی ابتدا کا ایک مطالعہ"[۲] نامی ایک مقالہ میں شاخت کی لایعنی تنقید کا دندان شکن جواب دیا ہے۔[۴]

شاخت کا اصلی دغدغہ فقہ اسلامی کے مبادی بالخصوص فقہ اسلامی کے تحولات میں شافعی کا مرتبہ ومقام ہے۔ شاخت اس بات پر تاکید واصرار کرتا ہے کہ احادیث نبوی نے۔قرآن کے ہمراہ۔ فقہ اہلسنت کے اساسی پایہ کو تشکیل نہیں دیا؛ بلکہ یہ روایات بعض فقہی اور حقوقی مؤسسات کی تاسیس کے بعد اسلامی معاشرے میں گڑھی گئی ہیں اور پھر ان کو رواج ملا ہے، اسکے بعد ان کے لئے اسناد قبقرائی جعل کی گئی ہیں۔[۳] باوجودیکہ شاخت کے افراطی اور شدت پسندانہ استنتاجات بنیادی طور پر فقہی روایات کے مطالعہ کی دین ہیں، لیکن اس نے صدر اسلام کی تمام روایات میں اپنے نقطۂ نظر کی صحت کا دعوی کیا ہے اور اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ غزوات سے متعلق روایات میں بھی اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کرے۔[۴] ملحوظ خاطر رہے کہ ایسا نظریہ بعض مستشرقین، متکلمین اور اسلامی دانشوروں کے کلام سے استناد کی بنیاد پر صحیح نہیں ہے۔اس کا بیان مرحلۂ نقد و تنقید میں آئے گا۔شاخت بھی اسلام کی تاریخی روایات کی نسبت لامنس سے مشابہ شکاکیت کے مرض میں مبتلا ہے؛اس کے باوجود اس کی شکاکیت کا نقطہ آغاز لامنس کا دعوی نہیں ہے، بلکہ اس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ فقہ اسلامی کے مبادی[۵] کے ارد گرد اپنے خیالات کے تانے بانے کو موضوع سیرت تک تعمیم و وسعت دے۔[۶] وہ معتقد تھا کہ جب تک اس کا بالعکس ثابت نہ ہو جائے، ایک ایک حدیث نبوی کو ایک فقہی اور جعلی حربہ کے عنوان سے

۱۔ اس تعلق سے نگاہ کیجئے درج ذیل مفید کتاب جو اس حوالے سے غربیوں کے مکل نظریات پر مشتمل ہے۔اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ خود مسلمان محققین بھی اسلامی متون کے لسانی ہونے کے مسئلہ پر توجہ رکھتے ہیں، لیکن جو چیز ان کے نظریات کو غربیوں کے نظریات سے جدا اور ممتاز کرتی ہے وہ چیز اسلامی متون کے بے اعتبار جاننے میں مسلمان محققین کا افراط نہ کرنا ہے۔ بہ طور مثال رجوع کیجئے : شاکر مصطفی، التاریخ العربی و المؤرخون، ج۱، ص ۴۷ کے بعد (بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۸۳ء) ۔

Herbert berg the development of exegesis in early islam Curzon 2000

2.see a.a. duri al zuhri a study on the beginning of history writing in islam bsoas xix (1957) : 1-12

۳۔ مرتضی کریمی نیا، مغرب میں سیرت کی تحقیق، منتخب متون و منابع، ص ۱۶۔۱۷؛ بارالڈ موتزکی، زندگینامہ حضرت محمدؐ تحقیق منابع، ص ۱۱۰۔

۴۔ مغرب میں سیرت کی تحقیق، منتخب متون و منابع، ص ۱۷؛ زندگینامہ ی حضرت محمدؐ؛ تحقیق منابع، ص ۱۱(منقول از:

Joseph Schacht , A Revaluation of Islamic tradition , journal of the royal Asiatic society 49 , 143-154(1949); idem , of musa b. uqba's kitab al maghazi " ,acta orientalia 21, 288-300. (1953)

5.J, Schacht , the origins of muhammadan jurisprudence oxford Clarendom press 1950.

6.The biography of mohammad nature and authenticity ,p.3-4

سمجھا جائے جو آگے چل کر بیان کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔[1]

۴۔ جان ونزبرو

۱۹۷۰اور ۱۹۸ عیسوی کی دہائیوں میں پیغمبر ﷺ کی سیرت اور اسلام کی تاریخ کے باب میں کچھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں اور ان کے مؤلفین نے ایگناس گولڈزیہر (Ignaz Goldziher/۱۸۵۰۔۱۹۲۱ء) اور جوزف شاخت (joseph Schacht/۱۹۰۲۔۱۹۶۹ء) کے نظریات کو اور زیادہ منسجم اور منظّم طریقے سے تسلیم اور پیش کیا۔ان سب کے درمیان وجہ اشتراک، پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کی تشکیل و تعمیر نو اور پہلی صدی ہجری کے حوادث و واقعات میں، اسلام کی ابتدائی صدیوں کے منابع میں منقول روایات کو تاریخی منبع اور سرچشمہ کے عنوان سے قبول نہ کرنا ہے۔ ان سب کا پیشوا جان ونزبرو (john Wansbrough/۱۹۲۸۔۲۰۰۲ء) نامی ایک مستشرق تھا جس نے ۱۹۸۶عیسوی میں اسلام کی ابتدائی صدیوں کے منابع کی وثاقت کی سخت اور دشوار بحث کو افراطی اور شدت پسندانہ شکل میں پیش کیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ۱۹۸۰عیسوی کی دہائی میں پاٹریشا کرونہ (patricia Krone متولد ۱۹۴۵عیسوی)، مائیکل کوک (Michael Cook/متولد ۱۹۴۰ عیسوی)اور اری ربین (Uri Rubin/متولد ۱۹۴۷ عیسوی) جیسے دوسرے شکّاکین کی کتابوں کے منظر عام پر آجانے سے اس کے نقطہ نظر کو اور قوت ملی؛البتہ جوسف وان اس(josef Van Ess/متولد ۱۹۳۴ عیسوی)[2] اور خاص طور پر ویلیم منٹگمری واٹ[3] اور رابرٹ سرجینٹ (Robert Serjeant/۱۹۱۵۔۱۹۹۳ عیسوی) کی جانب سے اس کا شدید ردِّ عمل سامنے آیا۔[4] جان ونزبرو اپنی کتاب "محیط

۱۔ نادر پور نقشبند، سیرتِ رسول اکرمؐ کے ساتھ اہل مغرب کے رویہ کی کیفیت، ص۱۱ منقول از

Martin forward , mohammed der prophet des islam sein leben und seins wirkung Freiburg,p152, 1998

۲۔ فان اِس حدیث کے موضوع پر اپنی لکھی ہوئی کتاب میں احادیث کی تحقیق میں تحلیلِ متن و سند کی روش سے استفادہ کرتا ہے اور اسی روش کی بنیاد پر شاخت کے نظریات کی احادیث کے آغاز اور توسیع کے بارے میں تضعیف بھی کرتا ہے (سہیلا شینی میرزا، مشرق شناسی اور حدیث، ص۱۲۱-۱۲۲) اس کی کتاب کے کتاب شناسی مشخصات درج ذیل ہیں::

Josef van ess , Zwischen hadith und theologie : studies zum Entsehen pradestinatianischer uberlieferung berlin & new york : de gruyter , 1975

3.W. m. watt, the reliability of ibn-ishaq 's sources in fahd (1983:32)

4.gregor schoeler , the biography of mohammad nature and authenticity p.

فرقہ"[1] میں اپنی مخصوص روش یعنی حدیثی متون کی ادبی تحلیل کے ذریعے صدر اسلام کے حوادث و واقعات میں ہر طرح کی تاریخی تعمیر نو کی نفی کرتا ہے۔[2] وہ پہلی بار "تاریخ نجات"[3] کی اصطلاح کو ہجرت کی ابتدائی صدیوں کے منابع اور متون کی توصیف میں بروئے کار لایا اور وثاقت منابع کی مشکل کو نہایت سنجیدگی کی ساتھ ذکر کیا۔اس کی رو سے ساتویں صدی عیسوی کے حجاز سے مربوط تاریخی منابع بالاصالت ادبی اور تفسیری ہیں ؛اور تاریخ صدر اسلام کی روائی گزارشات کو "تاریخ نجات" (Salvation History) کے عنوان سے پڑھنا چاہئے ؛اور ایسی روئیدادوں اور گزارشات کی تحقیق و تفسیر ادبی تنقید کا موضوع ہے، تاریخ نگاری کا نہیں۔[4] ونزبرو کا عقیدہ ہے کہ گذشتگان کے تصور کے برخلاف ،اسلام کی ابتدائی صدیوں کے منابع اس بات کو بیان کرنے کے فراق میں نہیں ہیں کہ صدر اسلام میں در حقیقت کیا رونما ہوا بلکہ صرف اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان کے بعد کے مؤلفین کیا سوچتے تھے۔بنابراین ،شائد ہم کسی طرح بھی یہ نہ جان سکیں کہ حقیقت میں صدر اسلام میں کیا کچھ رونما ہوا ہے ؛جو کچھ ہماری دسترس میں ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو جانیں کہ آخر کی نسلوں کے عقائد کے مطابق پہلی صدی ہجری میں کیا رونما ہوا ہے۔[5]

۵اور ۶۔ پاٹریشا کرائن اور مائیکل کوک

جان ونزبرو کے دو شاگردوں پاٹریشا کرونہ (Patricia Krine /متولد ۱۹۴۵ء) اور مائیکل کوک (Machael Kook/متولد ۱۹۴۰ء)[6] نے اپنی مشترک اور افراطی کتاب "ہاجریسم" میں اس بات کی کوشش کی کہ کسی

1. John Wansbrough, the sectarian milieu : content and composition of Islamic salvation history , oxford : university press, 1978.

۲۔ مغرب میں سیرت کی تحقیق؛ منتخب متون و منابع ص۱۸اہارالد موٹزکی، حضرت محمد ﷺ کی سوانح حیات ،؛ تحقیق منابع، ص ۱۲ , Uri Rubin introduction the prophet muhammed and the Islamic sources xxxi

۳۔Salvation History تاریخ نجات سے مراد ، تصور تاریخ ہے، جیسا کہ خدا کے ارادۂ نجات نے اس کو حیات بخشی ہے جو ہدایت کے لئے ایک مکمل منصوبہ بندی کے نفاذ سے معرض وجود میں آیا ہے۔درحالیکہ یہ تصور خود نبوت اور پیغمبر ﷺ کے بارے میں غور و فکر کا طلبگار ہے ؛لیکن آپ کی نبوت کے تاریخی تحقق سے غیر مربوط نہیں ہے (حضرت محمد کی زندگی)، تحقیق منابع، ص ۹۴)۔

4۔gregor schoeler the biography of Muhammad nature and authenticity p.9

۵۔ مغرب میں سیرت کی تحقیق؛ منتخب متون و منابع ، ص ۱۸ ۔ جان ونزبرو کے نظریات سے ایک فارسی البتہ ناقص رپورٹ کے لئے، رک: اندرو ریپین ، قرآن، تفسیر اور سیرت کی ادبی تحلیل : جان ونزبرو کی روش شناسی پر ایک نظر (ترجمہ مرتضی کریمی نیا) ، فصلنامہ تحقیقات قرآنی، ۲۳-۲۴ ، ۱۹۰-۲۱۷۔ (۱۳۷۹)

۶۔ کرونہ اور کوک نے ، حقیقت میں ہنری لامنس اور بیکر کے نظریات کو مزید توسیع دیتے ہوئے پیش کیا ہے۔ رک:

طرح تاریخ صدر اسلام کی خارجی تشکیل نو میں مداخلت کریں۔انھوں نے اپنی اس افراطی راہ وروش میں بنیادی طور عالم اسلام کی فضا سے ہٹ کر کتبوں، سنگی نوشتوں اور سکّہ شناسی کے شواہد پر تکیہ کیا جو اگرچہ اسلامی منابع کی وثاقت سے محروم تھے لیکن بےاثر اور بیکار شواہد و مدارک نظر آتے تھے۔ان کی شدت پسندی اور افراطی روش نے یہ صورت اختیار کر لی کہ متن قرآن کریم کی وثاقت حتیّٰ پیغمبر اسلام ﷺ کے مواعظ اور تعلیمات کو بھی مُشکوک قرار دیا۔اس طرح تاریخ صدر اسلام کو محفوظ اور بیان کرنے والا آخری اور معتبر ترین منبع وسرچشمہ یعنی قرآن کریم بھی مغربی مستشرقین اور سیرت نگاروں کے اس حلقے کی دسترس سے باہر ہو گیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت محمدؐ کی سیرت کی تدوین کا امکان بھی عملاً منتفی ہو گیا[۲]۔لیکن یہ تصویر جو کرونہ اور کوک نے تاریخ صدر اسلام کے تعلق سے سیرت پیغمبرؐ کی غیر اسلامی متون سے اقتباس کرتے ہوئے پیش کی ہے وہ اس حد تک باطل اور مسخ شدہ تھی کہ کسی دوسرے اسلام شناس نے بھی نہ اس کو پسند کیا اور نہ ہی اس کا دفاع کیا۔[۳]البتہ کرونہ اور کوک کے نظریہ پر مسلمانوں نے سخت تنقید کی ہے، جس کا بیان نقد و تبصرہ کے باب میں آئے گا۔ صدر اسلام کی روایات کی وثاقت کے بارے میں شک و تردید نے پاٹریشا کرونہ کی کتاب ''تجارت مکہ''[۴] کے منظر عام پر آنے کے بعد اور زیادہ شدت اختیار کی۔[۵]

W. Montgomery watt , the reliability of ibn ishaq 's sources la via du prophet Mahomet , Colloque de Strasbourg (October 1980) paris , 31-43, 1983

اپنی کتاب کی تدوین سے پہلے ابن اسحاق کی مستقل روایات کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے واٹ کی تلاش

1. Patricia crone & Michael cook , Hagarism : the making of Islamic world Cambridge university press , 1977.

۲۔ مغرب میں سیرت کی تحقیق؛منتخب متون و منابع، ص۱۸۔۱۹؛حضرت محمد کی سوانح حیات؛ تحقیق منابع، ص ۱۲۔ ۱۳ارک: کورن و ی،د۔نوو*اسلامی مطالعات کا اصولی طریقہ کار،'' ترجمہ شادی نفیسی)،آئینہ تحقیق، ۱۱۴،۵۶۶۔ ۵۸۳، (۱۳۸۷)؛اسی طرح رک: ی. کورن و ی۔ مغرب میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت نگاری، *کتاب ماہ دین، ۱۱۰۔ ۱۱۳، ۹۴۔۹۹، (۱۳۸۵) آقائے کریمی نیا نے اس مقالہ کی تدوین میں کتاب ہارالڈ مونٹزکی کی کتاب پر مقدمہ کے علاوہ درج ذیل کتاب شناختی مشخصات کے ہمراہ

Herald motzki (ed) the bibliography of Muhammad the issue of the sources leiden e.i. brill 2000, pp.xiv. xv

کتاب ''حیات محمد ''پر اُری رُبین کے مقدمہ سے استفادہ کیا ہے۔اس کتاب کے کتاب شناختی مشخصات درج ذیل ہیں :

Uri Rubin (ed) the life of Muhammad Hampshire : Ashgate publishing limited , 1998.

۳۔ نادر پور نقشند، رسول اکرمؐ کی سیرت کے ساتھ مغربی ماہرین اسلام کا رویہ اور طرز عمل، ص ۱۱

4. P. crone ,Meccan Trade and the rise of Islam , Princeton , NJ, 1987

5. Gregor Schoeler , the biography of mohammad , nature and authenticity .p,8

روبرٹ برٹرام سرجینٹ کی اہانت آمیز اور نیش دار تنقید کو کرونہ کے تند و شدید لیکن انفعالی اور دفاعی ردّ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔[1] سرجینٹ بھی واٹ کی طرح ذیل کے تاریخی واقعات کی شناخت میں روشِ شناسائی کی طرف مائل نظر آتا ہے؛ کیونکہ شناختی روش کے لحاظ سے ہمیں مجبوراً اس فرض کے ساتھ کام کو شروع کرنا پڑتا ہے کہ ایک روایت ایک صورت واقعہ کی اصلی گزارش ہے مگر یہ کہ کل یا بعض روایت کا اعتبار یا اس کا جعلی ہونا طرفین منازعہ میں سے کسی ایک طرف آشکارا میلان کی وجہ سے ثابت ہو جائے۔[2] وہ کرونہ پر اس اصل سے غفلت برتنے کا الزام لگاتا ہے۔ کرونہ اپنے دفاع میں تاکید کرتا ہے کہ اگرچہ اس کی پہلی کتاب "ہاجریسم" میں اس کا سابق مفروضہ اسلامی منابع کے لحاظ سے شک و تردید کا باعث رہا ہے لیکن وہ کتاب "تجارت مکہ" میں دقیق تحقیقات کے نتیجے میں نتیجہ نکالتا ہے کہ منابع کے تعلق سے اس کی تحلیل، ان کی وثاقت و اعتبار کے بارے میں منفی قضاوت پر منتج رہی ہے۔[3] ریچرڈ بولیٹ متولد ۱۹۴۰عیسوی نے کتاب "تجارت مکّہ پر ایک مرور" عنوان کے تحت ایک مقالہ میں کرونہ کے نظریات پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔[4] فکتور سحاب ایک دوسرا محقق ہے جس نے تجارت مکّہ اور اہل مکہ کے موسم سرما اور گرما میں سفر پر تفصیلی تحقیق کی ہے اور پھر اس کے اپنا کچھ وقت کرونہ کے نظریات پر نقد و تبصرہ کرنے کے لئے مخصوص کیا ہے۔[5] اری ربین نے بھی "تجارت مکہ اور قرآنی تفاسیر" عنوان کے تحت ایک مقالے میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۸ کے ذیل میں کچھ نکات پیش کرتے ہوئے کرونہ پر تنقید کے ذیل میں کچھ مطالب بیان کئے ہیں۔[6]

کرونہ جداگانہ مثالوں کی بنیاد پر معتقد ہے کہ اسلامی روایات خیالی(Unrealistic)، تناقض سے پُر

---

1. Ibid , See .p . crone Serjeant and Meccan trade Arabica 39,216-40, (1992)

2. W. Montgomery Watt , The reliability of Ibn-Ishaq's sources , in Fahd, 32 , (1983)

3. Gregor Schoeler , The biography of Mohammad nature and authenticity , p.8

۴۔ محمد کاظم رحمتی، *بیت المقدس پر تکیہ کرتے ہوئے اسلامی مطالعات میں مغربی ماہرین اسلام کی موضوع سیرت پر تحقیقات* ص۸۷ منقول از

Richard W . Bulliet , Book Review international Journal of Islamic and Arabic studies , 4(2) pp.69-72, 1987

۵۔ فکتور سحاب، ایلاف قریش، ص۴۲۱۔ ۴۳۲ ، (بیروت، المرکز الثقافی العربی، ۱۹۹۲ء) اسی طرح کتاب سحاب کا مأخذ شناسی کا حصہ تجارت مکہ کے تعلق سے بعض تحقیقی مقالات کی مفصل فہرست پر مشتمل ہے۔ (رک: سابق حوالہ، ص۴۴۰۔۴۴۸)۔

۶۔ محمد کاظم رحمتی، *مکتب بیت المقدس پر تکیہ کرتے ہوئے اسلامی مطالعات میں سیرت کی تحقیقات* ص۸۷ منقول از

Uri Rubin , Meccan Trade and Quranic exegesis (QURANIC 2: 198) ,Bsoas, 53: 421,428,(1990)

(Contradiction) ، بے ثبات (Inconsitency) اور نامتعارف (Anomaly) ہیں۔[1] وہ اس حالت کی تاریخی حوادث و واقعات کے ایک مجموعہ کی بنیاد پر وضاحت کرتا ہے اور اس کو ظہور اسلام کے بعد سماج، سیاست اور دین میں بنیادی تبدیلیوں، اسالیب نقل اور کلمات قصار کے زبانی نقل کا مرہون منّت جانتا ہے۔[2] کرونہ کے نقطۂ نظر سے پیشہ ور راوی حضرات اپنی دستکاری اور ان روایات کو شاخ و برگ دینے کی وجہ سے جن کے راوی وہ خود ہیں ملامت و سرزنش کے حقدار ہیں۔[3] کوک کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری کے مکتوبات کی تحقیق میں راوی کی وثاقت کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے کوئی بھی معیار موجود نہیں ہے۔[4] دونوں دانشوروں نے بارہا تاکید کی ہے کہ صحت تاریخی کی تشخیص کیلئے ضروی ہے کہ ہم اسلام سے باہر کے منابع (بیرونی شاہد (External Evidence) کی جستجو کریں؛ مثال کے طور پر غیر اسلامی متون یا آثار قدیمہ سے حاصل شدہ آثار میں صحّت تاریخی کی جستجو کریں۔[5] مائیکل کوک "محمد ﷺ"[6] عنوان کے تحت اپنی کتاب میں جسے اس نے بلا شرکت غیرے ۱۹۸۳عیسوی میں شائع کیا، اپنے پہلے کی مشترک کتاب "ہاجریسم"[7] کے برخلاف جو اس نے خاتون پاٹریشا کرونہ کے اشتراک سے شائع کی تھی، صرف قرآن کریم اور رائج و متداول منابع کو مبنی قرار دے کر سیرت پیغمبرؐ کی تحلیل کرتا ہے اور وثاقت منابع کی بالکل بھی تحقیق اور چھان بین نہیں کرتا۔ وہ اس کتاب میں لکھتا ہے کہ منابع ومدارک سیرت مشکوک اور غیر قابل اعتماد ہونے کے ساتھ

---

1. Gregor Schoeler , the biography of Mohammad nature and authenticity , p. 5

2. Ibid ..

3. Ibid.. کرونہ اپنی بعد کی کتابوں "غلام گھوڑوں پر" (۱۹۸۰ء)، "تجارت مکہ" (۱۹۸۷ء) میں کتاب "ہاجریسم" کی طرح صدر اسلام کے تاریخی منابع کی رد میں پہلے کی طرح بہت محکم اور استوار نہیں ہے (۱۹۷۷ء) ایک طرف وہ ان کی اصالت اور کارآمدی کی تردید اور نفی کرتا ہے اور دوسری طرف اپنی تحقیق میں ان پر اعتماد کرتا ہے یہ ایسی چیز ہے جس سے وہ خود اور اس کے ناقدین آگاہ ہیں۔ مونٹز کی کتاب تجارت مکہ (ص ۲۲۶، ۱۹۹۹ء) نظر ثانی کرتے ہوئے لکھتا ہے: پاٹریشا کرونہ کے نظریہ کی جو کچھ وہ ان منابع کے بارے سمجھتا ہے، اس سے تضعیف ہوتی ہے؛ وہ مجبور ہے کہ حقائق کو انھیں منابع سے اخذ کرے جنھیں وہ بے حاصل اور ناکارآمد سمجھتا ہے۔ کتاب "غلام گھوروں پر سوار" کی نظر ثانی میں البتہ ہم سوال کر سکتے ہیں کہ اگر عربی تاریخ نگاری کے کچھ حصے کی تائید ہو جائے تو کیا ہم اپنی شکایت کے دائرے کو بقیہ تک اجو کچھ وجوہات کی بنا پر بے بنیاد اور بے اساس ہیں۔ آگے بڑھا سکتے ہیں۔
Gregor shcoeler, The Biography of Mohammad , Nature and Authenticity , p. 5.fn, 61

4. Ibid,p.5

5. Ibid..

6. Michael Cook , Muhammad oxford : oxford university Press , 1983

7. *Patricia Crone and Michael cook, Hagarism:The Making of Islamic world,Combridge: combridge u niversty press*,1997

ساتھ حساس مقامات پر گمراہ کرنے والے ہیں اور عملاً تاریخی اعتبار سے محروم ہیں۔[1] کوک کا یہ عقیدہ بھی اس کے دوسرے نظریات کی طرح مسلمان علماء اور دانشوروں کے نزدیک شدید تنقید کا نشانہ بنا ہے جس کا بیان نقد و تنقید کی بحث میں آئے گا۔ لیکن اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ تھوڈور نلدکہ (Theodor Noldeke/۱۸۳۶،۱۸۳۶۔۱۹۳۰ء) اور کارل ہائنریچ بیکر (Carl HeinrichBecker/۱۸۷۶۔۱۹۳۳ء) افراطی شکاکوں کے برخلاف تاریخ صدر اسلام اور ہجرت کی ابتدائی صدیوں کی روایات کی بنسبت اعتدال پسندانہ موقف اختیار کرتے ہیں۔[2] نلدکہ نے خاص مثالوں کو بنیاد قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ لئونہ کایتانی اور ہنری لامنس بیشتر اوقات افراطی شکاکیت (Skepticism) کا شکار ہوئے ہیں۔ بکر کو بھی پتہ چل گیا کہ ہنری لامنس نے صرف وہ روایات نقل کی ہیں جو اس کے مدعا کے لئے مدّ و معاون[3] ہوں (کیونکہ لامنس کے لئے ایک کیتھولیک پادری کے عنوان سے وہ روایات اہمیت رکھتی تھیں جن میں حضرت محمدؐ کی نامطلوب اور ناپسندیدہ تصویر پیش کی گئی تھی) اور ہر وہ بات جو اس کے مدعی کے اثبات کی راہ میں رکاوٹ ہو اور اس کے مدعا کی نفی کرتی ہو، اس کی ردّ کرتا تھا؛ یعنی جن روایات میں حضرت محمد ﷺ کی مثبت تصویر پیش کی گئی ہو ان روایات کی تردید کرتا تھا۔ ۱۹۷۰[4] عیسوی کی دہائیوں میں نلدکہ اور بکر کے اعتدال پسندانہ نظریات حاکم تھے۔ چنانچہ اس بات کو ہم فرانٹس بوہل (FrantsBuhl/۱۸۵۰ء)، ویلیم منٹگمری واٹ (WilliamMontgomery Watt/۱۹۰۹۔۲۰۰۶ء) اور رودی پارٹ (Rudi paret/۱۹۰۱۔۱۹۸۳ء)

۱۔ مرتضی کریمی نیا، مغرب میں سیرت کی تحقیق؛منتخب متون و منابع،ص۔۱۹؛ہارالڈ مونتزکی ،حضرت محمدؐ کی سوانح حیات؛ تحقیق منابع، ص ۱۳،رک: کورن وی، د۔نوو"اسلامی مطالعات کااصولی طریقہ کار"، ص ۵۷۷۔۵۷۸؛(مرتضی کریمی نیا)،"مغرب میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت نگاری کااجمالی جائزہ"، ص ۹۴ -۹۹،؛مرتضی کریمی نیا،" مغرب میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت نگاری"،آئینہ تحقیق ۶۸ (۱۳۸۰)

2. Gregor Schoeler , The Biography of Mohammad, Nature and Authenticity ,p.3

تئوڈور نلدکہ (Theodor Noldeke 1836-1930ad) باوجودیکہ حضرت محمدؐ کی پیغمبرانہ حقیقت اور الہام کی حقانیت پر تاکید کرتا ہے اور دماغی بیماری کی ان سے نفی کرتا ہے، اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ہیجان آور عواطف وجذبات کا شکار تھے جس کی وجہ سے انھیں یقین ہو گیا کہ وہ غیب اور الوہیت سے ارتباط رکھتے ہیں (ریچرڈ بل، تاریخ قرآن کا تعارف، ص ۴۶۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ نعوذ باللہ شدید توہمات کا شکار تھے، اس بات کا توہم کہ خدا بذریعہ جبرئیل انھیں پیغام بھیجتا ہے، لیکن یہ بات بعید از حقیقت تھی۔

3.Ibid.

4. W. Montgomery watt, Muhammad at mecca oxford clarendon press 1953 pp. xiff: idem Muhammad at medina oxford clarendon press 1956.pp. 336ff..

جیسے مؤلفینِ سیرت کے انتقادی اظہارات میں حضرت محمد ﷺ کے تعلق سے بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔[1]

صدر اسلام کی تاریخی روایات کی وثاقت و اعتبار کی نسبت تردیدوں کا دوسرا دور ۱۹۷۰ اور ۱۹۸۰عیسوی کی دہائیوں میں وقوع پزیر ہوا۔ان تردیدوں کا سر آغاز صدر اسلام میں دور خلافت سے مربوط گزارشات کے بارے میں البرشٹ نوٹھ (Albrecht Noth/۱۹۳۷۔۱۹۹۹ء) اور سلا سز گین (Ursula Sezgin/متولد ۱۹۷۰ء)کے درمیان ایک نزاع تھا۔[2] نوتھ جو بطور خاص جولیوس ولہاوسن(Julius Wellhausen/۱۸۴۴۔۱۹۱۸ء)کے مکتب کی تھیوری کو اختیار کرتا ہے [3]،اپنے مطالعہ کا آغاز صدر اسلام کی فتوحات سے مربوط مستقل روایات کی تحلیل سے کرتا ہے۔اس نے یہ سمجھا کہ روایات اپنی سیر طولانی میں پہلے راوی سے لے کر روایت کے جمع کرنے والے تک جعل و تحریف (Falsifcation)کا شکار ہوئی ہیں [4]۔یہ تحریف یا پھر تغییر (M odifcation)، تلخیص (Summarization)، تبویب (Systematization)، تفصیل (Amplification)، اجمال (Abridgement) ، غلط تربیب زمانی (False Chronological) ، ترتیب اصلی AsLArrangement)، حذف(Omission)، جعل (Invention)، اور دست کاری واندراج جیسے امور کی وجہ سے وقوع میں آئے [5] ۔ البتہ اگرچہ تاریخ صدر اسلام میں بالخصوص اہلسنت کے یہاں نقلِ روایات

1.gregor schoeler the biography of Muhammad nature and authenticity , p.4

2.ibd

۳۔ ولھازون کے نقطہ نظر سے، احادیث دو اصلی حصوں میں قابل قسمت ہیں: وہ احادیث جو ابن اسحاق اور واقدی جیسے مکی ومدنی (حجازی) بزرگوں سے نقل ہوئی ہیں اور وہ احادیث جو ابو مخنف اور سیف بن عمر جیسے عراقی علمائے اعلام سے نقل ہوئی ہیں۔ ولھازون ان احادیث میں رتبہ اول کی روایات کو مقدم رکھتا ہے اور ان احادیث کو جو رتبہ دوم کے ذریعہ افسانوی عنوان کے تحت نقل ہوئی ہیں،ان کی طبقہ بندی کرتا ہے۔ دوسری طرف ،نُٹ نشان دہی کرتا ہے کہ قضاوت کو مستقل احادیث پر مبتنی ہونا چاہئے نہ کہ مکاتب پر، کیونکہ اسکے مطابق ان دونوں قانونی اور مشہور مکاتب نے غالبا احادیث سے یکساں طور پر استناد کیا ہے (Ibid,p.4.fn.35)

۴۔ شوئلر اس بارے میں اور نٹ کے بیان کردہ بیشتر دوسرے مطالب کے بارے میں ان سے اتفاق رکھتا ہے۔ لیکن وہ چونکہ معتقد ہے کہ ہم عمدی اور آگاہانہ مجعولات سے روبرو نہیں ہیں، ''اصلاح'' و'' تغییر'' جیسی عبارات کو ترجیح دیتا ہے۔ چونکہ یہ مطالب خود نٹ کے نظریات سے ہم آہنگ ہیں،اس لئے اس کی جدید ترین مطبوعہ انگریزی کتاب (ص۶،۱۹۹۴ء) کے حاشیہ پر نقل قول کے عنوان سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب میں استعمال شدہ مفہوم جعل و تحریف ،راویوں کے کام کی طرف اشارہ کرتے ہیں نہ کہ ان کے محرکات کی طرف۔ دوسرے لفظوں میں اس فکر یا مفہوم کو منتقل کرنا مقصود نہیں ہے کہ مؤلفین نے عمداً اور جان بوجھ کر جھوٹی اور گمراہ کن روایات جعل کی ہیں ،بلکہ مدعی ہے کہ ان سالیب کے نتائج یہ ہیں کہ انھوں نے اپنے مطالب کو تاریخی حوادث کی منظر کشی کے لئے پیش کیا ہے جو بہت تحریف شدہ یا مکمل طور پر غلط تھے . (Ibid , p.4,fn.36)

5. Ibid,.

میں جعل کے کچھ موارد موجود ہیں، لیکن تین صدیوں تک ائمہ معصومین علیہم السلام کی موجودگی کی وجہ سے روایات شیعہ زیادہ سلامت سے بہرہ مند ہیں، اور محققین آج بھی سند و متن روایات کی تحقیق کر رہے ہیں۔[1]

ایک افسوس ناک بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ آلبرشت نوتھ کے نظریات نے صدر اسلام کی تاریخ نگاری کے شعبے میں بعد کی تحقیقات میں بہت گہرا اثر چھوڑا ہے اور اس کی تاثیر کو انگریزی زبان کی تحقیقات میں (Anglophone) اور جرمن زبان کی تحقیقات کی بنسبت زیادہ وسعت ملی ہے۔ ہم بطور نمونہ دو تحقیق کا ذکر کر رہے ہیں، جن کے مؤلفین نے نوتھ کے نقطۂ نظر اور طریقۂ کار کو اپنا شیوہ بنایا ہے:

۱۔ الالانڈو۔ تاسرون (Ella Landau Tasseron) کی تحقیق، سیرت کے ایک جملہ کی بنیاد پر بزعم خود اثبات کیا ہے کہ تاریخی حوادث و واقعات میں بنیادی تبدیلیاں نہ صرف یہ کہ جانبدارانہ تحریفات (Tendentions) کی وجہ سے وقوع پزیر ہوئی ہیں بلکہ تصحیح کا عمل بھی (خاص طور پر واقدی کے تعلق سے) اس میں موثر رہا ہے۔

۲۔ لورنس کنراڈ (Lawrence I Conrad/متولد ۱۹۴۹ء) نے تاریخی حوادث و واقعات کے بارے میں بالکل غیر تاریخی (Ahistorical) گزارشات کے ظہور کی وضاحت کی ہے جو ادبی سنتوں کے ایک مجموعہ اور تکراری مضامین کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس کو مسیحی۔ قدیم سریانی منابع کی تحقیق میں کامیابی ملی جو زمانی لحاظ سے واقعات سے نزدیک تر ہیں اور اسلامی تاریخ نگاری کی نسبت زیادہ وفادار نظر آتے ہیں۔ واقدی سے اخذ شدہ مطالب کی تحلیل کی روشنی میں یقین کرنا چاہئے کہ لانڈو۔ تاسرون اور کنراڈ کے افکار و خیالات زیادہ تر واقدی کے ذریعے فراہم شدہ متون سے مأخوذ ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلامی محققین کے نزدیک ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔[3]

نوتھ کے نتائج اور سولا سز گین کی تحقیق نقد و انتقاد کا موضوع قرار پائے اور اس کی ایک تحقیق، اسلام کی

۱۔ رک: سید رضا مؤدب، تاریخ حدیث، ص ۲۳-۸۳، قم، (مرکز جہانی علوم اسلامی، ۱۳۸۴)؛ مجید معارف، تحلیلی طریقہ کار کے ہمراہ حدیث کی عمومی تاریخ، ص ۲۰۱-۲۹۹ (تہران، کوئر، ۱۳۸۸)؛ سہلہ غروی نائینی، تاریخ حدیث شیعہ، ص ۱۹-۳۲۵ (تا قرن ۵)، (قم؛ شیعہ شناسی، ۱۳۸۶)

۲۔ وہ نوشتہ جات جن کی کتابت انگریزی زبان میں ہوئی ہے، خواہ مؤلف خود انگریز ہو یا غیر انگریز۔

3 . ibid

تاریخی روایات کے تعلق سے خلفائے اوّلین کے ارد گرد منظر عام پر آئی۔[1] ہم یہاں پر صرف ان کے اختلافی پہلو پر توجہ دیں گے؛ یعنی سزگین کے نظریہ کے مطابق پہلے راوی سے لے کر روایت کے جمع کرنے والے تک، ان میں سے ہر ایک کی تحقیق کریں گے اور مستقل روایات کے نقل وانتقال کا جائزہ لیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ تحریف کے عمل کو مسلم اور یقینی ماننے کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ پہلے راوی کی روایت کا متن جس کا مضمون معمولا شہود عینی کی [درست یاادّعائی] گزارشات پر مشتمل ہے کبھی بھی سرزنش اور انتقاد سے خالی نہیں ہے ؛۔ چنانچہ وہ تزئین وآرائش(Embellishment) تقلیل (Extenuation) یا متن میں کسی بھی طرح کی مشابہ دستکاری کاانکار نہیں کرتا ہے؛ لیکن اس کا ماننا ہے کہ اس مرحلہ کے بعد متون قابل اطمینان اور لائق اعتماد نقل پر مبتنی ایک نظام کے مطابق منتقل ہوئے ہیں ؛اس کا یہ مطلب ہے کہ روایاتی جملہ بندی میں منحصر متون میں منابع کو جمع کرنے والوں کی دخل اندازی بغیر کسی مناسب وضاحت کے تبدیل نہیں ہو سکتی ہے۔[2]

ٹیلمان ناگل(Tilman Nagel/متولد ۱۹۴۲ء) سیرت سے متعلق ہم عصر تحقیق کرنے والوں میں سے ایک ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے حوالے سے ابھی اس کی دو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں؛[3] جن میں سے صرف ایک کتاب بعنوان :''حضرت محمد ﷺ :زندگی اور افسانہ'' ہماری گفتگو اور بحث کا موضوع اور محور ہے۔ یہ کتاب ہزار صفحات پر مشتمل پیغمبر ﷺ کا نہایت ہی عالمانہ زندگینامہ ہے۔[4] گرگور شولر اس کتاب کے بارے میں کہتا ہے: ''اس کتاب کے تعلق سے پہلی خوشی جو ہوئی وہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر تحقیق کی قابل احترام جرمنی روایت پھر سے شروع ہوئی ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ جلد ہی یہ روایت ختم ہو جائے گی۔ اگرچہ ناگل تحقیقات معاصر کے بارے میں چند صفحہ بحث کرتا ہے لیکن بظاہر حالیہ تحقیقات کے بنیادی

1.Ursula Sezgin , abu mikhnaf . Ein Beitrag zur historiographie der umaiyadisehen zeit , leiden : e .j. brill 1971

2.Gregor schoeler the biography of mohammad nature and authenticity p.5

3. T. nagel mohammad leben und legend muinch 2008, T . nagel allahs libeling : ursprung und erscheinungsformen des mohammedglaubens muinch 2008.

4.Gregor schoeler the biography of mohammad nature and authenticity p.11-12

ادراکات سے جاہل اور بے خبر ضرور ہے، بالخصوص تاریخ نقل کے شعبے میں اس کو واقفیت نہیں ہے۔ایسا لگتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر جدید اور اہم مطالعات کے نتائج کو جو اس کے نظریات سے متضاد اور متصادم ہیں، نظر انداز کرتا ہے"۔[1]

ناگل تاکید کرتا ہے کہ ہمیں غیر تاریخی مطالب (Vell of the Unhistorical) کی نقاب کو اتار پھینکنا چاہئے تاکہ صدر اسلام کے تاریخی حقائق تک ہماری رسائی ہوسکے یا ہم انھیں سمجھ سکیں۔یہ نقاب ایک طرف حضرت محمدؐ کی شخصیت کو غیر تاریخی دکھانے (تاریخ کی نابودی : Destruction of History)[2] کے رجحان کو شامل ہے اور دوسری طرف ایک خاص افسانوی تشکیلی اصول (Legendary Formation Principles) کو بھی شامل ہے جن کا ذکر ناگل نے کیا ہے،اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مکّہ کو ایک بہت برے شہر[3] کی شکل میں پیش کیا ہے۔[4] ناگل کے مطابق خود پیغمبر ﷺ نے اس تاریخی تحریف کے عمل کی شروعات کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ نگاری ابتداء سے ہی بدل گئی[5]۔ناگل اسلام کے رائج منابع پر حاکم تشکیلی اصول کی کاپی کرکے اور اس سے پیدا شدہ تحریفات کو حذف کرکے امید کرتا ہے اس سے واقعی حوادث وواقعات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ یہ بداطوار صاحبِ قلم پیغمبر ﷺ کی نعوذ باللہ ایک بہت بری تصویر پیش کرتا ہے۔اس کی پوری کتاب اسلام کے بارے میں شدت کے ساتھ انتقادی نظریات سے پر ہے۔[6] شایان ذکر ہے کہ ناگل کے بیشتر نظریات غلط ہیں اور ان کے غلط اور ناصواب ہونے کی نقد و تنقید کی بحث میں نشان دہی کی جائے گی۔

1.Ibid.p.12

۲۔Die Vernichtung GAESCHICHTE اس لیبل کی پشت پر لگا ہوا مفروضہ بہت دشوار اور پیچیدہ ہے اور اِس کلّی کی شکل وصورت میں جس کو ناگل نے آگے بڑھایا تھا بالکل ہی غلط ہے۔ گرکہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ شاہد اصلی، ناگل کو اپنے نظریہ کہ دفاع میں ذکر کرتا ہے (وہ حدیث جس کی رو سے ایک مؤمن کو شکار کا گوشت کھانے کی اجازت ہے ، لیکن جب تک وہ حالت احرام میں ہے خود بنفس نفیس شکار نہیں کرسکتا) جو ناگل کے ادعا کے بر خلاف کی نشان دہی کرتا ہے؛ در حقیقت ، ایک قدیم رائج فقہی حدیث ہے۔اور پہلی کتاب تاریخی جس میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے، وہ واقدی کی کتاب ہے۔ (Ibid,p.12.fn.139)

3. {d} ie Herabwurdigung mekkan zum schlechthin Falschen= demotion of mecca to the categorically bad.

4Gregor schoeler the biography of mohammad nature and authenticity p.12

5Ibid..

6Ibid..

۲/۳۔ نظریہ "شکایت نو"

"تجدید نظر طلب" گروہ کی جوان ترنسل نے جان ونزبرو (John Wansbrough/۱۹۲۸۔۲۰۰۲ء) اور اس کے شاگردوں پاٹریشا کرونہ patricia Crone (/متولد ۱۹۴۵ء) اور مائیکل کوک (Michael Cook۱۹۴۰ء) کے بعد خود کو شکاکان نو (New Sceptics) کا نام دیا، جن کے نام کچھ اس طرح ہیں: یہودا دنوو (Yehuda D Nevo./۱۹۳۲۔۱۹۹۲ء)، یوڈیتھ کورن (Judith Koren /۱۹۳۴۔۱۹۸۶ء)، نرمن کالڈر (Normaan Calder/ ۱۹۵۱۔۱۹۹۸ء)، ہربرٹ برگ (Herbert Berg /متولد ۱۹۰۷ء)، فرانسس ایڈوارڈز پیٹرز (Francis Edwards Peters/متولد ۱۹۲۷ء)، کارل ہاہنز اہلیج (Karl Heinz Ohlig/ متولد۱۹۳۸ء)، جیرالڈ ہاوٹنگ (Gerald R. Hawting/متولد ۱۹۴۴ء) ویم راون (wem Raven)۔

فرد میگراڈونر (Fred Mcgraw Donner /متولد ۱۹۴۵ء) یہ شخص شکایت نو کو علمی پیراڈائم (اصلی نمونہ: paradigm) سے مشابہ ایک چیز جانتا ہے جس نے "روایت کی نقادی" (Tradition – Critival) کے قدیم ترنمونے کی جگہ لے لی ہے اور اس کا تعلق ایگناز گولڈزیہر (Ignaz Gold ziher/متولد ۱۸۵۰۔۱۹۲۱ء)، البرچٹ نوتھ (Albrecht Noth/۱۹۳۷۔۱۹۹۹ء)، مناخیم قسطر (Menachem JKister متولد ۱۹۴۴۔۱۹۶۹ء) اور اس کے مکتب سے ہے۔ فرد میگرا، دونر ہنری لامنس (Henri Lammens /۱۸۶۲۔۱۹۳۷ء) کو ایک پیشرو کی حیثیت سے اور جوسف شاخت (Joseph Schacht/۱۹۰۲۔۱۹۶۹ء) کو شکایت نو کا پہلا نمائندہ جانتا ہے۔[1]

جس طرح کی شکایت کے ونزبرو، کرونہ اور کوک طرفدار تھے وہ شکّایت کوئی نوابتکار نہ تھی بلکہ ۱۹۷۰عیسوی کی دہائی کے اواخر میں اس کو دوباہ زندگی ملی، جدید استدلالوں سے مضبوط ومستحکم ہوئی اور بین المللی مباحث کا محور قرار پائی۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کی دہائیوں میں اس کو اور وسعت ملی۔ ابھی حال فی الحال اس شکایت نے کچھ زیادہ ہی افراطی شکل اختیار کرلی ہے۔ جوزف وان اس (Josef van Ess /متولد ۱۹۳۴ء) نے اس نظریہ کے حامل بعض نمائندوں کی خودبینی کی صحت اور درستگی پر سخت تنقید کی ہے جو اپنے نظریہ کو منابع کی تنہا

1.Ibid.,p.9

ہوشمندانہ تفسیر کے عنوان سے معاشرے میں رواج دینے میں لگے ہوئے تھے۔

مؤثر تبلیغات اور مقبولیت عام جو کہ نشریات میں شائع شدہ غوغائی اور آشوب گرانہ مقالات کا نتیجہ ہے، کبھی اس سے یہ توہم پیدا ہوتا ہے کہ "شکّاکین نو" صدر اسلام کی تاریخ کے تعلق سے تاریخی تحقیقات میں غلبہ و برتری رکھتے ہیں۔[1]

ونزبرو اپنی کتاب "محیط فرقہ ای" میں حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر عرب کی ایک مبہم شخصیت جانتا ہے جس نے گاہے بگاہے نعوذ باللہ اپنے بعض بے نام و نشان استدلالوں (Anonymous Logia) سے اعتبار حاصل کیا ہے۔ کرونہ اور کوک نے کتاب "ہاجریسم" میں یہاں تک پیشرفت نہیں کی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے تاریخی وجود کی ہی نفی کردیں، اگرچہ پیغمبرؐ کی تاریخی اہمیت کو گھٹایا اور کم کیا ہے اور روایات پر مبتنی کلیدی اخبارِ سیرت کو غیر واقعی (غیر تاریخی) جانا ہے۔ لیکن یہودا د نوو (Yehuda D .Nevo/۱۹۳۲-۱۹۹۲ء)، جوڈتھ کورن (Judith Koren/۱۹۳۴-۱۹۸۶م) اور کارل ہینز اہلج (Karl-Heinz Ohlig/متولد ۱۹۳۸ء) جیسے بعض نئے شکاکین نے تو یہاں تک پیش قدمی کرڈالی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالکل خود ساختہ اور افسانوی جانتے ہیں۔[2] فرانسیس اڈوارڈز پیٹرس (Francis Edwards Peters/متولد ۱۹۲۷ء) نرمن کالڈر (NormanCalder/ ۱۹۵۱- ۱۹۹۸ء)، جیرالڈ ہاؤٹنگ (Jerald r.Hawting/متولد ۱۹۴۴ء)، ویم راون (Vem Ravin(awr اور ہربرٹ برگ (Herbert Berg) جیسے افراد کا شمار "شکّاکیت نو" کے دوسرے نمائندگان میں ہوتا ہے؛[3] جو خود چند شاخوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

الف) ویم راون (Vem RAVEN) جیسے بعض شکاکین نو نے حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے تعلق سے اسلامی منابع کی تاریخی وقعت اور قدر و قیمت کے خلاف اور زیادہ سے زیادہ دوصدی ہجری تک، گذشتگان کے تمام استدلالوں کی تدوین سے فراتر کوئی کام انجام نہیں دیا۔

ب) ان میں سے بعض دوسرے افراد جیسے ہربرٹ برگ (Herbert Berg / متولد ۱۹۰۷ء) اور نرمن کالڈر

1. ibid.
2. Ibid .
3. Ibid .

(Norman Calder/۱۹۵۱ـ۱۹۹۸ء) نے اپنی تحقیق سے مأخوذ چند استدلال کا اس میں اضافہ کیا ہے، لیکن مکمل طریقے سے اپنے اساتید کی جانب سے پیش کئے گئے نمونوں (Paradigm) کے پابند رہے ہیں۔[1] کالڈر کوشش کرتا ہے کہ "المؤطا" مالک اور "المصنف" عبد الرزاق جیسے بعض سابقہ عربی آثار کی جغرافیائی حیثیت اور محدثین کی نقل روایت کو پیش کرکے تضعیف کرے کہ ان کی مکتوبی نقل کی شروعات دیر سے ہوئی ہے [یعنی آخری خطی نسخہ سے دقیق نسخہ برداری کے بعد ان کی نشرواشاعت کا کام نسبتاً دیر سے شروع ہوا ہے] اور یہ کہ اس طرح کی کتابیں مختلف تصحیحی متون میں باقی رہ گئی ہیں۔[2] یہ مصنفین صرف روش نگاری کے شیدا ہیں ؛ان میں سے بعض شماریاتی تحلیل (Statistcal Analyses) کے ذریعے کام کرتے ہیں، جن کا معیار مشکوک ہے اور بعض اوقات بآسانی ان کی تکذیب کردی جاتی ہے؛ لیکن الفاظ شناسی (Philologicl) کی روش جو بظاہر ایک ناچیز علمی فعالیت سمجھی جاتی ہے، شاذ و نادر ہی توجہ کا باعث ہوتی ہے۔[3]

ج) ان میں سے بعض دوسرے جیسے یہودا دنوو (Yehuda D Nevo/۱۹۳۲ـ۱۹۹۲ء)، جوڈتھ کورن (Judith Koren/۱۹۳۴ـ۱۹۸۶ء) اور کارل ہینز اہلیج (Karl Heinz Ohlig/متولد ۱۹۳۸ء) مدعی ہیں کہ "سنّت سے ہاتھ دھولینا چاہئے" اور ان کا یہ دعوی کبھی سکہ شناسی (Numismatics)، کتبہ شناسی (Epigraphy) یا مادّی و خارجی شواہد کی نامتعارف تفسیروں پر مبتنی ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشواؤں کے اسوہ کی پیروی کرتے ہیں جنھوں نے ان روشوں سے استفادہ کیا ہے۔ نووا اور کورن جنھوں نے نگو (Negev)[4] کے قدیمی عربی کتبوں کا مطالعہ کیا ہے، دعویٰ کرتے ہیں کہ صدر اسلام کے باقیماندہ ان کتبوں میں خاص طور پر قرآنی جملوں اور عبارتوں کے نہ ہونے سے، متنِ قرآن کی آخری تصحیح کی متأخر تاریخی گزاری (Late – Dating) میں ونزبرو کے نقطۂ نظر کی تائید

---

1. Ibid , p ,10

۲۔ وہ نقل روایات کی خاص خصوصیات کی بنیاد پر اسلامی وعظ وخطابت کے اسلوب میں بہتر تبیین ہوتے ہیں۔

Cf . gregor schoeler the oral and the written in early islam , trans u , vagelpohl , ed . j . Montgomery London & new york . p 28-61 . esp 33-44, 2006

3. Gregor schoeler the biography of mohammad nature and authenticity ,p . 10

۴۔ اسرائیل کے جنوب میں ایک بیابان کا نام ہے جو سرزمین اسرائیل کے ۵۵ فیصد حصے کو شامل ہے۔

ہوتی ہے۔[1]

"تجدید نظر طلب" گروہ کے نظریات بالخصوص نظریہ "شکاکیت نو" پر تنقید و تبصرہ

طالبان تجدید نظر اور شکّاکین نو کے جو اقوال ذکر کئے ہیں اس کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ مندرجہ ذیل موارد میں ان کے آراء و نظریات تنقید پذیر اور قابل نقد و تبصرہ ہیں:

تنقید (۱) مقدس کتابوں میں نبوت حضرت محمد ﷺ کی بشارت

یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے تعلق سے تیس سے زیادہ بشارتیں موجود ہیں جو حضرت رسول مقبول ﷺ کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ ذیل میں ہم کچھ اہم بشارتوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

ا۔توریت ،سفر تثنیہ ،باب ۱۸،آیات ۱۵ سے ۱۸ تک میں یوں بیان ہوا ہے :"یہوہ ،تمہارا خدا ، تمہارے درمیان تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی میرے جیسا مبعوث کرے گا،اس کی باتیں سنو۔حوریب " کوہ طور" پر حضرت موسیٰؑ نے بروز اجتماع یہوہ، اپنے خدا سے سوال کیا،اس کی رو سے کہا: اب میں اپنے خدا یہوہ کی آواز دوبارہ نہیں سنوں گا اور اس عظیم آگ کو اب دوبارہ نہیں دیکھوں گا، مبادا مر جاؤں ؛اور خدا نے مجھ سے کہا: اور کتنا اچھا کہا: ایک نبی ان کے لئے ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیرے جیسا مبعوث کروں گا اور اپنا کلام اس کے دہن میں رکھ دوں گا اور جس چیز کا اس کو حکم دوں گا ان سے بھی بیان کروں گا"۔

مذکورہ بالا آیات کی رو سے بنی اسرائیل کے لئے ،ان کے بھائیوں کے درمیان سے حضرت موسی جیسا ایک پیغمبر آئے گا۔ پوری تاریخ میں کوئی بھی نبی حضرت محمد ﷺ جیسی شباہت حضرت موسی علیہ السلام سے نہیں رکھتا۔ دونوں پہاڑ پر مبعوث برسالت ہوئے ،اور بت پرست قوم کی طرف بھیجے گئے تاکہ انھیں یکتا پرستی کی دعوت دیں، دونوں نے معجزات بھی دکھائے جن معجزات کو اکابر و بزرگان قوم نے سحر و جادو کا نام دیا۔اور

ا۔شایان ذکر ہے کہ شکاکان نو مذکورہ نتائج تک اہلسنت کے منابع کی بنیاد پر پہونچے ہیں، جبکہ مکتب شیعہ میں حدیث کی کتابت صدر اسلام سے شروع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لئے رک: سید رضا مؤدب ،تاریخ حدیث ،ص۲۳۔۸۳ (قم، مرکز جہانی علوم اسلامی، ۱۳۸۴)؛ مجید معارف ، تحلیلی کارکردگی کے ساتھ حدیث کی عمومی تاریخ، ص۲۰۱۔۲۹۹ (تہران، کویر، ۱۳۸۸)، ؛نہلہ غروی نائنی،تاریخ حدیث شیعہ ،ص۱۹۔۳۲۵۔(تاقرن پنجم)، قم، شیعہ شناسی، ۱۳۸۶)

جب قوم کے اکابرین نے ان کی تکذیب کی اور انھیں قوم کے کمزور اور دبے کچلے لوگوں کے درمیان سے کچھ پیروکار ملے اور ہجرت پر مأمور ہوئے اور تو کافر قوم کے اکابرین اور بزرگان ان کے پیچھے پڑ گئے اور ان کا تعاقب کیا تاکہ انھیں قتل کر دیں اور خدا نے دونوں کو بذریعۂ معجزہ نجات دی اور دونوں اپنے پیروکاروں اور اصحاب کے ساتھ ساحل مراد تک پہونچے اور اس کے بعد احکام اور دینی دستورات انھیں تفویض کئے گئے اور دشمنوں کے خلاف جہاد اور مسلحانہ جنگ پر مأمور ہوئے اور خدا نے دونوں کی دشمنوں کے مقابلے تائید و نصرت فرمائی اور سر انجام اپنی قوم کے درمیان جبکہ وہ قوم کی رہبری اور ہدایت کر رہے تھے وفات پا گئے۔اسی طرح یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ دونوں پیغمبر، صاحب شریعت تھے۔کیا حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان ان تمام شباہتوں کی موجودگی کے باوجود اس بات میں اب بھی کسی شک کی گنجائش ہے کہ ان آیات تورات میں موعودِ حضرت موسی علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ نہیں ہیں؟

۲۔حضرت عیسی علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے اپنے بعد کسی دوسرے کے آنے کی بشارت دیتے ہیں جس کو یونانی متن میں "پارا گلیتوس" اور ایک سریانی ترجمہ میں فاقلیطا"کہا گیا ہے ۔یہ بشارت انجیل یوحنا ، باب ۱۴،آیت ۱۶ میں ذکر ہوئی ہے جس میں یوحنا حضرت عیسی علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے :"میں باپ سے دعا کروں گا اور وہ تمہیں ایک دوسرا مدافع (فارقلیطا) عطا کرے گا تاکہ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہو"۔

جیسا کہ ملاحظہ کر رہے ہیں حضرت عیسی علیہ السلام اپنے حواریوں اور اصحاب کو ایک دوسرے فارقلیطا کے آنے کی بشارت دیتے ہیں۔انجیل یوحنا سے مسیحیوں کے فارسی تراجم میں اس لفظ کا ترجمہ تسلی دہندہ، مدافع اور اس جیسے دوسرے الفاظ سے کیا گیا ہے۔یہ آیت اور حضرت عیسی علیہ السلام اس آیت کے تعلق سے اپنی گفتگو میں جو توضیح دیں گے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے باحتمال قوی حضرت محمد ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے۔

۳۔انجیل یوحنا، باب ۱۶،آیت ۷ کی رو سے حضرت عیسٰی علیہ السلام فارقلیطا کے تعلق سے توضیحات کے استمرار میں فرماتے ہیں کہ جب تک وہ نہیں جائیں گے وہ نہیں آئیں گے :"باین صورت، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ

میرا جانا تمہارے لئے سود مند ہے، کیونکہ اگر نہیں جاؤں گا، وہ مدافع (فارقلیطا) تمہارے پاس نہ آئے گا؛ اور اگر چلا گیا تو اس کو تمہارے پاس بھیجوں گا"، یہ آیت نشان دہی کرتی ہے کہ فارقلیطا حضرت عیسیٰ (ع) کے بعد آئے گا، اس کے علاوہ اس آیت سے اس بات کی بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ جو حقیقی مسیحی ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد لازم ہے کہ ایک دوسرے موعود کے انتظار میں رہیں۔

۴۔انجیل یوحنا، باب ۱۶، آیت ۸، فارقلیطا کے بارے میں حضرت عیسیٰ سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہے: "اور جب وہ آئے گا تو دنیا کو عدل و انصاف اور ترک گناہ کی راہ پر چلائے گا" یہ آیت بھی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ فارقلیطا جس کا وعدہ کیا گیا ہے، حضرت محمد ﷺ ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ (ع) کے بعد حضرت رسول مقبول ﷺ کے بقدر کسی نے بھی لوگوں کو عدل وانصاف اور ترک گناہ کی راہ پر چلانے کے لئے کوشش نہیں کی ہے۔اور آپ کی دعوت عالمی اور جہانی تھی۔چنانچہ بہت سارے ملکوں کے بادشاہوں کو بھی آپ ﷺ نے راہ حق و حقیقت کی دعوت دی تھی اور انھیں خطوط ارسال کئے تھے۔اور یہ امر ایک طرح سے دنیا والوں کو عدل و انصاف اور ترک گناہ کی راہ پر چلنے پر مجبور کرنے سے سازگاری رکھتا ہے۔

۵۔انجیل یوحنا، باب ۱۵، آیت ۲۶، حضرت عیسیٰ سے نقل کرتے ہوئے کچھ یوں نقل ہوا ہے: "لیکن جب وہ مدافع (فارقلیطا) جس کو باپ کے پاس سے تمہارے پاس بھیجوں گا، تشریف لائے، یعنی روح صدق جو باپ کے پاس سے آئے گی وہ خود میرے بارے میں شہادت دے گی"۔یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ فارقلیطا حضرت عیسیٰ (ع) کی حقانیت کی شہادت دے گا، اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے بارہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی ہے اور مسیحیوں نے جو بہت ساری تہمتیں حضرت عیسیٰؑ پر لگائی ہیں، ان کی بھی نفی فرمائی ہے۔لہٰذا یہ آیت بھی اس امر کی ایک دوسری نشانی کے طور پر ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ مدّ نظر موعود حضرت محمد ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

۶۔انجیل یوحنا، باب ۱۶، آیت ۱۳: اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ سے نقل کرتے ہوئے یوں ارشاد ہوا ہے: "لیکن جب وہ روح صدق آئے گا تو تم سب کو راہ راست کی ہدایت فرمائے گا، کیونکہ وہ از خود تکلم نہیں کرتا بلکہ جو کچھ سنا ہے وہ سخن زبان پر لائے گا اور تمہیں آئندہ باتوں کی خبر دے گا"۔یہ امر کہ وہ خود سے کلام نہیں کرتا، بخوبی اس فارقلیطا کے پیغمبر ہونے کی دلیل ہے جس کا حضرت عیسیٰؑ نے وعدہ فرمایا ہے۔یہ بات کسی پر بھی پوشیدہ

نہیں کہ خود قرآن میں بھی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ خواہشات نفسانی سے کلام نہیں کرتا ہے بلکہ وہی کہتا ہے جو خدا اس پر وحی کرتا ہے۔ (نجم، ۳۔۴) اس کے یعنی فارقلیطا کے آئندہ کی باتوں کی خبر دینے کے تعلق سے عرض ہے کہ بہت سارے حوادث و واقعات کی حضرت محمد ﷺ نے خبر دی ہے اور پیشین گوئی کی ہے اور یہ تمام پیشین گوئیاں تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔[1]

بنابراین، توریت و انجیل کی مذکورہ بالا آیات کو ملاحظہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے آنے کی بشارت ایک حتمی، یقینی اور ناقابل انکار امر ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد تاریخی قرائن و واقعات حضرت رسول مقبول ﷺ کی بشارت کی صحت و درستی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تنقید (۲): قرآن میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے تعلق سے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت

اعجاز قرآن اور اس کی حجیت اور حقانیت کے اثبات کے پیش نظر انصاف پسند مسیحیوں اور مغربی محققین قرآن[2] کے لئے یہاں پر حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے تعلق سے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت سے استناد کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی پیغمبرؐ صاف اور صریح طریقے سے اور بغیر کسی ابہام کے کسی دوسرے شخص کو پیغمبر خداؐ کے عنوان سے پہچنوائے تو اس شخص کی پیغمبری ثابت ہوتی ہے؛ جیسے حضرت موسیٰؑ کا جناب ہارون کی معرفی کرنا،[3] اور حضرت عیسیٰؑ کا حضرت محمد ﷺ کی بنوت کی بشارت دینا۔

بعض آیاتِ قرآن کی رو سے حضرت عیسیٰؑ نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی بشارت دی ہے، جن میں سب سے اہم ترین آیت سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ ہے؛ جس میں ارشاد ہوتا ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ جو لوگ کہ

۱۔ مزید آگاہی کے لئے مراجعہ کریں: محمد رسول دریابی، توریت و انجیل میں پیغمبر موعود، تہران، انتشارات مہدی، ص ۲۱۱ — ۲۱۳۔ ۱۳۷۶

۲۔ رک: سید ابو القاسم خوئی، البیان فی تفسیر القرآن، ص ۳۳-۷۸؛ سید محمد حسین طباطبایی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۵۸-۸۹۔ (قم مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۴۱۲ھ)

۳۔ رک: طہ، ۲۰-۳۶، ۳۲

پیغمبرِ نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے احکام کے سنگین بار اور قید و بند کو اٹھا دیتا ہے، پس جو لوگ اس پر ایمان لے آئے ،اس کا احترام کیا ،اس کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے ،وہی حقیقت میں فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

علامہ طباطبائی اس تعلق سے فرماتے ہیں کہ "قرآنی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ توریت اور انجیل نے خاتم الانبیاء ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

" الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ----- "

جو لوگ کہ پیغمبر نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔۔۔[1]

دوسری آیات بھی حضرت رسول ﷺ کی بشارت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو درج ذیل ہیں :

الف) بقرہ ،۱۴۶/انعام ،۲۰: "الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔" جن کو ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ اس [پیغمبر] کو اپنے فرزندوں کی طرح پہچانتے ہیں ۔

ب) انعام ۱۱۴: " أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ"۔اور وہ جنھیں ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے پروردگار کی جانب سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔

ج) صف،۶: " وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ "۔اور [یاد کرو وہ وقت] جب عیسی بن مریم نے کہا : اے بنی اسرائیل میں تمہاری جانب خدا کا بھیجا ہوا رسول

۱۔ رک: سید محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج۸، ص۲۷۸ – ۲۸۲؛ ج۱۹، ص۲۵۱ - ۲۵۴۔

ہوں، اپنے پہلے کی کتاب ''توریت'' کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

مذکورہ آیات میں سے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۶ اور سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۱۴، اس بات کی صراحت نہیں کرتی ہیں کہ اہل کتاب پیغمبر کو پہچانتے تھے بلکہ ان میں بیان ہوا کہ اہل کتاب کو ان امور کا علم ہے اور علم رکھنے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ یہ امور ان کی مقدس کتاب میں ہوں، بلکہ اس علم کا سرچشمہ ممکن ہے ان کی زبانی سنت اور دہن بہ دہن، یہ بات ان تک پہونچی ہو۔ البتہ دوسرے احتمالات کا وجود بھی ممکن ہے۔[1] لیکن سورۂ صف کی آیت ۶، اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۷ مختلف ہیں؛ کیونکہ صف کی آیت ۶ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت محمد ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے اور دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ توریت و انجیل میں پیغمبر اسلامؐ کا ذکر موجود ہے۔ صف کی آیت ۶ سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت محمد ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے؛ لیکن یہ بیان نہیں ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام اناجیل میں ذکر ہوا ہے۔ دوسری آیت بھی صرف یہ بات ثابت کرتی ہے کہ توریت میں پیغمبرؐ کی بات کی گئی ہے؛ لیکن عین ممکن ہے بیانِ صفات کی صورت میں ہو اور صفات کی معرفی کی گئی ہو؛ نامِ نامی کے ذکر کی صورت میں نہیں۔ بنابراین، ساری آیتوں کا مرور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ توریت و انجیل میں حضرت رسول مقبول ﷺ کے آنے کی بشارت قابل انکار نہیں ہے۔

البتہ موجودہ توریت و انجیل میں بالصراحت ایسی بشارت کا نہ ہونا، قرآن کے دعویٰ کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے؛ کیونکہ توریت اور اناجیل اربعہ جو آج ہماری دسترس میں ہیں، ان میں واقعی اور اصلی توریت و انجیل کے تمام مطالب بعینہٖ موجود نہیں ہیں اور خود علمائے یہود و نصاریٰ اعتراف کرتے ہیں کہ اصلی توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی مفقود ہو گئی ہے اور کافی برسوں کے بعد جو توریت لوگوں کے دلوں میں محفوظ رہ گئی تھی، اس کی بنیاد پر دوبارہ اس کی تدوین عمل میں آئی ہے، اور یہی مشکل انجیل کی بھی ہے۔ شایان ذکر ہے کہ دسیوں انجیل کی نابودی کے بعد اور ایک قول کے مطابق ان کی تعداد پچاس تک بھی

۱۔ عبدالرحمٰن سلیمانی اردستانی، ''قرآن کریم اور انبیاء کی بشارتیں''، ہفت آسمان، ۱۶(۱۳۸۹)

پہونچتی ہے، ۳۲۵ عیسوی میں بزرگان مسیحیت جمع ہوئے اور آخر کار اناجیل اربعہ کو رسمیّت بخشی۔[۱]

تنقید (۳) حضرت محمد ﷺ اور آپ کی بعثت کے بارے میں قرآن میں بکثرت آیات کا وجود

حضرت محمد ﷺ اور ان کی بعثت کے بارے میں قرآن میں بکثرت آیات موجود ہیں جن کی مجموعی تعداد پانچ سو تک پہونچتی ہے۔[۲] رعایت اختصار کے پیشِ نظر فقط ان میں سے اہم ترین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف): "إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ"۔ ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا؛ اور تم (ابلاغ رسالت کے بعد) دوزخیوں (کی گمراہی) کے مسئول اور ذمہ دار نہیں ہو۔

ب): "مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔" تم تک جو بھی اچھائی پہونچتی ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو بھی برائی پہونچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہے اور اے پیغمبر ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنایا ہے اور خدا گواہی کے لئے کافی ہے"۔

ج): "كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ"۔ اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی قوم کے درمیان بھیجا جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی تھیں تاکہ آپ ان چیزوں کی تلاوت کریں جنھیں ہم نے آپ کی جانب وحی کی ہے درحالیکہ وہ لوگ رحمان کے انکار کرنے والے ہیں۔ آپ ان سے کہدیجئے کہ وہ میرا رب ہے اور اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور اسی کی جانب میری واپسی ہے۔

د): "إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ"۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ

۱۔ رک: عبداللہ جوادی آملی، "قرآن کریم وحی و نبوت"، ص۲۶۱۔۳۸۲ (قم، مرکز نشر اسراء، ۱۳۸۱)
۲۔ رک: خلیل اللہ صبری، طبقات آیات، ص۵۱۔۱۲۵۔ (تہران، امیر کبیر، ۱۳۴۴)

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔[۱]

مذکورہ بالا آیات میں پیغمبرؐ سے خطاب میں تمام لوگوں پر آپ کی رسالت کا ذکر ہوا ہے جو آپ کی بعثت کی دلیل ہے؛ یعنی حضرت رسول مقبول ﷺ ان میں بشیر و نذیر، برحق ہیں اور تمام لوگوں کے لئے مبعوث برسالت ہوئے ہیں۔ چنانچہ مرحوم طبرسی رحمت اللہ علیہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۱۹ کے ذیل میں مرقوم فرماتے ہیں: خداوند عالم نے اس آیۂ شریفہ میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے پیغمبر کو دلائل و معجزات کے سبب حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اور جملۂ "(إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ" میں پیغمبر کو یہ تسلی دی ہے کہ اے پیغمبر تم تنہا بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہو اور تم سے دوزخیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تم انھیں قبول کرنے کے لئے مجبور کرو۔ اس جیسی دوسری قرآنی آیات بھی ہیں جن میں پیغمبر کو تسلی دی گئی ہے؛ بطور مثال آیت ذیل ملاحظہ کیجئے: "لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ"۔ ان کی ہدایت [جبری طور پر] تم پر نہیں ہے۔[۲]

آیت اللہ مکارم شیرازی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: اس آیت میں خداوند عالم کا روئے سخن پیغمبرؐ کی جانب ہے اور اس آیت میں خدا نے تحکّمانہ معجزات کی طلب اور اور کافروں کی دوسری بہانہ جوئیوں کے مقابلے میں پیغمبرؐ کے وظیفہ کو مشخص کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے پیغمبرؐ! تمہارا وظیفہ ہے کہ ہمارے احکام و دستورات کو تمام لوگوں کے لئے بیان کرو، انھیں معجزات دکھاؤ، اور حقائق کی منطق کے ساتھ وضاحت کرو اور یہ دعوت نیکوکاروں کی تشویق اور بدکاروں کی تخویف کے ہمراہ ہو، یہ تمہارا وظیفہ ہے۔[۳]

۱۔ اسی طرح رجوع کیجئے: (نسا، ۸۰)، اسرا، ۵۴)، (انبیا، ۱۰۷)، فرقان، ۵۶)، (سبأ، ۲۸)، (شوری، ۴۸)، (بقرہ، ۱۴۷)، (انعام، ۳۷)، (توبہ، ۱۲۸، ۳۳، ۱۲۹۹)، (صف، ۶)، (حجر، ۹۱، ۸۹،۹۰)، مزید آگاہی کیلئے رجوع کیجئے: خلیل اللہ صبری، طبقات آیات، ج۱، ص۳۹۱، (تہران، امیر کبیر، ۱۳۴۴)

۲۔ رک: ابو علی فضل بن حسن طبرسی، مجمع البیان لعلوم القرآن، ج۱، ص۳۹۱ (طہران، مؤسسہ ھدی للنشر والتوزیع، ۱۴۱۷ھ)

۳۔ ناصر مکارم شیرازی اور معاونین تفسیر نمونہ، ج۱، ص ۴۸۴۔ (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۷)

تنقید (۴): پیغمبر اسلامؐ کے وجود اور نبوت کے اثبات پر دلالت کرنے والے قطعی شواہد و قرائن

کچھ قرائن و شواہد کی جمع آوری، مدعی نبوت کی نبوت کے اثبات کے لئے ایک دوسری راہ ہے۔ اور وہ قرائن کچھ اس طرح کے ہوں کہ ان کو دیکھ کر انسان کو خاطر خواہ اطمینان یا عین ممکن ہے یقین حاصل ہو جائے کہ مدعی نبوت خدا کا فرستادہ اور اس کا رسول ہے۔ وہ قرائن جو رسالت کے ہمراہ اور اس کا لازمہ ہیں اور انبیاء کے بارے میں ان کے ذریعہ تحقیق کی جاتی ہے، حضرت محمد ﷺ کے تعلق سے بھی ایسے قرائن و شواہد پائے جاتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مدعی کے روحی و اخلاقی خصوصیات کی تحقیق، مال و جاہ سے اس کی بے رغبتی اور لوگوں کے درمیان اس کا سوابق زندگی؛[1] چنانچہ پیغمبر اسلامؐ بھی نقل تاریخی کی بنیاد پر اس سے بہرہ مند رہے ہیں۔

۲۔ جائے بعثت کا ماحول اور اس کی فضا؛ یہ بات مسلّم ہے کہ جب ایک ایسی قوم سے جو امی ہے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتی اور تہذیب و تمدن سے بیگانہ ہے، کوئی ایسا شخص مبعوث ہو جو عادی اور عمومی تحصیلات سے محروم ہو اور وہ لوگوں کو پاکی و نیکی، پارسائی اور صحیح نظام زندگی کی دعوت دے اور دعویدار نبوت ہو تو یہ بات اس کے صدق و راستی کی گواہ اور سچائی کی ضامن ہے۔[2] اور اس کا مکمل مصداق رسول گرامی اسلامؐ ہیں۔

۳۔ معارف و احکام کی رو سے اس کے دین و آئین کی سوغات؛ جب اس کی باتیں علمی معارف کے باب میں موازینِ عقل سلیم اور فطرت پاک کے عین مطابق ہوں اور صفات خدا اور مبدا و معاد سے مربوط معارف کی شناسائی میں صحیح ترین راہ سے وارد ہو اور نظام ہائے اخلاقی و اجتماعی کے بیان میں معاشرے کی عالی ترین نظام کی سمت رہبری کرے اور افراط و تفریط کی راہ سے دوری اختیار کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کے درمیان، انسانی فضائل اور اخلاقی خصائل کی پرورش کرے اور انھیں صفات رزیلہ، خصائل نامحمودہ اور آلودگیوں کی طرف جانے سے روکے اور منع کرے تو یہ محتویات اور مشتملات خود، خدا سے اس کے ارتباط کے گواہ بن سکتے ہیں۔[3] اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تاریخی نقل و واقعات مذکورہ بالا مطالب کو پیغمبر اسلامؐ کے

۱۔ رک: عبداللہ جوادی آملی، وحی و نبوت در قرآن، ص ۳۹۱-۳۹۵۔
۲۔ رک: سابق حوالہ، ص ۳۸۲-۳۸۹۔
۳۔ رک: سابق حوالہ، ص ۳۹۶۔

بارے میں ثابت کرتے ہیں۔

۴۔دعوت و تبلیغ کی راہ میں ثبات و پائیداری اور گفتار و کردار میں مطابقت ؛[1] اور رسول گرامی اسلامؐ اس خصوصیت میں تمام انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔

۵۔اس روش اور ان اسباب و وسائل کی تحقیق جن کا استعمال وہ اپنے آئین کی برتری اور ترقی کے لئے کرتا ہے،اس سے اس کی راست گوئی [سچائی] یا دوروغ گوئی [جھوٹ] ثابت ہو سکتی ہے اور اس کے پیروکاروں کی حالت و وضعیت بھی اس کی نبوت کی پہچان اور شناخت کا ایک طریقہ ہے۔[2] جس وقت اس کے اکثر اعزہ و اقارب جو اس کی وضع زندگی سے مکمل آگاہی رکھتے ہیں ،اس پر ایمان لے آئیں یا جو اس کے گرویدہ ہوئے ہیں ان میں سے اکثر اہل خرد ہوں،اور لوگوں کے درمیان ان کی شناخت پاکی اور درستی کے ساتھ ہو، تو یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ حقیقت میں خدا کا رسول اور فرستادہ ہے۔

مذکورہ تمام راہیں جن کی تحقیق کی گئی ہے، پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں دستیاب اور فراہم رہی ہیں۔چنانچہ ان تمام مذکورہ باتوں کی بنیاد اور معیار پر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت قطعی و یقینی ہے۔

۵) حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کچھ مغربی مفکرین اور دانشوروں کے اثباتی اظہارات

کارن آرمسٹرانگ (Karen Aemstrong / متولد ۱۹۴۴ عیسوی) کتاب "سوانح حیات مرسل اعظم ﷺ" [Muhammad A Biography of Prophet] میں پیغمبر اسلامؐ کو تاریخ کا عظیم نابغہ قلمداد کرتا ہے؛[3] جنرل سرپرسی سائکس (۱۸۶۷۔۱۹۴۹عیسوی) مشہور انگریز رائٹر کتاب "تاریخ ایران" میں حضرت محمد ﷺ کو ایک بلند مقصد انسان سمجھتا ہے؛[4] جان دیون پورٹ (John Deven Port/۱۸۷۷۔۱۷۸۹عیسوی) مشہور انگریز اسلام

۱۔رک: سابق حوالہ، ص ۳۹۷-۴۰۰۔

۲۔مزید اطلاع کے لئے،رک: جعفر سبحانی، الٰہیات و معارف اسلامی ، ص ۲۰۷-۲۱۷ (ع) قم، مؤسسۂ امام صادق،۱۳۷۶، ؛ ناصر مکارم شیرازی و معاونین، پیام قرآن، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ج۷، ص ۲۶۳-۳۱۵، ۱۳۷۷، قابل ذکر ہے کہ کسی کے وجود پر بہترین استدلال اس کے اثر کا وجود ہے کہ یہاں قرآن پیغمبر اسلام ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے اور متعدد آیات میں تحدی (چیلنج) کیا ہے اور ایک مثل لانے کا مطالبہ کیا ہے لیکن کوئی بھی اس کی مثل نہ لاسکا؛ لہٰذا ہر اثر اپنے خالق کے وجود پر دلیل ہے۔

۳۔کارن آرمسٹرانگ، زندگینامہ حضرت محمد [ﷺ]، ص ۶۳۔ترجمہ کیانوش حشمتی، تہران، حکمت، ۱۳۸۳

۴۔سرپرسی سائکس، تاریخ ایران، ج۱، ص۲۶۷، ترجمہ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی، تہران: دنیائے کتاب۔۱۳۷۷۔

شناس کتاب ''محمد اور قرآن کے حضور عذر تقصیر'' [طبع لندن، سن طباعت ۱۸۶۹عیسوی] میں پیغمبر اسلامؐ کو ایشیا ءکا افتخار قلمداد کرتا ہے ؛[۱] توماس کارلائل (Thomas Carlyle/۱۷۹۵۔۱۸۸۱عیسوی) رجال شناس اور انگریز مفکر کتاب ''قہرمان اور قہرمانیت'' (Hero and Heroworship) میں پیغمبر اسلامؐ کو قہرمان (فاتح) اور اشجع الناس جانتا ہے؛[۲] لئون تولستوی (Tolstoi/۱۸۲۸۔ ۱۹۱۰عیسوی) مشہور روسی رائٹر نے ''محمد'' عنوان کے تحت ایک کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب اس نے ان لوگوں کی ردّ میں لکھی ہے جنھوں نے آپؐ کو سلطنت طلبی اور شہوت رانی سے متّہم کیا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس نے ایک مخصوص اور جداگانہ رسالہ میں آپؐ کے حکیمانہ اقوال جمع کئے ہیں اور ان کا روسی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور ''اقوال محمدؐ'' کے عنوان سے اس رسالہ کو شائع کیا ہے۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کو فرشتۂ نجات کہتا ہے ؛[۳] فرانسوا ماریہ آروٹ ولٹر(VoltaireFrancois-Marie Arout/۱۶۹۴۔۱۷۷۸عیسوی) عظیم فرانسوی رائٹر اور مفکر ودانشور کتاب ''کلیات ولٹر''[۴] میں پیغمبر اسلامؐ کو عدل قائم کرنے والا فرمانروا (حاکم) جانتا ہے۔[۵] سر ویلیم میور (Sir William Muir/۱۸۱۹۔۱۹۰۵عیسوی) نامور انگریز مؤرخ کتاب ''حیات محمد'' میں پیغمبر اسلام ﷺ کو تاریخ بشریت کا ایک عظیم مصلح کہتا ہے۔[۶] ڈاکٹر گوسٹاوے لیبون (Goustawe Lebon /۱۸۴۱۔۱۹۳۱عیسوی) مشہور فرانسوی صاحب قلم پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک نامی گرامی اور عظیم المرتبت انسان سمجھتا ہے؛[۷] گیور گیو کونسٹاٹن یرگل(Gheorghiu Constantin Yirgil /۱۹۱۶۔ ۱۹۹۲عیسوی) رومانیائی مصنف اپنی کتاب ''محمد وہ پیغمبر جس کو پھر سے پہچاننے کی ضرورت'' میں حضرت محمد ﷺ کے انقلاب کو فرانس کے انقلاب سے بڑا جانتا ہے ؛[۸] جارج برنارڈ شاؤ (Georg Bernard Shaw/۱۸۵۶۔۱۹۰۵عیسوی) ائرلنڈی داستان نویس جو ادبیات معاصر کا مشہورترین چہرہ ،ڈارامہ نویسی میں شکسپیر کا ہم پلہ اور انگریزی زبان میں استاد طنز و مزاح ہے،وہ حضرت محمد ﷺ کو پوری دنیا پر پرتو افگن

۱۔ جان ڈیون پورٹ محمد اور قرآن کے حضور عذر تقصیر، ص ۱۳۔۱۵۔ ترجمہ سید غلام رضا سعیدی، قم و تہران، دار التبلیغ اسلامی،] بی تا]

۲۔ سید غلام رضا سعیدی، ہمارے پیغمبر کی زندگی کے قصے، ص ۱۵۳۔ قم، دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۹۔

۳۔ سابو حوالہ، ص ۲۱۔

4.130.OEUVRES Completes, vol,24,p,555.

۵۔ ثواقب جہان بخش، مغرب اور اسلام کے تقابلی مطالعہ پر ایک نظر، ص ۳۵۶۔

۶۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ج ۱، ص ۲۲۱، ترجمہ ابوالقاسم پائندہ،] بی تا] جاودان، ۱۳۶۲۔

۷۔ ثواقب جہان بخش، اسلام اور مغرب کے تقابلی مطالعہ پر ایک نظر، ص ۳۵۶۔

۸۔ کونستان ویرژیل گیورگیل، محمد وہ پیغمبر جسے پھر سے پہچاننے کی ضرورت، ص ۱۶۰۔ ۱۶۳۔ ترجمہ ذبیح اللہ منصوری، [بی جا]، مجلّہ خواندنی ھا، [بی تا]

ہمائے سعادت سمجھتا ہے؛ جان برناس مشہور دین شناس، پیغمبر اسلام ﷺ کو مصلح اجتماعی جانتا ہے؛[۱] توماس کارلائل (۱۷۹۵ـ۱۸۸۱) انگریز مؤرخ اور مصنف اپنی کتاب "تحقیقات" میں حضرت محمد ﷺ کی حق طلبانہ فریاد کو قلب طبیعت کی سیدھی آواز جانتا ہے؛[۲] اڈوارڈ گیبون (Edward Gibon/۱۷۳۱ـ۱۷۹۴عیسوی) نامور انگریز مؤرخ کتاب "روم کی بادشاہت کے انحطاط وسقوط کی تاریخ" [ج۵، ص۳۳۵، طبع لندن، سن ۱۸۳۸ـ۱۸۳۹عیسوی] میں لکھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ جاذبہ و مقناطیسی صلاحیت، شان و شوکت اور بلند و سرشار نبوغ اور جودت فکر سے بہرہ مند تھے؛[۳] سر گیب ہملٹن (Sir Gibb Hamilton/۱۸۹۵ـ۱۹۷۱عیسوی) لندن وآکسفورڈ یونیورسٹی کے استاد کا ماننا ہے کہ اسلام خارجی اور بیرونی متمدن دنیا کے اندر ایک اخلاقی قوت وطاقت کے عنوان سے پہچانا گیا؛[۴] پروفیسر ویل ڈورانٹ مشہور امریکی مؤرخ حضرت محمد ﷺ کو تاریخ بشریت کا سب سے عظیم انسان جانتا ہے؛[۵] ژیل کوبل کتاب "پیغمبر اور فرعون" میں پیغمبر اسلامؐ کو انقلاب آفرینوں کے لئے اسوہ اور نمونہ سمجھتا ہے؛[۶] پروفیسر آنہ ماری شیمل معاصر جرمن اسلام شناس شناس کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی اطاعت و پیروی کی بدولت مراقش سے لے کر انڈونیشیاء تک مسلمان یکساں کردار کے حامل نظر آتے ہیں؛[۷] اور دنکان بلاک میکڈونالڈ بھی حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کو چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں کی تقویت کے لئے ایک غنی اور سرشار منبع اور سرچشمہ شمار کرتا ہے۔[۸]

تنقید(۶): بعض مستشرقین معاصر کی جانب سے قرون وسطی کے یورپی دانشوروں، تجدید نظر طلب گروہ اور شکاکین نو کے آراء و نظریات پر ایک تنقیدی نظر

بیسویں صدی عیسوی کی ابتدائی دہائیوں میں نظر ثانی شدہ زندگی ناموں، سیرتوں اور قرآن کے جدید تراجم پر

۱۔ جان برناس، تاریخ جامع ادیان، ص۴۹۶۔ ترجمہ علی اصغر حکمت، تہران، انتشارات علمی وفرہنگی، [بی تا]
۲۔ جان ڈیون پورٹ، محمد اور قرآن کے حضور عذر تقصیر، ص۷۵۔۷۷۔
۳۔ جان ڈیون پورٹ، محمد اور قرآن کے حضور عذر تقصیر، ص۱۶۔۱۷؛ سید غلام رضا سعیدی، ہمارے پیغمبر کی زندگی کے قصے، ص۱۵۶، ۱۵۵۔
۴۔ سر ہیملٹن گیب، اسلام، تاریخی تحقیق، ص۲۴۔ ترجمہ منوچہر امیری، تہران، نشر علمی وفرہنگی، ۱۳۸۰۔
۵۔ نصر اللہ نیک بین، اسلام مغربی دانشوروں کی نگاہ میں،، ص۳۸، دورود، سیمان وفارسیت، (بی تا)
۶۔ ژیل کوبل، پیامبر وفرعون، ص۸۔۹، ترجمہ حمید احمدی، تہران، کیہان، ۱۳۶۶۔
۷۔ آنہ ماری شیمل، محمد رسول خدا، ص۹۷، ترجمہ حسن لاہوتی، تہران، شرکت انتشارات علمی وفرہنگی، ۱۳۸۵۔
۸۔ رک: عباس محمود عقاد، اسلام بیسویں صدی میں، ترجمہ حمید رضا آژیر، مشہد، آستان قدس رضوی، ۱۳۶۹۔

مشتمل بہت ساری معذرت خواہانہ کتابیں کئی یورپی زبانوں میں یورپ میں شائع ہوئیں ۔اکثر سیرت نگار اور مترجمین قرآن نے حضرت محمد ﷺ کی قرون وسطائی یورپی منفی تصویر کے بطلان کو ضروری سمجھتے ہوئے ان کے معنوی اعتبار و اہمیت کو محسوس کیا اور انھوں نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ایک جدید، مثبت اور موافق رائے قائم کی اور نیا نظریہ پیش کیا۔

ا۔حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور آپ کی زحمتوں اور حصولیابیوں کی اولین مطلوب قدردانی، ڈاگوٹ وان میکوش (Dagobert von Mikusch/۱۸۷۴۔۱۹۵۰عیسوی) کی کتاب ''محمد: کامیابی کی غم انگیز داستان'' ہے۔ میکوش اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں ایک صاف و روشن اور صریح سوال کرتا ہے کہ :''کس چیز نے ایک شریف مکی تاجر حضرت محمد ﷺ کو جو ایک اصیل خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ایک مالدار عورت سے شادی کے ذریعے وابستہ تھے ،،برانگیختہ اور مہمیز کیا کہ وہ ملکوت اعلی کی جانب سے ملہم توحید اور یکتا پرستی پر مبنی ایک دین کی تبلیغ کو اپنا حقیقی وظیفہ جانی''[1] میکوش نے اپنے جواب کا لب لباب کوئٹے کے ستائش نامہ میں پایا جو حضرت محمدؐ کی ذکاوت اور جودت فکر اور ان کے پیغمبری کے انتخاب کی آواز پر مشتمل تھا اور یہ بات اس کی کتاب میں ''Dichtung und Wahrheit''عنوان کے تحت ذکر ہوئی ہے۔ یہاں پر وہ لکھتا ہے کہ : حضرت محمد ﷺ فقط اس احساس میں غرق تھے کہ ان کا وظیفہ ہے کہ پوری بشریت اور عالم انسانیت کو آسمانی پیغام سے جو ان کو اندر سے تحریک اور ہدایت کرتا تھا آگاہ کریں۔ کوئٹے کے مطابق ایسا شدید احساس کہ ان کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کو دوسروں تک منتقل کریں، یہ نابغہ لوگوں کی خصوصیت ہے۔ کوئٹے کی اس بات سے میکوش اس نتیجے پر پہونچا کہ قرآن اور اسلام کے دوسرے ابتدائی منابع کے تعلق سے ضروری ہے کہ ایک نئی اور غیر جانبدارانہ نگاہ ان اسلامی منابع پر ڈالی جائے ۔اس نے اس حقیقت تک رسائی حاصل کی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کے دین کی کامیابی کا راز اور اس کے نشو ونما اور توسیع و تعمیم کی اصل وجہ وہ کینہ توزی اور دشمنی ہے جو اہل مغرب نے حضرت محمد ﷺ کی نسبت روا رکھی تھی۔الحاصل حضرت محمد ﷺ کی ذاتی شخصیت ایک انسانی شخصیت ہے جو عفت و پارسائی اور بلند و بالا خالص اخلاقی اصول سے عبارت ہے اور انھوں نے اپنی زندگی کو اپنے

1.Dagobert van Mohammd Tragodie des Erfolgs Leipzig: P aul l IST VERLAG, 1932,Vorwort,pp 7-8

بلند و بالا اہداف و مقاصد کے لئے وقف کر دیا تھا۔[۱] بیسویں صدی عیسوی اسلام کے بارے میں اس طرح مغرب میں اکیڈمیک تحقیقات کے مجدّد احیاء اور آغاز کی شاہد تھی؛ ایسا دور جس میں حضرت محمد ﷺ کی شخصیت علمی اور انتقادی نقطہ ہائے نظر کے ساتھ تنقید و تحقیق کا وسیلہ پائی اور سب اسلام کے ابتدائی اور اوّلین منابع کی صحت و اصالت کی تائید اور اثبات میں کوشاں نظر آئے۔[۲]

قابل ذکر ہے کہ ۲۱ ویں صدی عیسوی میں مغربی سیرت نگاروں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ آخر کے ۱۵۰ برسوں میں مصنفین اور صاحبان قلم نے اس بات کی انتھک کوشش کی ہے کہ اسلام پر یہودیت اور مسیحیت کی گوناگوں تاثیرات کو حاوی و مسلط کیا جائے۔ ان بے نتیجہ کوششوں اور تأملات کے بارے میں پہلے رتبے میں چارلز کاٹلر ٹوری امریکی (Charles Cutlr Torrey / ۱۸۶۳۔۱۹۵۶عیسوی)[۳] اور کارل اہرنز آلمانی (Karl Ahrens/متولد ۱۹۲۴) کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔[۴]

۲۔ شوئلر کے مطابق ہمارے وہ تمام علوم جن کا سرچشمہ اور منبع اسلامی ہے، ان کی بنیاد نقل شدہ حوادث و وقائع یا روایات ہیں۔[۵] ان نقول کی قطعی اور آخری تصحیح تیسری اور چوتھی صدی ہجری/نویں اور دسویں صدی عیسوی تک وقوع پذیر نہیں ہوئی؛ اسی وجہ سے نقل کے عمل میں ۱۵۰ سے ۲۵۰ برس پہلے تک ایسے ایسے مطالب سامنے آئے کہ اس وقت جو آثار ہماری دسترس میں ہیں ابھی تک ان کی تصحیح ہو رہی ہے۔[۶]

شوئلر کا یہ عقیدہ ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ہمیشہ سیرۂ ابن اسحاق کے متن کے نیچے پنہاں مضمون کو ان اخبار سے جو اس کی اجازت سے نقل ہوئی ہیں اور اس کے بعد کے جوامع روائی (منجملہ طبری اور ابن ہشام) میں محفوظ ہیں، دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے؛ اور کبھی خود ابن اسحاق کے متن کے مختلف حصوں میں

۱۔ آنہ ماری شیمل، محمد رسول خدا، ص ۴۷۹۔

۲۔ سابق حوالہ، ص ۴۸۳۔

3. 146.Charles Cutler Torrey , The Jewish foundation of islam ,New Yord 1967.

۴۔ نادر پور نقشبند، "رسول اکرم [ﷺ] کی سیرت کے مغربی ماہرین اسلام کا رویہ، ۵۰، ۱۱؛ معارف، (۱۳۸۶)

۵۔ ایک کتبہ کو چھوڑ کر جو ابھی حال فی الحال کشف ہوا ہے اور خلیفہ دوم عمر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(Gregor Sehoeler The Biography of Mohammd ,Nature and Authenticity,p. 2,fn.5)

۶۔ Ibid

موجود عبارتوں کی بازآفرینی کی جاسکتی ہے۔ایک مشابہ روش کو اختیار کرتے ہوئے ان اخبار کے تقریبی مضمون کی جن کی بازگشت زہری (متولد ۱۲۴ھ/۷۴۲ عیسوی) یعنی ایک نسل قبل کی طرف ہوتی ہے نیز ان اخبار کے تقریبی مضمون کی بھی جن کی بازگشت عروہ بن زبیر (متولد ۹۴ھ/۷۱۲ عیسوی) یا چند برس بعد کی طرف ہوتی ہے، بازآفرینی کی جاسکتی ہے۔[۲] شوئلر کی نگاہ میں باحتمال قوی عروہ سے منسوب اخبار کو معتبر جانا جاسکتا ہے، یعنی وہ اخبار کو جن کی بازگشت حقیقت میں عروہ کی طرف ہوتی ہے انھیں معتبر جانا جاسکتا ہے۔علاوہ برایں، مستقل طور پر عروہ کے شاگرد زہری اور اس کے بیٹے ہشام بن عروہ کے ذریعے منقول اخبار و روایات کے استنباط یا ان کے مضمون تقریبی کی بازآفرینی کو بھی معتبر جانا جاسکتا ہے۔[۳] یہ مطلب عروہ کے مجموعہ میں موجود کثیر

۱۔اس بات کی یاد دہانی کرانا ضروری ہے کہ کہ کم سے کم چھ روایت کی اصل موسیٰ بن عقبہ (متولد۱۴۱ھ/۷۵۸ء) کے طریق سے زہری تک پہونچتی تھی، موسیٰ بن عقبہ کے خطی نسخہ کے باقیماندہ حصے کو جو مجموعا بیس روایت پر مشتمل ہے اور برلن میں موجود ہے بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ نسخہ معمر بن رشید کے طریق سے زہری تک پہونچتا تھا۔کتاب المغازی مصنف عبد الرزاق والے حصّہ میں ۔ بنابراین جو کچھ اس وقت ہمارے اختیار میں ہے، سچ مچ وہ روایات ہیں جو زہری تک پہونچتی ہیں۔شاخت کا یہ دعوی کہ "محال ہے کہ کتاب المغازی کے اصلی مواد کو ہم زہری کے مؤثق اور معتبر اظہارات کو قلمداد کریں، سراسر غلط اور باطل ہے۔کتاب المغازی کے اصلی مواد ان روایات پر مشتمل ہیں جو زہری کی اجازت سے بذریعہ موسیٰ نقل ہوئے ہیں۔ نمونہ تحقیق موتسکی کو بھی اسی پر قیاس کرو کہ جو اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ روایات اور کثیر فقہی اظہارات جو زہری سے منسوب ہیں (دو کتابوں: مؤطا مالک اور مصنف عبد الرزاق میں) حقیقت میں ان کا سرچشمہ وہی ہے، کیونکہ انھوں نے ان تالیفات کو نقل کے مستقل طرق سے ثبت وضبط کیا ہے ۔ (Ibid ,p.15 fn 181. See J Sehaccht On Musa b ,Uaba ,s Kitab al Magahazi, Acta Orietalia 21 (1953),288-300,H Motzki, Der Fiqh des-Zuhri:Die(Quellen PAROBLEMATIC *, Islam68(1991) 1-44,trans and rev as Motzki (2010):1 46

2.Gregor Schoeler, The Biography ofMohammad, Nature and Authenticitym P. 15.

۳۔البتہ یہ تنہا [اگرچہ ایک نہایت مطمئن اور فوق العادۃ روش ہے] عروہ کے معتبر مطالب کے شناخت کرنے کی روش ہے۔دوسری روش روایات عروہ کے کامل مجموعہ کی جمع آوری کی مستلزم ہے۔ایسا مجموعہ اصل میں مخدوش مطالب، تحریفات اور جعلیات کے حذف کو آسان بناتا ہے۔ فن اشٹولپ ناگل نے تقریبا پچاس برس پہلے پہلی بار اس کا اقدام کیا؛ عروہ کی تاریخی روایت تک رسائی کے لئے یہ کوشش دوری کی جانب سے اور حال فی الحال مرسی کی جانب سے دیکھنے کو ملی ہے۔بہت سارے قدیم منابع کا انکشاف اور ان کی طباعت جو عروہ کے مطالب کو شامل ہیں اور علمائے گزشتہ [مثلا عبد الرزاق ،ابن ابی شیبہ] کے پاس نہیں تھے،اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جدید تالیف کی ضرورت ہے۔ایسی تالیف ابھی حال فی الحال منظر عام پر آئی ہے اور زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

ibid, p, 15, fn,182, see a.a. duri the rise historical writing among the arabs ed, and trans l.i. Conrad introd) f.m. donner Princeton nj, 1983 salwa mursi at tahir bidayat al kitab at tarihiyya inda 1 arab : aawal sura fu k- islam urwa b.az- zubair b al awwam Beirut 1995 cf a gorke and g. schoeler die attesten berichte (unber das leben muhammads : das korpus urwa ibn az zubair Princeton nj 2008.

روایات کے بارے میں بالکل صادق ہے۔[1]

شوئلر کے مطابق یہ ونزبرو، کرونہ، کوک اور ان سے زیادہ کمزور و ناتواں ان کے پیروکاروں کی افراطی شکاکیت کا ایک جواب ہے۔[۶] کتاب ''مطالعات قرآنی'' میں ونزبرو کے نظریات اور کتاب ''ہاجریسم'' میں کرونہ اور کوک کے نظریات بھی اسی رجحان کی ایک مثال ہیں جس نے وقتاً فوقتاً انسان پرستی کے زمانے سے اب تک یورپی تاریخ نگاری کے میدان کو فتح کیا ہے۔ارنسٹ برنہائم (Ernst Bernheim/۱۸۵۰۔۱۹۴۲عیسوی) '' تاریخی روش شناسی پر ایک مقدمہ '' نامی اپنی کتاب میں اس بات کو یوں بیان کرتا ہے : محققین نے تاریخ نگاروں کے درست اور دقیق تنقیدی عمل کے آغاز میں بہت جلد اس بات کو سمجھ لیا کہ ایک ہی روئیداد کے بارے میں ان کے اظہارات اور بیانات غالبا بالکل متناقض ہیں۔انھوں نے یہ سمجھنے کے بجائے کہ حقیقت تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے یا نہیں، یا جن غلطیوں کی نشان دہی ہو چکی ہے ان غلطیوں کو جڑ سے ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں، نقل پر اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے یہ طے کر لیا کہ گزشتہ کے بارے میں مؤثق اطلاعات تک پہونچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور شکّاکیت کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے اور افراط کی راہ اختیار کی۔ بعض سادہ لوح اور خوش بیں مفکرین سنجیدہ تحقیق کے بجائے کہ کون سی بات صحیح ہے اور کون سی جعلی و خود ساختہ ہے اور یہ معلوم کرنے کے بجائے کہ وہ کون سے حالات ہیں جو تحریف کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور ان حالات کی وضاحت کرنے کے بجائے، اس تجربہ کو تعمیم اور وسعت دی اور شکاکیت سے دو قدم اور آگے بڑھتے ہوئے اس بات کے مدعی ہوئے کہ تاریخِ نقل کے تمام ادوار جعلی اور خود ساختہ ہیں اور یہ کام بہت منظّم طریقے سے انجام پایا ہے۔ سکّے ان کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد منابع قرار پائے اور اس خاص مبنیٰ پر کہ انھوں نے جیسا سوچا ہے ویسا ہی ہوا ہے، تاریخِ دورانِ نقل کی تخلیق اور بازآفرینی کی۔ بلا شک و شبہ روایت کا انکار اور آزادانہ طور پر ایک خالی کینوس پر بالکل مختلف ماضی کی تصویر کشی ان محققین کے لئے ایک خاص دلچسپی کا

۱۔نہ فقط تاریخی روایات بلکہ فقہی/عبادی اور تفسیری روایات کے لئے بھی یہ مطالب کے دو گروہ ہیں جن سے ہم اس مجموعے میں روبرو ہیں (ایک عالی اور اور فوق العادۃ فقہی روایت کیلئے جو عروہ کی اجازت سے بتوسط زہری اور ہشام بن عروہ نقل ہوئی ہے ملاحظہ کیجئے: (G H A. juynboll Encyclopaedia of canonical Hadith, leiden 2007,p 645. ینبل معتقد ہے کہ قدیم منابع میں پہلی صدی ہجری کے نصف /ساتویں صدی عیسوی، کی اس کی ڈیٹنگ معقول اور قابل قبول ہے gregor schoeler the biography of mohammad nature anadthd authenticity p , 15. Fn. 183)

موضوع رہی ہے۔[1]

شوئلر کے مطابق اگر کسی بات پر جان ونزبرو، کرونہ اور کوک کی ملامت و سرزنش کی جا سکتی ہے اور انھیں ہدف تنقید بنایا جاسکتا ہے تو وہ بات "صحیح اور کامل روشِ شناسائی" سے ان کی بے توجہی اور غفلت ہے جس کی بنیاد برنہیم نے رکھی ہے۔[2]

۳۔ہارالڈ موٹزکی (Harald Motzki/متولد ۱۹۴۷عیسوی) کی نظر میں آج مغرب میں پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت شناسی دوراہے پر کھڑی ہوئی ہے :ایک طرف منابع سیرت کی نقادی کے بغیر پیغمبر اسلام ﷺ کی سوانح حیات تدوین نہیں کر سکتے اور دوسری طرف اسلام کی ابتدائی صدیوں کے منابع اور متون کو ہدف تنقید بنانے کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور تاریخ زندگی کی تدوین سے عاجز ہیں۔[3] ایسی صورت میں کیا مغربی محقق کے سامنے اس مشکل سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ موجود ہے؟ہارالڈ موٹزکی جس کا شمار مغربی محققین حدیث میں ہوتا ہے اس نے ابھی حال فی الحال سیرت کے باب میں مقالات کے ایک مجموعہ کی تصحیح کرکے اسے شائع بھی کیا ہے[4] وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں اظہار خود بینی کرتا ہے کہ اسلامی منابع کی وثاقت اور اعتبار کے بارے میں سابقہ مغربی محققین کی تردیدیں خود متعدد جہات سے اشکال سے دوچار اور خدشہ پذیر ہیں۔وہ سابقہ محققین کے کام کے عیوب ونواقص کو اس طرح شمار کرتا ہے :[5]

الف۔ سیرت پیغمبر ﷺ کے روائی منابع کی تنقید میں منظّم تحقیق کا فقدان۔مغرب میں سیرت نبوی کے

1.Ibid, p,.16-17

2. Ibid,.p. 17

۳۔مرتضی کریمی نیا، غرب میں سیرت کی تحقیق :منتخب متون و منابع، ص۱۹۔شایان ذکر ہے کہ متواتر تاریخی روایات اور اطمینان بخش نقول کی قبولیت اور روایات سیرت میں تواتر معنوی اور اجمالی کی موجودگی کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ رسول گرامی اسلام ﷺ کے بارے میں وارد اخبار و روایات قابل قبول ہیں
۔

۴۔یہ کتاب ۲۰۰۰عیسوی میں انتشارات بریل کے زیر اہتمام لایدن ہالینڈ میں چاپ ہوئی ہے۔اس کتاب کا نام "پیغمبر کی سیرت نگاری میں منابع کی مشکل" ہے یہ کتاب حدیث و سیرت کے شعبے میں مغربی محققین کے چھوٹے بڑے دس مقالات پر مشتمل ہے، جس کی مشرق وسطی کے شعبہ زبان و ثقافت کی تاسیس کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر اکتوبر ۱۹۹۷عیسوی میں دانشگاہ نا کمخن ہالینڈ میں رونمائی ہوئی۔اس کتاب کے کتاب شناسی مشخصات درج ذیل ہیں
:

Herald motzki (ed) the bibliography of Muhammad : the issue of the sources , Leiden: E,J, brill 2000

۵۔ دک: مغرب میں سیرت کی تحقیق: منتخب متون و منابع، ص۲۰۔

پہلے تدوین کرنے والے جس چیز کو اپنی نظر میں بہتر اور مناسب سمجھتے تھے، اسلام کے روائی منابع سے اس کا انتخاب کرتے تھے جبکہ سیرت کے باب میں تنقیدی مطالعہ اور ان نقول اور مختلف روایات کا موازنہ اور ڈیٹنگ اور موازنہ، تاریخی مصادر کے عنوان سے ان سے استفادہ کرنے کی پہلی شرط ہے۔

ب: اسلوب اور روش میں دقّت و تائل کا فقدان۔ تحقیقاتی روش اور روایات سیرت کی وثاقت کی تحقیق میں اب تک تھوڑی سی بھی دقت نہیں کی گئی ہے۔ متن روایات کے موازنہ کے لئے ظاہراً کوئی معیار موجود نہیں ہے، اور اسناد روایات کی تحلیل بھی آخر کی دہائیوں میں تھوڑی بہت پیشرفت کے باوجود شاذو نادر ہی روایات سیرت کے باب میں عمل میں آئی ہے۔

ج: منابع کی وثاقت کے باب میں بحث و مباحثہ کا روایات کے مبنیٰ سے ہٹ کر بہت ہی انتزاعی اور تجریدی سطح پر ہونا۔ ان منابع کی وثاقت کے بارے میں مغربی محققین کے شکوک و شبہات بیشتر فقہی روایات کو شامل ہیں۔ بعض کا ماننا ہے کہ اس شعبہ کے مجعولات کو روایات سیرت تک وسعت اور تعمیم دی جاسکتی ہے اور کچھ اس بات کی مخالفت کرتے ہیں؛ لیکن کسی نے بھی جزئیاتِ مسئلہ اور خود منابع سیرت کے مبنیٰ پر مفصّل تحقیق نہیں کی ہے۔

د۔ قرآن اور روایات کے درمیان ربط کے بارے میں کلّی اظہار نظر۔ ایک تاریخی ماخذ کی حیثیت سے قرآن اور روایات فقہ و سیرت اور تفسیر کے درمیان احتمالی رابطہ کی بحث، کلّی اظہارِ نظر سے آلودہ ہے جو خود بر مبنائے مطالعہ خاص اور جزئی نمونوں میں صورت پذیر ہے۔ اس وجہ سے ان اظہارات کا اعتبار خود اپنی جگہ پر چوں چرا سے خالی نہیں ہے اور قابل اعتراض ہے۔

ہ۔ قدماء کے دور میں منابع سیرت کے دائرہ کی محدودیت۔ جو کتابیں اب تک پیغمبرؐ کی تاریخ زندگی اور سیرت کی شرح میں لکھی گئی ہیں وہ منابع کے محدود حصّے کو شامل ہیں۔ یہ منابع (واقدی، ابن سعد، ابن ہشام اور طبری) صرف اور صرف تیسری صدی ہجری سے تدوین یافتہ سیرت کا روائی مجموعہ ہیں۔ متأخر منابع میں موجود روایات کی ابھی ایک منظّم طریقے سے تحقیق ہوئی ہے لیکن قدیم تر روایات سے ان کا موازنہ نہیں کیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے کچھ تازہ منابع۔ قدیم ہوں کہ متأخر۔ جو حالیہ دہائیوں میں شائع ہوئے ہیں اور محققین کی دسترس

میں آئے ہیں، یہ منابع کہ شائد جن کا نام ہی مغربی محققین کے لئے آشنا رہا ہے، روایات سیرۂ نبوی میں تحقیقی مبنیٰ کو بہت زیادہ تقویت کرتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ منابع سیرت کی وثاقت میں کچھ اہم نکات پر روشنی ڈال سکیں۔[۱]

مذکورہ بالا پانچ موارد کے پیش نظر، یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر صدر اسلام کی تاریخ کے بارے میں مغربی ماہرین اسلام کی ایک سو پچاس سالہ کوششوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ایک سب سے بڑی مشکل جو ہمیشہ ان کی طرف سے ذکر ہوئی ہے، وہ چار اصلی کتابوں یعنی سیرہ ابن ہشام، مغازی واقدی، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری کی وثاقت و اعتبار کا مسئلہ ہے۔ اس وثاقت کی نفی کے اصلی دلائل، حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور زمان تدوین اور سوانح حیات کی نشر و اشاعت کے درمیان کافی طولانی فاصلہ کا ہونا ہے۔ (تقریباً ۱۵۰ سے ۲۵۰ برس کا فاصلہ) اور دوسری دلیل، وہ سیاسی۔ تاریخی میدان ہے جس میں یہ متون وجود میں آئے ہیں۔ (یعنی زمانۂ حکومت بنی عباس)؛ اسی وجہ سے مغربی محققین نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ یہ متون حضرت رسول مقبول ﷺ کے تعلق سے رتبہ اوّل کی روایات کو ہمارے سامنے بہت کم پیش کرتے ہیں اور یہ کتابیں زیادہ تر زمانہ تألیف و نگارش کی حاکم فضا اور ماحول کو ہمارے لئے بیان کرتی ہیں کہ اس وقت کون سی فضا حاکم تھی؛ جیسا کہ ہر دور میں حکومت تاریخ نگاری کو اپنے کنٹرول میں رکھتی ہے۔ مغربی ماہرین اسلام نے اسی نقطۂ نظر کو صدر اسلام کی تاریخ کے حوالے سے بھی صادق جانا ہے اور دعوی کیا ہے کہ تمام اسلامی فرق و مذاہب چار و ناچار پیغمبر ﷺ سے استناد کرنے پر مجبور تھے تاکہ اپنے مذاہب کے نقطہ ہائے نظر کی توجیہ کر سکیں۔ اسی وجہ سے اس وقت کے مغربی محققینِ تاریخ نے صدر اسلام کے تعلق سے تاریخ نگاری کو میدان جنگ سے تشبیہ دی ہے۔[۲] اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ تقریباً پچھلی دو دہائیوں میں اس موضوع پر مبنی مغربی نظریات کی ناکامی کے باعث اور ہائیڈیگر، گڈامر اور ہرمینو ٹکس جیسے مفکرین کے طرفداروں کے نزدیک اس تصور میں سستی آ

۱۔ ہارالڈ موٹزکی کی یہ تحلیل اور تنقید تھوڑی سی تلخیص اور تصرف کے ساتھ "مغرب میں سیرت کی تحقیق" سے مأخوذ ہے: منتخب متون و منابع، ص ۲۰۔ ہارالڈ موٹزکی کی روش شناسی تحقیقات سے آگاہی کے لئے رک: فروغ پارسا، حدیث مستشرقین کی نگاہ میں۔ ہارالڈ موٹزکی کے حدیث شناختی مطالعات کی تحقیق و تحلیل، ص ۳۴۹۔ ۳۶۲، تہران، دانشگاہ الزہرا (س)، ۱۳۸۸۔

۲۔ نادر پور نقشبند "رسول اکرم کی سیرت کے ساتھ مغربی اسلام شناسوں کے سلوک کی کیفیت" ص ۱۱-۱۲ منقول از Battlefield of early Islamic historiography (Michael lecker , Waqidis account on the status of the jews of medina in lecker jews and arabs in pre- and early Islamic Arabia aldrshot 1998,.p.27)

جانے اور آخر میں مستشرقین کے اصول کے زوال پذیر ہونے کے سبب مغربی فکر نے ایک کروٹ لی جس کی وجہ سے بعض ماہرین اسلام نے ان جدید فلسفی خطوط کی مدد سے اپنے کام کا آغاز کیا اور ایک جدید نقطۂ نظر کے ساتھ اسلامی متون کی طرف گئے اور اس راہ پر چل کر وہ بکر اور تازہ نتائج تک پہونچے۔ یہ چیز مغرب میں علوم انسانی کے لئے کسی بھی طرح ایک زلزلہ سے کم نہ تھی۔[1]

اکیسویں صدی تک تقریبا تمام غیر اسلامی محققین کا عقیدہ تھا کہ پیغمبر اعظم ﷺ نے ایک جہاں دیدہ تاجر کی حیثیت سے قرآن میں مندرج اطلاعات کو دوسری آسمانی کتابوں اور ان کے پیروکاروں کی گفتگو سے اقتباس کیا اور انھیں جزیرۃالعرب پر حاکم حالات و شرائط کے مطابق ڈھال دیا ہے۔ غیر جانبدار محققین نے حالیہ برسوں میں اس طرح کے نظریات کی مضحکہ خیزی کو بخوبی محسوس کیا ہے۔ کیونکہ قرآن نے اپنے سامعین پر جو گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور اب بھی وہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں، یہ چیز ان کی مدد سے سازگاری نہیں رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی نئی صدی کے آغاز کے ساتھ محققین کے ایک گروہ نے ثقافتی تبدیلیوں کے بالمقابل صدر اسلام کی تاریخ سے مربوط مادی اور اجتماعی تفسیروں سے فاصلہ بنالیا اور اس حقیقت تک رسائی حاصل کر لی کہ اسلام کی ابتدائی دو دہائیوں کے واقعات اور خود رسول گرامی اسلام ﷺ کو پہلے درجے میں معنوی اور دینی نقطۂ نگاہ سے سمجھنا اور پرکھنا چاہئے۔[2] لڈ وگ امان (Ludwig Amman/۱۸۳۳۔۱۹۱۴عیسوی) اپنی بے نظیر کتاب ''اسلام کی پیدائش، وحی اور تاریخی نوآوری''[3] میں اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ تاریخ میں وحی کے کردار کی ایک نئی شکل پیش کرے۔ گذشتہ ماہرین اسلام کے نظریہ کے برخلاف، لڈ ویگ امان کا نظریہ ہے کہ جو تغیر اور تبدیلی حضرت رسول گرامی اسلام ﷺ بدوی عرب سماج میں لائے اور جو دین انہوں نے انسانوں کے سامنے پیش کیا، اس کا محرک نہ اقتصادی و مادی تھا اور نہ سیاسی، بلکہ صرف اور صرف معنوی تھا۔ اس بنیاد پر ویلیم منٹگمری واٹ کی تھیوری کے مطابق نبی اکرمؐ کی بعثت سے پہلے جزیرہ العرب کسی بحران کا شکار نہ تھا جو ہم حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو اس بحران کے ایک جواب

۱۔ نادر پور نقشبند، ''رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے ساتھ مغربی ماہرین اسلام کے سلوک کی کیفیت''، ص ۱۲

۲۔ سابق حوالہ ص ۱۳

3. Ludwig ammann, die Geburt des islams . historiche innovation durch offenbarung .. Gottingen 2001

کے عنوان سے سمجھیں۔ بلکہ اس کے برعکس وحیِ محمدی نے مدینہ میں اپنے معاصرین کے عقیدہ کو اس درجہ مشتعل کیا کہ ایک دینی انقلاب اور اس کے بعد ایک اجتماعی انقلاب برپا کر دیا۔[۱] اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ کہ صدر اسلام کی تاریخ میں تبدیلیوں کے حوالے سے لڈ وگ امان نے جو جدید اور نئے نظریات پیش کئے وہ صرف اقتصاد و سیاست کے میدان سے ثقافت و دین کی طرف نگاہ موڑنے کی وجہ سے قابل عمل ہوئے اور س کے تحقق کی زمین پست ماڈرن تھیوریوں نے ہموار کی ہے۔ اگر یہ کہوں کہ مغربی ماہرین اسلام کا رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے ساتھ سلوک اور رویہ انیسویں صدی عیسوی سے لے کر آج تک تدریجاً مجادلہ آرائی سے مصالحت جوئی کی طرف مائل ہوا ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ اور عین ممکن ہے مغربی مفکرین اور دانشوروں کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہو کہ دینی و مذہبی اور نظریاتی تعصب سے تحقیقی محصولات خام اور ناپختہ رہتے ہیں۔

مأخذ و منابع کی فہرست

الف: فارسی اور عربی کتابیں اور مقالات

قرآن حکیم، ترجمہ ناصر مکارم شیرازی، قم: اسوہ، ۱۳۹۲

آرمسٹرانگ، کارن، زندگی نامہ پیامبر اسلامؐ، ترجمہ کیانوش حشمتی، تہران، حکمت، ۱۳۸۳

استادی، رضا، آشنایی با تفاسیر، عدم تحریف قرآن و چند بحث قرآنی، تہران، نشر قدس، ۱۳۸۳

بدوی، عبدالرحمٰن، موسوعہ المستشرقین، بیروت، دار العلم للملائین، ۱۹۹۳ء

برناس، جان، تاریخ جامع ادیان، ترجمہ علی اصغر حکمت، تہران، انتشارات علمی و فرہنگی، (بی تا)

پارسا، فروغ، حدیث در نگاہ خاورشناسان بررسی و تحلیل مطالعات حدیث شناسی ہارالد موتسکی، تہران، زہرا(س) یونیورسٹی، ۱۳۸۸

پورٹ، جان دیون، عذر تقصیر بہ پیشگاہ محمد و قرآن، ترجمہ سید غلامرضا سعیدی، قم و تہران، دار التبلیغ اسلامی، (بی تا)

پور نقشبند، نادر، نحوہ برخورد اسلام شناسان عرب با سیرہ رسول اکرمؐ، معارف، ۵۰ (۱۳۸۶)

ثواقب، جہان بخش، نگرشی بر رویارویی غرب با اسلام، قم، دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۹

جوادی آملی، عبداللہ، نزاہت قرآن از تحریف تحقیق علی نصیری قم، مرکز نشر اسراء ۱۳۸۹

جوادی آملی، عبداللہ، وحی در قرآن، قم، مرکز نشر اسراء، ۱۳۸۱

جوان آراستہ، حسین، درسنامہ علوم قرآنی، سطح ۲، قم، بوستان کتاب، ۱۳۷۷

حسن، حسن ابراہیم، تاریخ، سیاسی اسلام، ترجمہ ابوالقاسم پائندہ (بی جا)، جاویدان، ۱۳۶۲

۱۔ نادر پور نقشبند "رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے تئیں مغربی اسلام شناسوں کے سلوک کی کیفیت"، ص ۱۳۔ منقول از ۸۳- p79، ibid .

حسن زادہ آملی، حسن و عبدالعلی محمدی شاہرودی، قرآن ہر گز تحریف نشدہ، قم، قیام، ۱۳۷۶
حسینی میلانی، سید علی، التحقیق فی نفی التحریف عن القرآن، قم، مرکز حقائق الاسلامیہ، ۱۴۲۶ھ
خمینی، روح اللہ، قرآن کتاب ہدایت از دیدگاہ امام خمینیؒ، تہران مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، ۱۳۸۵
خوئی، سید ابوالقاسم، البیان فی تفسیر القرآن، قم، مؤسسہ احیای آثار الامام الخوئی ۱۴۱۳ھ
دریابی، محمد رسول، پیامبر موعود در تورات و انجیل، تہران، انتشارات امام مہدی، ۱۳۷۶
رحمتی، محمد کاظم "پژوھش ہای شیرہ در مطالعات اسلامی با تکیہ پر مکتب بیت المقدس، کتاب ماہ تاریخ و جغرافیہ، ۶۱، (۱۳۸۱)
رضایی اصفہانی، محمد علی، منطق تفسیر قرآن (۱) قم، جامعۃ المصطفی العالمیہ، ۱۳۸۷
ریپین، آندرو، تحلیل ادبی قرآن، تفسیر و سیرت، جان ونزبرو کی روش شناسی پر ایک نظر، (ترجمہ مرتضی کریمی نیا) قرآنی تحقیقات کا فصلنامہ، ۲۳-۲۴ (۱۳۷۹)
سایکس، سرپرستی، تاریخ ایران، ترجمہ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی، تہران، دنیائے کتاب، ۱۳۷۷
سبحانی، جعفر، الھیات و معارف اسلامی، قم، مؤسسہ امام صادق (ع)، ۱۳۷۶
سحاب، فلتور، ایلاف قریش، بیروت: المرکز الثقافی العربی، ۱۹۹۲ء
سعیدی، سید غلامرضا، داستان ہایی از زندگی پیامبر ما، قم، دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۳
شریعتی سبزواری، محمد باقر، وحی و نبوت در نگاہ عقل و دین، قم، بوستان کتاب، ۱۳۸۸
شیمل، آنہ ماری، محمد رسول خدا، ترجمہ حسن لاہوتی، تہران، شرکت انتشارات علمی فرہنگی، ۱۳۸۵
شیخی میرزا، سہیلا، خاور شناسی و حدیث علوم حدیث، ۳۹، (۱۳۸۵)
صبری، خلیل اللہ، طبقات آیات، تہران، امیر کبیر، ۱۳۴۴
طاہری خرم آبادی، سید حسن، عدم تحریف قرآن، قم، بوستان کتاب، ۱۳۸۵
طباطبایی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۴۱۲ھ
طبرسی، ابو علی فضل بن حسن، مجمع البیان لعلوم القرآن، طہران، مؤسسہ الہدی للنشر والتوزیع، ۱۴۱۷ھ
غروی نائینی، نہلہ، تاریخ حدیث شیعہ (تا قرن پنجم)، قم، شیعہ شناسی، ۱۳۸۶
کوپل، ژیل، پیامبر و فرعون، ترجمہ حمید احمدی، تہران، کیہان، ۱۳۶۶
کریمی نیا (مدوّن اور مصحّح)، مرتضی، سیرہ پژوھشی در غرب؛ منتخب متون و منابع، تہران، مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی، ۱۳۸۶
کریمی نیا، مرتضی، سیرہ نگاری پیامبر اسلام در غرب، آئینہ تحقیق، ۶۸ (۱۳۸۰)
کریمی نیا، مرتضی، سیری اجمالی در سیرہ نگاری پیامبر اسلامؐ در غرب، کتاب ماہ دین، ۱۱۰-۱۱۳، (۱۳۸۵)
کوران، ج۔و۔ی۔د۔نوو، رویکردھای روشنمندیہ مطالعات اسلامی، ترجمہ شادی نفیسی آئینہ تحقیق ۱۱۴، (۱۳۸۷)

گیب، سر ہمیلٹن، اسلام، بررسی تاریخی، ترجمہ منوچہر امیری، تہران، نشر علمی و فرہنگی، ۱۳۸۰

گیورگیو، کونستان ویرژیل، محمد ﷺ پیغمبری کہ از نو باید شناخت، ترجمہ، ذبیح اللہ منصوری، (بی جا)، مجلّہ خواندنی ھا، (بی تا)

مصباح، محمد تقی، آموزش عقاید، تہران، سازمان تبلیغات اسلامی، شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۷۷

مصطفٰی، شاکر، التاریخ العربی والمورخون، بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۸۳ء

معارف، مجید، تاریخ عمومی حدیث، با رویکرد تحلیلی تہران، کویر، ۱۳۸۸

معرفت، محمد ہادی، تاریخ قرآن، تہران، سمت، ۱۳۷۵

معرفت، محمد ہادی، صیانۃ القرآن من التحریف، تہران، وزارت امور خارجہ، ۱۳۷۹

معرفت، محمد ہادی، نقد شبہات پیرامون قرآن کریم، ترجمہ حسن حکیم باشی اور دیگر حضرات۔ تمہید، ۱۳۸۸

مکارم شیرازی، ناصر و معاونین، پیغام قرآن، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۷۷

مکارم شیرازی ناصر و ہمکاران، تفسیر نمونہ، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۷

موثر کی، ہارالڈ، زندگی نامہ حضرت محمد ﷺ؛ بررسی منابع، ترجمہ محمد تقی اکبری و عبد اللہ عظیمائی، مشہد، بنیاد تحقیقات اسلامی ۱۳۸۶

مؤدب، سید رضا، تاریخ حدیث، قم، مرکز جہانی علوم اسلامی، ۱۳۸۴

مؤدب سید رضا، مبانی تفسیر قرآن، قم، دانشگاہ قم ۱۳۸۸

میر محمدی زرندی، سید ابو الفضل، تاریخ و علوم قرآن، قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۳۷۷

نجار زادگان (محمدی)، فتح اللہ، سلامۃ القرآن من التحریف، تہران، پیغام آزادی، ۱۳۷۸

نیک بین، نصر اللہ، اسلام از دیدگاہ دانشمندان غرب، دورود: سیمان و وفارسیت، (بی تا)

ب: انگریزی کتب و مقالات

-g. h, juynboll,encyclopaedia of canonical hadith leiden, 2007

- g levi della vida , sira in encyclopaedia of islam 2nd edition leiden : e ,j, brill , 1934.

-gregor schoeler the biography of Muhammad ,nature and authenticity translated by uwe vagelpohl , edited by james e , Montgomery , Routledge , 2011.

- gregor schoeler , the oral and the written in early isalm ,trans. U, vagelpohl,ed. J, Montgomery London & new york , 2006.

-harald motzki (ed) , the Bibliography of Muhammad : the issue of the sources ,Leiden : e .j, brill ,2000.

Joseph Schacht , the origins of Muhammadan Jurisprudence oxford clarendom press ,

1950.

-Michael lecker , waqidis account on the status of the jews of medina m in lecker jews and arabs in pre and early isalmic Arabia aldershot ,1998

-Uri Rubin introduction the prophet Muhammad and the islmaic sources .

w. Montgomery watt. The reliability of ibn ishaq s sources la vie du prophete Mahomet , colloque de Strasbourg (October 1980) paris ,1983.

-w. Montgomery watt, Muhammad at mecca oxford clarendon press ,1953.

- w . Montgomery watt , Muhammad at medina oxford clarendon press, 1956.

- a.a. duri al— zuhri a study on the beginning of history writing in islam , bsoas,six, (1957) .

e.g.r. serjeant, review of wansbrough quranic studies j . royal as. Soc, 1978.

- joseph Schacht on musa b. uaba's kitab al magazi , acta orientalia ,21 (1953) .

-joseph Schacht a revaluation of islam tradition journal of the royal asiantic society 49(1949).

-p. crone ,serjeant and meccan trade ,Arabica 39(1992) Richard w. bulliet , book .review international journal of Islamic and Arabic studies 4(2) 1987.

Uri Rubin , meccan trade and quranic exegesis (quran 2: 198) bsoas,53(1990).

w.m.watt. the reliability of ibn- ishaq 's sources in fahd (1983) .

- y.d. nevo and j. koren, methodological approaches to Islamic studies " der isla .

سیرت پیغمبر اکرمؐ میں خواتین کے ساتھ اجتماعی رابطوں کے اصول

مؤلفین: طاہرہ رجبی[۱]
حسن علی بختیار نصر آبادی[۲]
مترجم: مولانا سید توکل حسین شمسی

خلاصہ

انسان ایک اجتماعی مخلوق ہے، اسی بناء پر اسلامی معاشرے کے اہداف، افراد کے آپسی شائستہ تعاملات کے سائے میں محقق ہوتے ہیں کہ جن میں افراط و تفریط، اجتماعی روابط کے لئے ہمیشہ سے مشکل ساز رہا ہے۔

اس آرٹیکل میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ رسول خداؐ کی عملی زندگی سے خواتین کے ساتھ ان کے سلوک کو ایک سیرت کی صورت میں بیان کیا جائے، اور کیونکہ آرٹیکل میں انداز تحقیق مطالعہ تاریخ میں منحصر رکھا گیا ہے لہٰذا شواہد بھی کتب تاریخی سے ہی لائے گئے ہیں۔ ان شواہد کی جانچ پڑتال سے یہ مطلب عیاں ہوتا ہے کہ آپؐ کی ہمیشہ یہی سعی رہی ہے کہ خاتون کے متعلق معاشرے میں موجود افکار کی اصلاح کی جائے اور اس کا حقیقی مقام اس کو لوٹایا جائے اور سماجی تعلقات میں اس کی انسانیّت کو مد نظر رکھا جائے، آپؐ کی سیرت طیبہ میں اس کی کرامت انسانیہ، استقلال، معرفت و عدالت مشہود تھی، جہاں مرد و زن کے فطری اختلاف کی بات تھی تو وہاں خواتین کے ساتھ آپؐ کا رویّہ وسلوک اس کے احساسات سے منطبق عاطفی اور ستون عفت پر استوار ہوتا تھا۔ آپؐ بعنوان انسان کامل اس کی عطوفت و عفت دونوں پہلو کو مد نظر رکھتے تھے، جو کہ بہترین تعامل کا طریقہ تھا۔

۱۔ سٹوڈنٹ آف تاریخ و فلسفہ اصفہان یونیورسٹی ان ماسٹرز
۲۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر آف اصفہان یونیورسٹی تاریخ دریافت آرٹیکل ۱۳۹۴/۰۷/۱۹ تایید ۱۳۹۶/۰۷/۱۱

مقدمہ

انسان ایک اجتماعی مخلوق ہے، اور اس کا اجتماعی و معاشرتی ہونا ایک فطری صفت ہے اس معاشرتی نظام کی اہمیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے کچھ اور ہی آشکار ہوئی، دین اسلام دوسرے ادیان کی نسبت انسانی معاشرے کے اجتماع پر زیادہ توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے اس لئے وہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں اس کو مہمل یا کم رنگ نہیں ہونے دیتا۔[1]

ایک معاشرے کی تشکیل کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اس معاشرے کے افراد کے باہمی تعلقات کی نوعیت و کیفیت ہے، جبکہ اس معاشرے کے اعضاء مرد و زن ہیں جن کے باہمی ارتباط سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، اور یہ تعلق جو امع مختلف، وجود زن کے متعلق الگ الگ نظر کے پیش نظر متفاوت ہے۔

جب وجود زن سے تعلق کی بات کی جائے تو طول تاریخ میں اس موضوع پر مختلف نگاہ و انداز میں تحلیل کی گئی ہے، کہ جس میں جنجالی انتقادات اور افراط و تفریط کا ہمیشہ ہی سامنا کرنا پڑا، مجموعی طور پر اس کے بارے میں دوطرح کی غلط سوچ پائی جاتی ہے، ایک یہ کہ اس کا وجود اضافی، حقوق اجتماعی سے محروم ہے اور اس کو اس معاشرے میں اپنے لئے اجتماعی نکھار ورشد کا کوئی موقع فراہم نہیں، اس کے مقابل ماڈرن سوسائٹی کی سوچ یہ ہے کہ وہ مرد کے مساوی حقوق کی خواہاں ہے اور اپنے وجود کے اظہار کے لئے ہر طرح کے موقع سے استفادہ کر سکتی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ ایک انسان کامل، اسوہ حسنہ اور حاکم ہونے کے ناطے، ایک اجتماعی وانسانی اسلامی معاشرے کو تشکیل فرماتے ہیں کہ جس کا ہدف سعادت ہوتا ہے وہاں عملی طور اسلام کے قوانین واحکام کو نافذ کیا جاتا ہے، آپؐ اس معاشرے میں مبعوث ہوتے ہیں جہاں عورت کمترین حقوق اور کمترین احترام انسانی سے ہمکنار اور وابستہ ہوتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورت بہت ہی نامناسب حالت میں تھی، جیسے خرید و فروخت کا سامان ہو، وہ ہر

۱۔ طباطبائی، ص ۱۴۵ تا ۱۴۸، جلد ۱۳۷۴، ۴

قسم کے اجتماعی و فردی حقوق یہاں تک کہ میراث سے بھی محروم تھی، عرب اس کو حیوانات کے ساتھ شمار کرتے اور جزو اثاث و وسائل زندگی سمجھتے تھے، اکثر وہ قحط یا پھر برے اعمال میں آلودہ ہو جانے کے ڈر سے ان کو پیدا ہوتے ہی تہہ تیغ کرتے یا پھر کسی گہری کھائی میں پھینک دیتے، تو کبھی پانی میں غرق کر دیتے تھے۔[۱]

پیغمبر اکرمؐ کو ایسے حالات میں جاہلی فکر رکھنے والے اعراب میں مبعوث کیا گیا تا کہ آپ اسلامی تعلیمات کے ذریعے ان کی اصلاح کریں اور ایک ایسے صحیح و سالم زندگی کی طرف ان کی ہدایت فرمائیں کہ جس میں باہمی روابط شائستہ ہوں اور تمام باطل رسوم پر خط بطلان کھینچا جائے۔ اسلام کی برکت سے خاتون کو وہ مقام و منزلت نصیب ہوئی جو دنیائے قبل از اسلام اپنی قدمت کے باوجود نہ دے سکی۔ اگر آج ہم اس کا وہ مطلوبہ مقام نہیں دیکھ پا رہے ہیں تو اس کی وجہ اس کی منزلت سے عدم معرفت یا شناخت نادرست ہے۔[۲]

رسول اکرمؐ نے مکہ مکرمہ میں آغاز بعثت پر پہلے اعتقادی مسائل بیان کئے تا کہ لوگوں کے طرز تفکر کی اصلاح کی جائے اور پھر ان توحیدی عقائد کے سائے میں مرد و عورت کو زندگی کے مختلف مرحلوں سے آگاہ کرتے ہوئے خلیفۃ اللّٰہی کی منزل پر لایا جائے، ان دنوں عرب کے معاشرے میں عورت کی منزلت ضعیف ہو چکی تھی، ایسے میں آپؐ نے وجود زن کی صحیح معنوں میں تعریف فرمائی تا کہ وہ اپنی گمشدہ شناخت کو انسانی فطرت اور اپنے وجودی خصوصیات کی بناء پر ڈھونڈ سکے، اور پھر اس صحیح شناخت کے ساتھ معاشرتی زندگی میں اپنے اجتماعی تعامل و روابط کو حسین تر بنا سکے۔

اس مقالے کا ہدف اس مطلوبہ وضعیت کا نقشہ کھینچنا ہے جو آپؐ کے خواتین سے سلوک کی عملی سیرت سے ہی حاصل ہوا ہے، اس آرٹیکل میں ایک سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشرے میں خواتین سے برتاؤ کے تربیتی اصول کیا ہیں؟

اسلام، اجتماع اور ایک مطلوبہ اخلاقی معاشرے کے قیام کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، اس لئے وہ

۱۔ سبحانی، ۱۳۸۷

۲۔ طباطبائی، جلد ۲، ص ۴۱۴، ۱۳۷۴

عورت کے متعلق ایک انسانی اور بلند نگاہ رکھتا ہے، اس لئے عقلاء کی سطح پر معاشرے کو اپنے مطلوبہ اہداف کے حصول کے لئے انسانی تعلقات کی بنیاد پر پرکھنا پڑے گا بالخصوص پیغمبرؐ کی سیرت کو اساس بناتے ہوئے اسلام کی نگاہ میں مرد وزن کے باہمی تعلقات کو دیکھنا ہوگا، اوراس مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آپؐ کے خواتین کے ساتھ سلوک کو مد نظر رکھتے ہوئے، عصر پیغمبرؐ میں زندگی بسر کرنے والوں کا ایک تاریخی جائزہ لیا جائے تاکہ مرد وعورت کے باہمی روابط کا ایک مطلوب اسوہ حاصل ہو۔

''زن از نگاہ پیغمبرؐ'' کے موضوع پر مختلف تحقیقات انجام دی گئی ہیں، شفیعی(۱۳۹۱) کا ایک آرٹیکل ہے جس کا عنوان ''زن از نگاہ پیغمبرؐ'' ہے وہ اس میں مختلف آراء بیان کرتے ہیں، جو خاتون کے روابط کو ایک خاندان کی حد تک تو بیان کرتی ہیں، لیکن معاشرے میں اس کے مقام ومرتبہ کی طرف اشارہ نہیں کرتیں۔[۱]

ایک دوسرا آرٹیکل ہے جس کا فارسی عنوان ''تبیین نظام مطلوب روابط اجتماعی بر اساس آموزہ ھای تربیتی پیامبر اکرمؐ در نہج الفصاحہ'' ہے مقالہ نگار اس میں اجتماعی روابط وتعلقات کے لئے ایک مطلوب نظام کی بات کرتے ہیں اور کچھ اصول بھی مشخص کرتے ہیں، لیکن وہ بھی مشترک انسانی روابط سے متعلق ہے۔(یعنی خواتین سے مخصوص نہیں ہے)[۲]۔

موصوف اپنے ایک دوسرے آرٹیکل میں پیغمبرؐ کی تہذیب وثقافت کے معاملے میں کارفرما سیاست اور پھر دورہ جاہلیت میں موجود خاتون کی ثقافتی واجتماعی موقعیت پر اس کے اثرات کی تحقیق کرتے ہیں، انہوں نے اس آرٹیکل میں دور جاہلیت کے قوم وقبائل میں خاتون کی منزلت اور آپؐ کے گفتار کہ جس میں عورت کی کرامت انسانی پر تاکیدات بیان ہوئی ہیں، ایک مقایسہ کیا گیا ہے۔

طبی(۱۳۸۶) اپنی کتاب میں رسول اکرمؐ کے خانوادے اور معاشرے میں موجود خواتین کے ساتھ کردار وسلوک کی تحلیل کرتے ہیں۔

۱۔ سبحانی نژاد اور علیین، ۱۳۸۷

۲۔ جمشیدی اور زائری، ۱۳۸۷

اس بناء پر آج تک کوئی مستقل تحقیق جس میں رسول خداؐ کے خواتین سے سلوک کے اجتماعی اصول بیان کئے گئے ہوں نظر سے نہیں گزری۔

آپؐ کی حیات طیبہ اور سیرۂ عملی کا دقیق مطالعہ ضروری ہے تاکہ مرد وزن کے اجتماعی تعلقات کی نوعیت کے بارے متعادل نظریہ حاصل ہو سکے۔

انداز تحقیق

اس آرٹیکل میں تحقیق کا طریقہ کار اور مبنیٰ تاریخی مطالعات ہے، ایک تاریخی تحقیق وہ ہوتی ہے جس میں گذشتہ تاریخی واقعات سے جڑے سوالات کے جوابات ایک منظم انداز میں تلاش کیے جاتے ہیں، اس ہدف کے ساتھ کہ موجودہ تعلیم وتربیت کے مسائل کے حل میں بہتری لائی جاسکے۔[1] لیکن اس طرح کی تحقیقات کا ہدف، حالات حاضرہ کو سمجھنے کے لئے اخلاقی حدود کا تعین ہے۔

ایک تاریخی ریسرچ کے لئے درج ذیل مراحل کی ضرورت ہوتی ہے۔

ابتدا میں تاریخی درپیش مسئلے کو بیان کیا جاتا ہے، پھر اس کے متعلق موجود تاریخی منابع ومواد کی جستجو ہوتی ہے، منابع کی فہرست پہلے سے معین نہیں ہوتی بلکہ کام کے دوران ہی بڑھتی اور مکمل ہوتی رہتے ہے۔ پھر ضروری ہے کہ اس مواد کا خلاصہ اور جانچ پڑتال کی جائے اور آخر میں جو کچھ ہمارے موضوع اور مسئلے کے بارے میں ہے اس کی تحلیل کی جائے۔[2] اس آرٹیکل کے لیے پہلے زندگانی پیغمبرؐ کے متعلق موجود کتب تاریخ کو دیکھنا ہوگا، یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کام کا آغاز ان قدیمی عربی کتب سے کیا جائے جن کا فارسی میں ترجمہ ہوا ہو، اس کے بعد عام تاریخی اور رجالی کتب کی طرف رجوع کیا جائے، اس مقصد کے حصول کے لئے ترجمہ طبقات الکبری جیسی کتاب زیادہ کارآمد ہے کہ جس میں الگ سے پوری ایک جلد صدر اسلام کی خواتین کے تعارف پر مشتمل ہے اور بعد کے مراحل میں لازم معلومات کی جمع آوری اور ترتیب بندی کی بناء پر رسول

۱۔ نصر وہمکاران، صفحہ ۱۱۲۹تا۱۱۳۰، ۱۹۸۳

۲۔ نصر وہمکاران، صفحہ ۱۱۳۸تا۱۱۳۵

خداؑ کے خواتین کے ساتھ تعامل و سلوک کے اصولوں کی تحلیل ہوئی ہے۔

سلوک کے اقسام

جب تک کچھ افراد آپس میں مل کر نہ رہیں روابط اور تعلقات جنم نہیں لیتے اور نہ ہی ایک اجتماع و کمیونٹی کا مفہوم وجود میں آتا ہے، ایک معاشرے کی تشکیل کے لئے اس معاشرے کے افراد کے درمیان تعلقات کا برقرار ہونا بہت ضروری ہے۔[1]

اور یہ تعلقات تین صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں، خود اپنے آپ سے، دوسرے انسانوں سے اور انسانوں کے باہمی تعلقات، انسان کا دوسرے انسانوں سے تعلق تفہیم و تفاہم کہلاتا ہے جو مختلف دلائل کی بناء پر وقوع پذیر ہوتا ہے، اپنے اور دوسروں کے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے، باہمی تضاد و تعارض کو رفع کرنا، اطلاعات کا تبادلہ، ایک دوسرے کو بہتر سمجھنا (انڈراسٹینڈنگ)، اجتماعی ضروریات کا ازالہ اور دوسری بہت ساری چیزیں ہر انسان کے لیے ضروری ہیں۔

اس تعلق کو صحیح اور مؤثر بنانے کے لئے مہارت ضروری ہے، جس میں کسی کی بات کو سننا اور اور ہمدلی رابطہ کے حصول کے لئے لازم ہیں، ان دو مہارتوں کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کے ساتھ مؤثر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، ایک دوسرے کا ادراک آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے جب کبھی ایک اچھے مؤثر تعلق کی بات کی جائے تو معمولا ہمارا ذہن گفتگو کی طرف جاتا ہے جبکہ کسی کی بات کو اچھے سے سننا بھی تعلقات کو برقرار کرنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے، اگر وہ گفتگو سے اہم نہیں تو اس سے کم تر بھی نہیں، کسی کی سنے بنا مطلوبہ ہدف حاصل نہیں ہوتا۔ ہمدلی ایک خاص توانائی ہے جس کے سبب دوسروں کی بہتر شناخت کی جاسکتی ہے، اور اس کی فکر تک رسائی حاصل کرتے ہوئے دنیا کو اس کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ افراد کے ایک دوسرے کو سمجھنے اور درک کرنے کی صلاحیت میں چشم دید فرق ہوتا ہے، ہر کوئی اپنی صلاحیت کے مطابق ہی دوسروں کے احوال سے آگاہی حاصل کرپاتا ہے۔ اگر کوئی فرد یہ چاہتا ہے کہ وہ فرد مقابل کو زیادہ سے زیادہ سمجھ پائے اور اس

۱۔ فرہنگی، صفحہ ۱۳، ۱۳۸۷

سے اپنا تعلق بڑھانے کا خواہاں ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے دوسروں کی نسبت ادراک کی شناخت و تشخیص کو جانے، دوسروں سے حس ہمدلی کا طالب خود ان کی نسبت حساس ہو ان کو اچھے انداز میں سمجھے اور اپنی شخصی رائے سے کام نہ لے۔ [۱]

اسلام میں تعلقات کا ایک حصّہ تبلیغ سے ہی محقق ہوتا ہے، دین الٰہی میں پیغام حقیقی کی رسانی اور لوگوں کی صحیح زندگی ان تعلیمات اسلامی کی بناء پر ہی ممکن ہے جس کی تبلیغ پیغمبروں نے فرمائی ہو، تبلیغ، ارتباط و تعلق کی ایک خاص نوع ہے جس کا ہدف تعلیم، اقناع و قناعت اور کبھی کبھی طرف مقابل کو انجام عمل پر آمادہ کرنا ہوتا ہے [۲]

دینی تربیت میں ارتباط وتعلقات کے چار اصول، انسان کا تعلق خدا، خود، دوسروں اور اس کائنات سے محور سخن ہوتے ہیں، انسان کی رشد و تربیت کا سرچشمہ ومبداء یہی چار تعامل ہیں(سجادی،۱۳۸۸)؛ البتہ یہ سارے انسانی تعلقات وارتباطات ،اپنے خدا سے تعلق کے سائے میں ہی معنی و مفہوم پیدا کرتے ہیں، سیرت پیغمبرؐ میں دوسروں سے روابط وتعلقات، پیام الٰہی کے ابلاغ، تعلیم وتربیت اور انسانوں کے کردار کی اصلاح کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

افراد معاشرہ کے دائرہ تعلقات میں ہر فرد کی انسانیت سے اس انداز میں گفتگو ہوگی کہ تعین جنسیت لازم نہ رہے، اس آرٹیکل میں مرد وعورت کی نسبت، نگاہ انسانی کو شفاف تر کرنے کے لئے آپؐ کے خواتین کے ساتھ تعامل وسلوک میں حاکم تربیتی اصولوں کی تحلیل کی جائے اوراس ہدف کو سامنے رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ آپؐ کی سیرت عملی میں خواتین کے ساتھ سلوک اور تال میل پر ریسرچ کی جائے۔

انسانیت زن (خواتین کے انسانی پہلو کی طرف توجہ)

حقیقت انسانی، روح سے تشکیل پاتی ہے جسم سے نہیں، انسان کی انسانیت کو اس کی جان سے جانا جاتا ہے نہ

۱۔ فرہنگی، صفحہ ۲۰۷تا۲۱۶

۲۔ خندان، صفحہ ۱۸۹، ۱۳۷۴

کہ جسم سے یا مجموعہ جسم و جان سے۔ (جوادی آملی، ۱۳۷۷، صفحہ ۷۶)۔

ایک انسانی معاشرے کے معاشرتی تعلقات کو برقرار رکھنے میں جو کہ ہر انسانی سماج کے لئے ضروری بھی ہیں انسان کی انسانیت پر توجہ رکھنا بہت مہم ہے، اور خواتین کیونکہ اس معاشرے کے نصف حصے کو تشکیل دیتی ہیں اور ان تعلقات میں حصہ دار ہیں، لہذا ان شاء اللہ اس تحقیق میں آپؐ کے خواتین کے ساتھ سلوک اور پھر اس میں کیا اصول مرکزی حیثیت رکھتے تھے بیان کئے جائیں گے۔

کرامت انسانی (خواتین سے تعامل و سلوک ان کی کرامت انسانی کو مد نظر رکھتے ہوئے)

طبق قرآن، فرزندان آدم ذاتی کرامت و شرافت سے سرشار ہیں جو ان کو اللہ تعالی کی طرف سے عطا ہوئی ہے[1] جہان انسانوں کے باہمی تعلق وارتباط کے قائم کرنے کی بات کی جائے تو طول تاریخ میں خواتین کی شخصیت کی نسبت کم لطفی سے کام لیا گیا ہے، جبکہ انسانی عظمت کا پاس رکھنا یہ ابتدائی ترین اصولوں میں سے ہیں۔

مالک بن لوذان قبیلہ بنی سمیعہ کے بزرگ تھے زمانہ جاہلیت میں ان کو بنی صماء کہا جاتا تھا، صماء کا معنی ہے بہرہ پن، یہ اس خاتون کا لقب تھا جس کا مالک نے دودھ پیا تھا، اور چونکہ اس بیچاری کو کم سنائی دیتا تھا اس بنا پر ان کی اولاد کو بھی اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب یہ قبیلہ مسلمان ہوا تو پیغمبرؐ نے ان کا نام تبدیل کر کے بنی سمیعہ (سننے والی) رکھا (ابن سعد، جلد ۴، صفحہ ۳۳۷، ۱۳۷۴) پیغمبر خداؐ نے اپنے اس ایک عمل سے نہ صرف زمانہ جاہلیت کی اس رائج بیہودہ رسم کی اصلاح فرمائی بلکہ اس نادرست لقب کو اس خاتون کے لئے ماندگار ہونے سے بھی روک دیا اور پھر سمیعہ جیسا خوبصورت نام دے کر اس کو شخصیت و کرامت عطا فرمادی۔

زینبؓ، دختر قسامہ جناب اسامہ بن زیدؓ کی زوجہ تھی لیکن اسامہؓ نے ان کو طلاق دے دی، پیغمبر اکرمؐ نے اس واقعہ کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا تم میں سے کون چاہتا ہے کہ میں اس کو ایک نیک و پارسا خاتون کے متعلق راہنمائی کروں اور وہ اس سے شادی کرے اور میں اس کا سسر بن جاؤں؟ اس دوران آپ کی نگاہ مبارک جناب

۱۔ سورہ اسراء، آیت ۷۰۔

نعیمؓ پر تھی، تو جناب نعیمؓ عرض کرنے لگے: اے رسول خدا ظاہراً آپ کی نظر کرم مجھ پہ ٹھہری ہے، فرمایا: ایسا ہی ہے اور پھر جناب نعیمؓ نے زینبؓ سے شادی کر لی اور ان سے ابراہیم کی ولادت ہوئی، ابراہیم بن نعیمؓ جنگ حرہ سن ۶۳ کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے جو اسی جنگ میں شہید بھی ہوئے (ابن سعد، جلد ۵، صفحہ ۲۸۷، ۱۳۷۴) کیونکہ رسول اکرمؐ جناب زینبؓ کی پہلی شادی میں اور جناب اسامہؓ کا تعارف کروانے میں واسطہ تھے اس بناء پر جب شادی طلاق پر منجر ہوئی آپؐ نے جناب زینبؓ کی دوسری شادی میں بھی وساطت فرمائی تا کہ ان کی شخصیت و کرامت کا احیاء فرمائیں۔

سفانہ، دختر حاتم طائی کو ہمراہ اسراء مدینہ میں لایا گیا اور جہاں پر اسیروں کی نگہداری کی جاتی تھی ان کو بھی قید کر دیا گیا، ایک دن آپؐ کا گزر وہاں سے ہوا تو اس نے اپنی آزادی کی خواہش کی لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ اسی طرح تین دن تک اپنی درخواست کا تکرار کرتی رہی یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا میں تمہاری آزادی سے موافق ہوں لیکن آپ جلدی نہ کریں میں ایک قابل اطمینان شخص کی تلاش میں ہوں تا کہ اس کے ہمراہ آپ کو آپ کے دیار پہنچایا جائے، اگر آپ کے پاس کسی ایسے شخص کی اطلاع ہے تو مجھے آگاہ کریں میں اس کے ساتھ آپ کو آپ کے شہر روانہ کر دوں۔ اس ماجرا کے کچھ دن بعد مدینہ میں قبیلہ بنی حاتم کا ایک کاروان آیا پیغمبر اکرمؐ نے سفانہ کے لئے کچھ لباس، زاد راہ اور ایک مرکب کا اہتمام فرمایا اور اس کاروان کے ساتھ ان کو روانہ فرمادیا (رسولی، جلد ۲، صفحہ ۳۶۰تا۳۶۱، ۱۳۷۵)۔ پیغمبر اکرمؐ سفانہ کی شأن و شوکت کو حفظ کرتے ہوئے اس کی آزادی پر راضی تھے اور چاہتے تھے کوئی مناسب فرد ہمسفر کے طور پر مل جائے تا کہ وہ کسی انجان کے ساتھ سفر پر مجبور نہ ہو، آپؐ کا یہی کردار شاہد ہے کہ آپؐ کس قدر خاتون کی شرافت و عظمت و کرامت کو اہمیت دیتے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کے کردار میں خواتین کے ساتھ ارتباط و سلوک کو اگر مد نظر رکھا جائے تو کرامت انسانی کا پاس ولحاظ رکھنا آپؐ کے مہم ترین اصولوں میں سے تھا، وہ کرامت جو کہ انسان کو گوہر خلقت کے ساتھ ہی عطا ہوئی اور وہ انسانیت جو کہ روح الٰہی سے نصیب انسان ہوئی وہی کرامت خدادادی ہے۔

عورتوں کی آزادی

ترقی یافتہ اور جدید معاشروں میں غالباً عورت کو ایک آلہ ووسیلہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اسی نگاہ کی وجہ سے نہ صرف مرد بلکہ خود عورت بھی ایک عورت کی آزادی واستقلال کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ قرآن مجید میں کچھ خواتین کو اچھی بیوی، اچھی ماں وغیرہ کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو مردوں کے درمیان ہمزہ وصل کی طرح ساقط کر دیا جائے یا وہ خاندان یا معاشرے میں ایک وسیلہ ہو جس کا کام دوسروں کو کمال تک پہنچانا ہو، بلکہ مقصود زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اس کے کمال کی راہیں بیان کرنا ہے جو اس کو اس کے استقلال ذاتی سے محروم نہیں کرتیں،(جوادی آملی، صفحہ ۳۳۷، ۱۳۷۷) اسلام میں ایک خاتون کی آزادی و استقلال ایک انسان کے عنوان سے ہے جس کی ہویت حضرت حق کی عبادت میں پنہاں ہے، اور وہ ہویت استقلالی ہے، کسی مذکر سے نہیں جڑی ہے۔

جب پیغمبر اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اسلام قبول کرنے والی کچھ خواتین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں؛ اے رسول خداؐ مردوں نے آپؐ سے بیعت کی ہے ہم بھی چاہتے ہیں آپؐ کی بیعت کریں، پیغمبرؐ نے پانی سے بھرا ایک ظرف طلب فرمایا اور اس میں اپنا دست مبارک رکھا، اور خواتین سے فرمایا کہ وہ باری باری اپنا ہاتھ پانی میں ڈبوئیں یہی ان کی بیعت ہے (ابن سعد، جلد۸، ص۸، ۱۳۷۴)۔ پیغمبر اکرمؐ نے اعراب کے اس معاشرے میں کہ جس میں خاتون کے لئے رتی برابر بھی لوگ حقوق کے قائل نہیں تھے اپنے اس عمل سے ان کی آزادی واستقلال کا زندہ کیا بلکہ ان کی بیعت کو احترام دیتے ہوئے معاشرے میں ان کے فکری استقلال کی تایید فرمادی۔

خنساءؓ دختر خذام اور زوجہ انیس بن قتادہ انصاریؓ تھی، ان کے شوہر انیسؓ جنگ احد میں شہید ہوگئے ان کے والد نے ان کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی جو ان کو پسند نہیں تھا تو وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا؛ میرے والد نے مجھے آگاہ کیے بنا فلاں شخص سے میرا عقد کر دیا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا؛ آپ جس سے چاہیں ازدواج کر سکتی ہیں اور وہ شادی جو والد نے بغیر آگاہ کیے انجام دی ، باطل ہے(ابن سعد،

جلد ۸، صفحہ ۴۵۳)۔ اسلام کے احکام کے مطابق خاتون کو دوسری شادی کرنے کے لئے ولی کے اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ اس واقعے میں رسول اعظمؐ نے خاتون کے انتخاب شوہر والے فیصلے کا احترام فرمایا اور وہ شادی جو اس کی پسند سے نہیں تھی اس کو باطل قرار دے کر در حقیقت خاتون کے استقلال فکری اور زندگی میں اس کے اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔

عدالت مساوی

اصحاب پیغمبرؐ مختلف واقعات میں آپؐ کی توجہ حاصل کرنے اور شفاعت چاہنے کے لیے حاضر ہوتے تھے، ایک مرتبہ قریش کی ایک خاتون نے چوری کی قریش کے لئے یہ مسئلہ بہت اہم تھا لہٰذا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس معاملے میں آپؐ سے بات کریں اس مقصد کے لئے اسامہ بن زیدؓ کو بھیجا جو آپؐ کے نزدیکی لوگوں میں شمار ہوتے تھے انھوں نے آپؐ سے بات کی، آپؐ حدود الٰہی کے نفاذ میں سر سخت تھے ان سے فرمایا کس دلیل کی بناء پر آپ حد الٰہی کے نفاذ کے بجائے شفاعت کرنے آئے ہیں؟ آپؐ اٹھے اور ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: تم سے پہلے کچھ لوگ تھے جو تباہ و برباد ہو گئے کیونکہ جب کوئی قدرت مند اور بڑے خاندان کا فرد چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور ہر وقت کوئی ضعیف شخص ایسا کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، اس کے بعد آپ فرماتے ہیں: خدا کی قسم اگر فاطمہؑ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا (ابن سعد، جلد ۴، صفحہ ۵۸ تا ۵۹) حالانکہ آپؐ خواتین کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے لیکن احکام کے کو نافذ اور جاری کرنے میں انتہائی سنجیدہ تھے اور ہمیشہ عدالت سے کام لیتے تھے۔

نرمی و رواداری

نرمی و لچک دار رویہ، اسلامی اخلاقی دستورات میں سے ایک دستور ہے جو ایک اچھی زندگی اور بناتناؤ والے تعلقات کے لیے بہت ضروری ہے۔ پیغمبرؐ نے نرمی کو نصف ایمان بیان فرمایا ہے[1]۔ ماعزؓ نامی ایک شخص جو جناب ہزال اسلمیؓ کے زیر کفالت تھے ایک خاتون سے فعل حرام کر بیٹھے پھر سخت نادم ہوئے اور اپنے گناہ کے

۱۔ وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، صحیفہ ۲۰۱۔

بارے میں ہزال سے گفتگو کی انھوں نے مشورہ دیا کہ رسول خداؐ کے پاس جائیں اور ان کو بتائیں، رسول خداؐ نے ان کے بارے حد شرعی جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا، عین اسی وقت جب حد کا کے نافذ وجاری کرنے کا وقت آیا وہ فرار ہوگئے، یاران پیغمبرؐ میں سے ایک نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کو ضرب لگائی جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، پیغمبرؐ اس مارنے والے سے فرماتے ہیں اے کاش تم اس کو چھوڑ دیتے اور وہ خود ہی توبہ کرلیتا، پھر ہزال اسلمی سے فرمایا اگر تم اس کے گناہ پر پردہ پوشی کرتے تو وہ تمہارے لیے بہتر تھا، یہ واقعہ زبان زدہ عام ہوا تو رسولؐ نے اس خاتون کو بلایا بن کچھ پوچھے اس کو فرمایا جاؤ (ابن سعد، جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ تا ۲۹۳)۔ اگرچہ آپؐ احکام الٰہی کے نفاذ میں سخت سنجیدہ تھے لیکن اگر شرائط اجازت دیتے تو نرمی ورواداری بھی فرماتے تھے، رسول خداؐ کا اس خاتون سے سلوک قابل توجہ تھا۔ جب افراد خود اپنے گناہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور محافل میں اس موضوع پر گفتگو ہونے لگے تو پھر سکوت ونرمی کی تاثیر اقدام وفریاد سے زیادہ ہوتی ہے۔

فتح مکہ کے بعد جب اسلام کو وسعت ملی، تو رسول خداؐ کے سر سخت اور اصلی دشمنوں کی بیگمات جیسے ہند بنت عتبہ اور ام حکیم دختر حارث بن ہشام قریش کی دس خواتین کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوئیں، ہند کے چہرے پر نقاب تھا کہنے لگی میں ہند عتبہ کی بیٹی ہوں، تو رسول خداؐ نے فرمایا؛ خوش آمدید، پھر آپؐ نے ان کے لئے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی اور ان سے بیعت قبول کی، اس وقت ام حکیم، عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی کہنے لگی اے رسول خداؐ عکرمہ آپؐ کے ڈر سے یمن بھاگ گیا ہے وہ ڈرتا ہے کہ آپؐ اس کو قتل نہ کردیں اس لئے آپؐ اس کے لئے امان دیں، تو آپؐ نے فرمایا: وہ امان میں ہے (واقدی، صفحہ ۶۵۰ تا ۶۵۲، ۱۳۶۹)۔ درحالیکہ جب آپؐ مکہ میں تھے تو دس سال تک ان ہی کفار کی طرف سے بہت زیادہ اذیتیں برداشت کرتے رہے اور تین سال اپنے خاندان کے ساتھ شعب ابی طالبؑ میں سخت ترین حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے لیکن جب مکہ فتح ہوا تو دشمن کی خواتین کے ساتھ بہت ہی مہربانی اور عفو ودرگذشت سے پیش آئے یہاں تک کہ ان کی درخواست پر ان کے شوہروں کو بھی بخش دیا۔

درس معرفت

شفاء بنت عبداللہؓ صدر اسلام کی مؤمن خواتین میں سے عاقل ترین اور فاضل ترین مؤمنہ تھیں جو اسلام کی پہلی معلمہ بنیں وہ زمانہ جاہلیت میں بھی پڑھنا لکھنا جانتی تھیں اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ثواب کے لئے خواتین کو اسلامی احکام کی تعلیم دیتی تھیں، اسی سبب رسول خداؐ کی خصوصی توجہ کی حامل تھیں، حضرتؐ نے محلہ زرگران میں ان کے لیے ایک گھر مختص کیا تھا، آپؐ بنفس نفیس وہاں تشریف لے جاتے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند فرماتے۔(محمد زادہ، صفحہ ۲۹۰، ۱۳۹۰) آپؐ کا جناب شفاءؓ سے یہ رویہّ شاہد ہے کہ کس قدر دانشمند و صاحب علم خواتین کی تکریم فرماتے تھے اور یہ موضوع آپؐ کے نزدیک کتنا بلند تھا کہ ان کے علمی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان کی مادی زندگی بھی مہیا فرمائی تھی، وہ معاشرہ جس میں اکثریت علم و دانش سے ناآشنا اور پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی ان کے سطح علمی کو بلند کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی اشد ضرورت تھی مذکورہ بالا خاتون کی تعلیم و تربیت ان ہی میں سے ایک تھا۔

خواتین کے جذبات

اگرچہ ایک معاشرے میں خواتین کے ساتھ سماجی تعلقات کی برقراری میں انسان کی انسانیت مد نظر ہونی چاہیے لیکن جو آپؐ کی سیرہ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ خواتین کی خاص صفات پر خصوصی توجہ فرماتے تھے جیسے احساسات و جذبات، اس بناء پر ایک سوسائٹی میں مؤثر تعلقات برقرار کرنے کے لیے خواتین کے جذبات پر توجہ قابل اہمیت ہے، آنے والے حصے میں پیغمبرؐ کی عملی سیرت طیبہ سے اس پوائنٹ پر ریسرچ پیش کی جائے گی۔

عواطف نسواں

عواطف و جذبات ایک ایسی فضیلت ہے جو خاتون کو خداوند کریم سے عطا ہوئی ہے، وہ معاشرے جو آزادی نسواں کے طرفدار ہیں وہ دراصل اپنے ہی غرایز و جبلت کی تسخیر میں ہیں ان کو عواطف نسواں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اسلام میں خاتون آزاد اور معاشرہ اس کے جذبات میں مسخّر کر دیا گیا تا کہ عواطف سے لبریز معاشرہ

جنم لے جس میں ان سے معاشرت، عین ان کے جذبات و عواطف کے مطابق میسر ہو۔[۱]

غزوہ احد میں پیغمبرؐ نے سپاہ میں سے کچھ افراد کو احد پہاڑ پر محافظت کے لیے مأمور فرمایا، دشمن کے مقابل لشکر اسلام کی فتح حتمی ہونے ہی والی تھی کہ ان سپاہیوں نے غفلت سے کام لیا جس کے سبب دشمن پشت سے حملہ آور ہوا، سپاہی اطراف پیغمبرؐ سے پراکندہ ہوئے اور فقط چند نفر ثابت قدم موجود تھے جس میں ایک خاتون جناب نسیبہؓ بھی تھیں جو اپنے شوہر اور دو بیٹوں کے ساتھ مل کر رسول خداؐ کے دفاع میں مشغول تھیں، جب جناب نسیبہؓ کا ایک بیٹا زخمی ہوا تو خود انھوں نے اس کے زخم پر پٹی باندھی، رسولؐ نے اس شخص کی نشاندہی فرمائی جس نے اس کے بیٹے کو زخمی کیا تھا تو اس نے ایک ہی وار سے اس کو زمین گیر کر دیا، پیغمبرؐ نے تبسّم کیا اور فرمایا تم نے اپنا انتقام لے لیا۔[۲] جنگ کے اختتام پر آپؐ نے نسیبہؓ کے متعلق پوچھا کیونکہ وہ جنگ میں مجروح ہو گئی تھیں، پھر ایک شخص کو ان کی احوال پرسی کے لیے ان کے گھر روانہ فرمایا جب آپؐ نے ان کی سلامتی کی خبر پائی تو آپؐ خوشحال ہو گئے۔[۳] اس ماجرا میں آپؐ، نسیبہؓ کے دلیرانہ و شجاعانہ کردار کی طرف متوجہ تھے اور آپؐ نے ان کی صحت و سلامتی کی خبر گیری بھی فرمائی۔

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت کے بعد رسول اکرمؐ ان کے گھر تشریف لے گئے جبکہ آپؐ کی چشم مبارک سے اشک جاری تھے، فرزندان جعفرؓ کے سروں پر دست شفقت رکھا اور حضرت جعفرؓ کے لیے دعا فرمائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور شہید کے فرزند کو منبر کے زینے پر اپنے سامنے بیٹھایا آپؐ بہت ہی غم زدہ چہرے کے ساتھ محو گفتگو تھے، جب منبر سے نیچے تشریف لائے تو یتیم جعفر کو اپنے گھر لے گئے، حکم دیا جناب جعفرؓ کے گھر والوں کے لیے کھانے کا اہتمام کیا جائے، ایک شخص کو جعفر کے دوسرے فرزند کو بلانے کے واسطے بھیجا، تین دن تک فرزندان جعفرؓ رسول خداؐ کے ساتھ رہے، اس کے بعد بھی آپؐ ان کے گھر تشریف لے جایا

۱۔ جوادی آملی، صفحہ ۳۹۶، ۱۳۷۷

۲۔ واقدی، صفحہ ۱۹۵تا۱۹۶، ۱۳۹۶

۳۔ سبحانی تبریزی، صفحہ ۵۶۱، ۱۳۸۷

کرتے تھے۔[۱]

پیغمبر اکرمؐ، دفاع اسلام میں اپنی جانیں فدا کرنے والے شہداء کی بیوگان کی نسبت احساس مسؤلیت فرماتے اور خود ان کے دروازوں پر تشریف لے جاتے تاکہ نزدیک سے ان کے احوال جان سکیں، آپؐ اپنی بیگمات کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے سوائے ام سلیم جب اس بابت آپؐ سے سوال کیا گیا تو فرمایا اس کا بھائی میرے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا اس پر ترحم کے سبب ایسا ہے۔[۲]

پیغمبرؐ کا یہ دلسوز رویہ فقط شہداء اسلام کی بیواؤں کے لئے خاص نہیں تھا بلکہ دشمنوں کی بیویوں سے بھی اسی دلسوزی و مہربانی سے پیش آتے تھے، فتح خیبر کے بعد، خیبر کی کچھ خواتین اور بچے جناب بلالؓ کے ہاتھوں اسیر ہوئے، وہ ان کو رسول خداؐ کی خدمت میں لاتے ہوئے ان کے کشتہ شدگان کے پاس سے لائے جن کے اجساد دیکھ کر خواتین بے تاب ہوئیں، آپؐ نے جناب بلالؓ پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا آیا رحم تم سے دور ہو گیا تھا جو اس طرح ان کو لائے ہو۔[۳]

جنگ حنین میں پیغمبرؐ نے ایک خاتون کا جسد مقتولین میں دیکھا تو اپنے سپاہیوں سے پوچھا اس کو کس نے قتل کیا پھر اپنے ایک صحابی سے فرمایا اس کے قاتل کی جستجو کر کے اسے بتاؤ تمہارا نبیؐ دشمن کی خواتین اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کرتا ہے۔(ابن اثیر، جلد ۷، صفحہ ۳۱۷)۔ پیغمبرؐ کی فکر و نگاہ خواتین کے متعلق مصلحت و منفعت سیاسی سے بالاتر تھی، عواطف و جذبات جو کہ خواتین سے پیش آنے کے لئے از حد ضروری ہیں وہ حتی دشمن کی خواتین سے پیش آتے ہوئے بھی پس پشت نہ ڈالے جاتے، ان واقعات سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ خواتین سے برتاؤ، عواطف کی بناء پر ہی ہونا چاہئے۔

۱۔ سبحانی تبریزی، صفحہ ۵۸۴تا۵۸۵، ۱۳۶۹

۲۔ ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۴۲۶، ۱۴۷۴

۳۔ ابن اثیر، جلد ۷، صفحہ ۲۵۸، ۱۳۷۱

رعایت عفت و پاکدامنی

عورت و مرد کے روابط و تعلقات میں رعایت حریم، عفت و پاکدامنی جیسے امور پر آپؐ بہت تاکید فرماتے تھے، آپؐ نے مسلمان کو یہ تعلیم دی تھیں کہ مرد وزن گلی، کوچے میں اس طرح رفت وآمد کریں کہ کسی کو کسی سے اذیت نہ ہو اور حکم تھا کہ مسجد سے خروج کے وقت اولویّت خواتین کے لیے ہو پھر مرد (بانکی پور فرد، ص ۱۸۱، ۱۳۸۴)۔ مرد و عورت میں حریم شخصی (حرمتوں) کی رعایت ایسی نہیں ہونے چاہے کہ ایسا محسوس ہو کہ گویا نظر انداز کر دی گئی ہے۔

ایک دن جناب اسماء زوجہ جناب زبیر اپنے کھیت سے کھجور کی گٹھلیوں سے بھری ٹوکری اٹھائے پاپیادہ مدینہ کی طرف آرہی تھیں، جناب زبیر کا کھیت مدینہ سے دو تہائی فرسخ کے فاصلے پر تھا، راستے میں رسول خداؐ اور ان کے چند اصحاب جو اپنی اپنی سواریوں پر سوار تھے اور مدینہ کی طرف رواں دواں تھے ان سے سامنا ہوا، رسول خداؐ نے ان کو محض دیکھتے ہی پہلے ان کے لئے دعا فرمائی پھر اپنے ناقہ کو زمین پر بیٹھایا تاکہ وہ اس پر سوار ہو جائیں لیکن جناب اسماء مردوں کے ہمراہ سفر سے احساس شرمندگی کرتی ہیں، آپؐ ان کے اس احساس کو بھانپ لیتے ہیں اور ان کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں (ابن سعد، جلد ۸، ص ۲۶۱ تا ۲۶۲، ۱۳۷۴)۔ خاتون سماج میں ایک خاص عزت و شأن رکھتی ہے اس لئے جب تک مجبوری اقتضاء نہ کرے وہ اپنے گوہر وجودی کو مردانہ امور میں مشغول نہ ہونے دے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں خاتون گل بہار کی مانند نرم و نازک و لطیف ہے نہ کہ پہلوانوں کی طرح سخت جان[۱]۔

اس واقعہ کے بعد رسول خداؐ کا جب جناب اسماء سے سامنا ہوا تو ان کے پاس سے عبور نہیں فرماتے مگر یہ کہ ان کے لئے دعا فرماتے کیونکہ وہ محنت کش خاتون تھیں دوسرے یہ کہ آپؐ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے اس لئے اپنا شتر سواری کے لئے پیش کیا تاکہ وہ اپنا باقی سفر اس پر طے کریں لیکن عفت، مانع ہوئی، آپؐ کا یہ رویہ، آپؐ کی صداقت کا نشاں ہے۔

۱۔ فأنّ المراۃ ریحانہ ولیست بقھرمانۃ (غرر الحکم و درر الکلم، ص ۷۵۹)

اگر مرد اپنے سماج کی خواتین کی شان و منزلت کا قائل ہو جائے تو اس کے ساتھ برتاؤ میں خیر و صداقت کی نیّت آجائے گی اور حیاء کا پاس رہے گا، پھر سماجی تعلقات ضرورت کی بناء پر بغیر کسی ضرر و مفسدہ کے بہتر سے بہتر انداز میں انجام پائیں گے۔

پیغمبر اکرمؐ، اصحاب کی بیٹیوں اور خواتین سے معاشرت اور اجتماعی روابط بہت صمیمی و خالصانہ تھے۔ آپؐ ان کی تکریم و تجلیل کرتے ان سے ملاقات فرماتے حتی پاکیزہ ماحول اور معصومانہ انداز میں ان سے مزاح بھی فرمالیا کرتے، جو تاریخ میں منقول ہے (محمد زادہ، صفحہ ۲۵۷، ۱۳۹۳)۔ سماجی تعلقات میں خاتون کی مدد کے حوالے سے مرد کو نہ تو سراہا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے عذر موجہ کے دائرہ میں قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ حفظ حیاء کا پہلو محفوظ رہے۔ جیسے قرآن کریم میں دختران شعیبؑ کا حیوانات کو پانی پلانے والا قصہ موجود ہے جب حضرت موسیٰؑ نے مشاہدہ فرمایا کہ وہ پانی سے دور کھڑی ہیں تو خود ان کی مدد کے لئے تشریف لے گئے۔

اہم مطالب

پیغمبر اکرمؐ کا سماج کے لوگوں سے بالخصوص خواتین کے ساتھ طرز عمل خاص اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ایک طرف سے آپؐ نے یہ سعی فرمائی کہ خواتین کے متعلق، افراط و تفریط پر مشتمل نظریہ زمانہ جاہلیت کی اصلاح فرمائیں تو دوسری طرف یہ کوشش تھی کہ خواتین سے شائستہ تعلقات و روابط برقرار کرنے کے لئے اسلامی نمونہ عمل پیش کیا جائے۔ آخر میں خلاصے کے طور پر چند مطالب و نتائج کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ رسول خداؐ کا اس طرح کے تعلقات کی برقراری سے کا مقصد پیام الٰہی اور تعلیمات دینی کو لوگوں تک پہنچانا تھا اسی لئے آپ اس مقصد کی تکمیل کے لئے موقعیت کے پیش نظر مختلف طرز عمل اختیار فرماتے تھے۔

۲۔ اسلام ایک دینی تعلقات و وابستگی کا مذہب ہے اور یہی انسان ساز اور مؤثر تعلقات ایک اسلامی سماج میں نہ صرف ایک فرد بلکہ پورے معاشرے کے کمال کا موجب بنتے ہیں۔

۳۔ رسول خداؐ کے تعلقات و رابطے تعلقات و رابطے انسانی تعلقات و روابط کے چاروں عناصر میں ہی تحلیل ہوتے ہیں، آپؐ کا معاشرے کی خواتین سے تعلقات اور ملاقات کا انداز خدا کے ساتھ تعلق کے سائے میں ہی

قابل تفسیر ہے۔

۴۔جب انسان اپنے اصلی ہدف میں خدا اور اپنے آپ سے شائستہ تعلق بر قرار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تبھی وہ آسانی سے دوسرے انسانوں سے بھی روابط بر قرار کر پاتا ہے۔

۵۔پیغمبر اکرمؐ ایک انسان کامل اور بہترین عبد خدا ہونے کے ناطے اپنے تمام افعال و گفتار میں رضائے مخلوق پر رضائے الٰہی کو مقدم فرماتے ہیں اسی لئے جب حدود الٰہی کے اجراء و نفاذ کی بات ہوتی ہے تو مرد و عورت میں فرق کے قائل نہیں ہوتے۔

۶۔روابط میں مصلحت افراد اور مصلحت معاشرہ کے پیش نظر نرمی و رواداری ضروری ہے اور یہی سماجی تعلقات کی بنیاد مانی گئی ہے۔

۷۔انسان، مرد ہو یا عورت، روحانی اعتبار سے ایک ہی جنس سے اور مشترک ہیں، لہذا معاشرے میں جب انسانوں سے تعلقات کی بات آئے تو توجہ انسان کی انسانیت پر مرکوز ہونی چاہیے اسی وجہ سے رسول خداؐ بھی خواتین کے ساتھ اسی معیار پر معاملات کرتے تھے اور تعلقات بر قرار کرنے میں مشترک اور خاص اصولوں کو مد نظر رکھتے تھے۔

۸۔ہر قسم کے انسانی روابط کی اساس، کرامت و شرافت انسانی ہی ہونی چاہئے، پیغمبر اکرمؐ خواتین کے ساتھ سلوک میں عدالت، استقلال و آزادی، معرفت و عطوفت جیسے اصولوں کو محور قرار دیتے تھے۔جن کی رعایت شائستہ روابط کے لئے لازم و ملزوم ہے۔

۹۔مرد و عورت کے باہمی تفاوت و امتیاز کو مد نظر رکھنا مؤثر تعلقات بر قرار کرنے میں مدد گار ثابت ہو سکتا ہے۔جبھی تو رسول خداؐ کا اصول، عطوفت و مہربانی پر استوار تھا، مرد و عورت کے روابط میں عفت و حیاء کی رعایت آپؐ کی عملی سیرت میں قابل مشہود تھی اور آپ اس معاملے میں اعتدال سے کام لیتے تھے۔

نتیجہ

آرٹیکل کے شواہد کے پیش نظر خواتین کے ساتھ سماجی و اجتماعی روابط کے اصول کو ذیل میں خلاصہ

کیا جاسکتا ہے:

سماج میں ایک خاندان کی مانند خاتون کے عاطفی و جذباتی پہلو کا لحاظ رکھنا ضروری ہے لیکن یہ توجہ اور لحاظ ایک اجتماع کی ظرفیت کے مطابق ہی ہونا چاہئے ہے جبکہ عموماً یہ توجہ اس کے انسانی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے ہوتی ہے۔ آپؐ مردوں کی طرح خواتین کو بھی انسانی نگاہ سے دیکھتے تھے اور معاشرے کی خواتین کے ساتھ پیش آنے میں عدالت، معرفت، فکری استقلال کے ساتھ ساتھ انسانی کرامت جیسے اصول پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔

منابع:

۱. قرآن کریم۔

۲. ابن اثیر، علی بن محمد (۱۳۷۱)؛ الکامل فی التاریخ؛ ترجمہ ابو القاسم حالت و عباس خلیلی؛ تہران؛ مؤسسۂ مطبوعاتی علمی۔

۳. ابن سعد، محمد بن سعد، (۱۳۷۴)؛ طبقات الکبری؛ ترجمہ محمود مہدوی دامغانی؛ تہران؛ انتشارات فرہنگ و اندیشہ۔

۴. بانکی پور فرد، امیر حسین (۱۳۴۹)؛ حیا؛ اصفہان؛ حدیث راہ عشق۔

۵. تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد (۱۴۱۰ھ)؛ غرر الحکم و درر الکلم؛ قم، دار الکتاب الاسلامی۔

۶. جوادی آملی، عبد اللہ (۱۳۷۷)؛ زن در آئینہ جلال و جمال؛ قم، اسراء۔

۷. جمشیدی ہا، غلام رضا و قاسم زائری (۱۳۸۷)؛ سیاست گذاری فرہنگی پیامبرؐ و تأثیر آن بر موقعیت فرہنگی۔ اجتماعی زنان در زیست جہان جاہلی؛ مجلہ زن در توسعہ و سیاست، ش ۲۳، صفحہ ۵ تا ۳۸۔

۸. حر عاملی، محمد بن حسن (۱۴۰۹ھ)؛ وسائل الشیعہ؛ قم، مؤسسہ آل البیتؑ۔

۹. خندان، محسن (۱۱۳۷۴)؛ تبلیغ اسلامی و دانش ارتباطات اجتماعی؛ تہران، سازمان تبلیغات اسلامی۔

۱۰. رسولی، سید ہاشم (۱۳۷۵)؛ زندگانی محمدؐ پیغمبر اسلام: ترجمہ سیرۃ النبویہ؛ چاپ ۵، تہران، کتابچی۔

۱۱. سبحانی تبریزی، جعفر (۱۳۸۷)؛ فروغ ابدیت، تجزیہ و تحلیل کاملی از زندگانی پیغمبر اکرمؐ؛ قم، بوستان کتاب۔

۱۲. سبحانی نژاد، مہدی و حمید علیین (۱۳۸۶)؛ تبیین نظام مطلوب روابط اجتماعی بر اساس آموزہ ہای تربیتی پیغمبر اکرمؐ در نہج الفصاحہ؛ مجلہ علوم انسانی مصباح، شمارہ ۱۷، صفحہ ۴۳ تا ۷۲۔

۱۳. سجادی، ابراہیم (۱۳۸۸)؛ قرآن و باز تاب تربیتی روابط چہار گانۂ انسان ؛ مجلہ پژوھش ھای قرآنی، شمارہ ۵۹و۶۰، صفحہ ۹۰تا۱۳۹۔

۱۴. شفیعی، محمد (۱۳۹۱)؛"زن از نگاہ پیغمبر"؛فصل نامہ علمی پژوھشی زن و فرہنگ، شمارہ۳، صفحہ ۲۳تا۳۵۔

۱۵. طباطبائی، سید محمد (۱۳۷۴)؛ تفسیر المیزان؛ترجمہ سید محمد باقر موسوی ہمدانی؛ قم، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم۔

۱۶. طیبی، ناہید (۱۳۸۶)؛ گونہ شناسی رفتار پیغمبر اعظمؐ بازنان؛ قم، کتاب طہ۔

۱۷. علی بن ابی طالبؑ (۱۳۷۹)؛ نہج البلاغہ ؛ترجمہ محمد دشتی؛ قم، دفتر نشر الھادی۔

۱۸. فرہنگی، علی اکبر (۱۳۷۸)؛ارتباطات انسانی؛تہران، خدمات فرہنگی رسا۔

۱۹. محمد زادہ۔ مرضیہ (۱۳۹۳)؛زنان پیغمبر اکرمؐ وزنان پیامبر اکرمؐ؛تہران، سازمان چاپ و انتشارات وابستہ بہ سازمان اوقاف وامور خیریہ۔

۲۰. نصر، احمد رضا وہمکاران (۱۳۸۳)؛ روش ھای تحقیق کمی و کیفی در علوم تربیتی وروان شناسی؛ جلد۲، تہران، سمت۔

۲۱. واقدی، محمد بن عمر (۱۳۶۹)؛مغازی تاریخ جنگ ہای پیغمبرؐ؛ترجمہ محمود مہدوی دامغانی؛تہران، مرکز نشر دانشگاہی۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے آداب

مؤلف: محمد رضانور محمدی

مترجم: مولانا سید محمد جعفر زیدی

پیش لفظ

دعا انسان کی خدا سے براہ راست گفتگو، خدا کو پکارنا اور اسکے جواب کو سننا ہے، دست نیاز کو اسکی بارگاہ میں پھیلانا اور عالم غیب سے الٰہی تحفوں کو دریافت کرنا ہے، دعا ایک تربیتی وانسان ساز لائحہ عمل ہے۔ یہی امید لگائی جاتی ہے کہ ہر مسلمان ہر انسان پروردگار کی جانب متوجہ ہو اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لئے امیدوار رہے اور رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ ایک جہت سے دعا وہ عظیم عبادت ہے جسکے ذریعہ سے تمام مرادیں برآتی ہیں اور مقصد تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ دعا بندوں کو خدا سے متصل کرنے کا تنہا ذریعہ اور وہ وسیلہ ہے جسے پروردگار نے خود مقرر فرمایا ہے، اگر یہ رابطہ اور مبدائے عالم کی جانب توجہ نہ ہو تو خدائے منان اپنی تمام عنایتوں کا سلسلہ منقطع فرمادے گا۔ ایسی صورت میں بندے الٰہی انعام واکرام کو قبول کرنے کی صلاحیت کو کھودیں گے اور رحمت الٰہی کے تقاضوں سے دور ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کے نزدیک بندے کی یہ حالت ایک طرح کا غرور واستکبار ہے وہ بھی اس موجود کی جس کی بندگی کے علاوہ کوئی حیثیت ہی نہیں ہے

سرآغاز

انبیاء ورسل کو بھیجنے اور آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کے بعد پروردگار کی رحمت وبخشش کا جو سب سے بڑا دروازہ تمام بندوں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے وہ دعا و نیائش کا ہے۔ اسی طرح سے ہم مسلمانوں کے لئے دعا کی نسبت قرآن کریم سے بھی حاصل ہے، یہ آسمان سے زمین پر نازل شدہ کلام ہے اور دعا مخلوقات کے کلام کی معراج ہے جو زمین سے آسمان کی جانب صعود کرتی ہے۔ قرآن مجید کے ذریعے پروردگار اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اور دعاؤں میں بندہ اپنے رب سے خواہشوں کا اظہار کرتا ہے۔ قرآن مجید کو نازل کرکے پروردگار نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور سعادت وکامیابی کی راہ انھیں بتائی اور دعا کرنے کا حکم دے کر بندوں کو رب سے

ہمکلام ہونے کی عظیم سعادت عطافرمائی۔

فطرت کے تقاضوں کے تحت انسان ہمیشہ سکون دل کا طلبگار ہے لیکن بعض اسباب و عوامل کی وجہ سے وہ اضطراب، بے چینی و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پروردگار کی یاد اطمینان اور اندرونی تسکین و آرامش کا ذریعہ ہے جو مادی خلاؤں کی وجہ سے انسان کے وجود کو ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچاتی ہے جس طرح سے لذتوں اور دنیا پرستی میں ڈوب جانا انسانی شخصیت کے تباہ و برباد ہو جانے کا سبب ہے اسی طرح پروردگار کی یاد دل سے غفلتوں اور خود فراموشی کی گرد ہٹا کر اسے صاف و شفاف آئینہ بنادیتی ہے۔

دعا خدا کے ذکر و یاد کا ایک مصداق اور ذات باری تعالیٰ سے دل و روح کی الفت و انسیت کا ایک ذریعہ ہے جس سے نفس کو سکون و آرامش نصیب ہوتا ہے، بالکل اس عاشق کی طرح جسے اسکا معشوق مل گیا ہو اور اب وہ اسکے دیدار سے خوشحال اور اسکی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ جو نہایت اطمینان و سکون سے اپنی مشکلوں کو اپنے محبوب کے سامنے رکھ رہا ہے، دل کے رازوں سے پردہ اٹھا رہا ہے، اپنی آرزوئں اور تمناؤں کو بغیر کسی جھجھک کے بیان کر رہا ہے اور ان آرزوں تک پہنچنے کے لئے اس سے مدد مانگ رہا ہے۔ اسکے دیدار سے شاد و خرم اور اس سے گفتگو کرکے خوش ہے جسم و روح سے غفلتوں کی گرد و غبار کو صاف کرکے، میں اور ہم کے حجابات کو چیر کر ٹکٹکی باندھے اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہے اور محبوب سے ملنے والے انعام و اکرام کا طالب ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا دعا و راز و نیاز پر خاص توجہ دینا اور اس پر اصرار کرنا خالق کائنات کے آگے انکے ادب و تسلیم کی ایک مثال ہے۔ انبیاء دعا کے وقت ہر گز خود کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ صرف معشوق کو دیکھنا چاہتے ہیں جس نے خود کو ظاہری آنکھوں سے پنہاں اور دل کی آنکھوں پر عیاں کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاح و کامیابی کے لئے دوسرے تمام عوامل و اسباب کی بنسبت دعا زیادہ کارگر و مفید ہے۔ بے جا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ دعا اپنے رب سے ملنے کا چھوٹا اور سیدھا راستہ ہے۔ دعا برجستہ عبادتوں میں سے ایک ایسی عبادت ہے جسکے آداب، احکام اور اسرار ہیں۔ مثال کے طور پر دعا کا ایک ادب جو پروردگار عالم اپنے پیغمبر کو تعلیم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ دعا کو آہستہ اور گریہ و نالہ کے ساتھ بیان کرو اور صبح و شام اپنے دل میں پروردگار کو خوف و حزن کے عالم میں

آہستہ آہستہ یاد کرو اور غافلوں میں سے مت ہو جاؤ۔

سر دست تحریر کے دو حصے ہیں: پہلے حصہ میں قرآنی آیات کی روشنی میں مفہوم دعا بیان کیا گیا ہے جس میں دعا کے معنی، دعا کی اہمیت اور مضطر کی دعا کی قبولیت کو ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں قرآن میں انبیاء کی دعاؤں کے آداب جیسے اللہ کی ربوبیت کا اعلان، اوصاف الٰہی کا تذکرہ، گناہوں کا اعتراف اور اسکی نعمتوں کو یاد کرنا وغیرہ جیسے مطالب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

سابقہ تحقیق

موضوعِ تحقیق یا اس سے مربوط لکھی گئی کتابوں اور مقالوں کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوا کہ شرائط وآداب دعا کے بارے میں مستقل طور پر کوئی جامع تحریر موجود نہیں ہے اور اس سلسلہ سے کوئی اہم کام بھی نہیں ہوا ہے، اگرچہ علوم قرآن کی بحثوں اور حدیث اور اخلاق کی کتابوں میں متفرق طور پر اسکے کچھ مطالب بیان ہوئے ہیں یا کبھی تفسیر کی کتابوں جیسے سورہ فرقان کی آیت نمبر ۷۷ کے ذیل میں یا سورہ مائدہ کی اخری آیتوں کے ذیل میں اسکے کچھ مطالب ذکر ہوئے ہیں۔

اس عنوان پر اہم ترین کتاب "عدۃ الداعی، نجاح الساعی" (ابن فہد حلی) کی ہے جس کا محمد حسین نائینی نے ترجمہ کیا ہے اس کتاب کے چوتھے باب میں کیفیت دعا کے ذیل میں دعا کے اقسام اور آداب کا تذکرہ ہے۔

اس عنوان پر ایک اور کتاب "اسرار خاموشاں" (شرح صحیفہ سجادیہ) ہے جسکی تشریح و توضیح محمد حسین خلجی نے کی ہے اس کتاب میں مفہوم وآداب دعا اور دعا کی قبولیت کے شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح سے کچھ شرائط اور آداب دعا کو کتاب "مفتاح الفلاح" (مولف شیخ بہائی) کے مقدّمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس عنوان پر ایک اور کتاب محمد ری شہری کی لکھی ہوئی "میزان الحکمہ" ہے جسکی چوتھی جلد میں آداب دعا اور بعض شرائط دعاء کو حدیثوں سے نقل کیا گیا ہے۔

شیخ کلینی کی کتاب "اصول کافی" کی چوتھی جلد (مترجم سید جواد مصطفوی) بھی ایک ماخذ ہے جس میں "کتاب الدعاء" کے عنوان سے مختلف بحثوں کو ذکر کیا گیا ہے۔

مرحوم علامہ مجلسی کی مایہ ناز کتاب "بحار الانوار" کی ۹۰ اور ۹۱ نمبر کی جلد میں بھی دعا سے متعلق حدیثیں منقول ہیں۔

اسی طرح سے ملا احمد نراقی کی کتاب "معراج السعادۃ" اور سید عبد اللہ شبر کی کتاب "اخلاق" میں بھی آداب دعاء کی کچھ بحثیں بیان ہوئی ہیں۔

مختلف ویب پیجس (web pages) اور قرآن و حدیث کی روشنی میں آداب دعا کے عنوان سے مختلف تحقیقی مقالہ کو تلاش کرنے کے باوجود کچھ نہیں ملا ہاں اس عنوان سے مشابہ یا اس سے مربوط دوسرے عناوین پر لکھی گئی تھیسز یا کچھ مقالہ جات ضرور ملے ہیں۔

قرآن مجید میں دعا کا مفہوم

دعا کے لغوی معنی

"یدعو دُعاءَ دعواہ: اسے آواز دی، اسے بلایا، اسکے پاس گریہ و زاری و تضرع کیا اس سے کچھ طلب کیا" (معلوف، ۲۶۷،۴۶۷،۱۳۸۶ء)

"الدُّعاءُ كَالنِّدَاءِ إلَّا اَنَّ النِّدَاءَ قَدْ يُقَالُ بِيَا اَوْ اَيَا وَ نَحْوُ ذٰلِكَ مِنْ غَيرِ اَنْ يّضُمَّ اِلَيْه اِ لاسمُ، وَالدعاءُ لَايَكادُ قَال اِلّااِذَاكَانَ مَعَه الاسمُ نحوُ: يَافُلانٌ،وَقَدْيُسْتَعْمَل كُلّ وَاحِدٍ مِنْهمَامَوضِعَ الآخر" (راغب اصفہانی، ۳۱۵، ۱۴۲۳ھ)

دعا ندا کی طرح ہے (عربی میں ندا کا مطلب ہوتا ہے کسی کو بلانا) مگر یہ کہ کبھی کبھی ندا بغیر کسی کا نام لئے لفظ "یا" یا "ایا" کے ساتھ ہوتی ہے لیکن دعا اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک نام ذکر نہ ہو جیسے فلاں اور کبھی کبھی یہ دونوں یعنی دعا اور ندا ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں۔

"دعا بلانے، حاجت طلب کرنے اور مدد چاہنے کے معنی میں ہے کبھی صرف بلانا ہی منظور ہوتا ہے جیسے" فلم یزدھم دعائی الافرارا "(نوح/٦) اور کبھی مدد چاہنا و درخواست کرنا "(قرشی، ۳۴۴ ۱۴۱۲ھ)

دعا کے اصطلاحی معنی

اصطلاح میں ''ضرورت و اضطرار کے وقت پروردگار یا دینی رہنماؤں سے کسی چیز کی درخواست کرنا، معافی چاہنا'' (نوری، ۳۷، ۱۳۸۱)

قرآن مجید میں دعاء کی اہمیت

پروردگار عالم کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ'' (فرقان/۷۷) آپ کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا و پکار نہ ہو تو میرا پروردگار تمہاری کوئی پروانہ کرے۔

دعا وہ وسیلہ ہے جسکے ذریعہ سے پروردگار نظر لطف کرتا ہے اور اسکی رحمت دعا کرنے والے کے حق میں شامل ہوتی ہے۔ وہ لطف جو شقاوت و بد بختی کو انسانی زندگی سے ختم کر دیتا ہے اور دعا کرنے والے کو سعادت و کامرانی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ محبت کرنے والوں کا محبوب، عاشقوں کا معشوق، یاد کرنے والوں کا انیس، شکر کرنے والوں کا رفیق و ہم نشیں، صاحبان دل کی تکیہ گاہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ'' اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں یقینا قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا و پکار کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ تو ان پر بھی لازم ہے کہ وہ میری آواز پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں (یقین رکھیں) تاکہ وہ نیک راستہ پر آجائیں۔

انبیاء چونکہ عقل، درایت، بصیرت اور کرامت کے لحاظ سے تمام انسانوں سے برتر ہیں، انکا قلب تمام قلوب سے زیادہ نورانی ہے غیب و شہود کے بارے میں انکا علم کامل ترین علم ہے ان سب کے باوجود انھوں نے دامن دعا کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا انکی زندگی کی کوئی شب و روز ایسی نہیں تھی جس میں وہ دعا و راز و نیاز نہ کریں اور محبوب کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوں۔

انکے نزدیک دعا روح کی بلندی، دلوں کی حیات، باطنی گرد و غبار کو ہٹانے اور خیمہ حیات کو نفرتوں کدورتوں سے پاک و صاف کرنے کا سبب ہے۔ انھیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ بارگاہ رب العزت سے کوئی بھی اپنی مرادوں اور حاجتوں کو حاصل کئے بغیر واپس نہیں لوٹتا۔ اسی وجہ سے انھیں دعا کی قبولیت پر پختہ ایمان تھا اور اس راہ میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کا شکار نہیں تھے حضرت حق سے پورے خضوع و خشوع کے ساتھ اپنی تمام دعاؤں کی قبولیت کی درخواست کرتے تھے انھیں اطمینان کامل تھا کہ نیازمندوں کی دعا بے نیاز کی بارگاہ میں ضرور قبول ہوگی قرآن مجید اسی حقیقت کو حضرت ابراہیمؑ کی زبانی اس طرح بیان کر رہا ہے:

" الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ " (ابراہیمؑ/ ۳۹)
ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل واسحاق (دو بیٹے) عطا فرمائے بے شک میرا پروردگار دعا کا بڑا سننے والا ہے۔

حضرت زکریا نے بڑھاپے میں پروردگار سے بیٹے کی خواہش کی تو پروردگار نے انھیں اور انکی بیوی جو کہ بانجھ ہو چکی تھیں انھیں یحییٰ عطا کیا:

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا (۵) يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (۶) يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا (۷) قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۸) قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (۹) (مریم، ۵۔۹)

اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر جو میرا بھی وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی اور اے میرے پروردگار! تو اسے پسندیدہ بنا۔)ارشاد ہوا) اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا جس کا اس سے پہلے ہم نے کوئی ہمنام نہیں بنایا۔ زکریا نے (از راہ تعجب) کہا اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں۔ ارشاد ہوا: ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے ہی اس سے پہلے تمہیں پیدا کیا جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔

حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کے کہنے پر پروردگار کی بارگاہ میں مائدہ آسمانی کے نزول کی دعا کی اور پروردگار نے انکی اس دعا کو قبول فرمایا اور عیسی وانکے حواریوں کے لئے لذیذ جنتی کھانوں کا دستر خوان نازل کیا:

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۱۱۲) قَالُوا نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ (۱۱۳) قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۱۱۴) قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ (۱۱۵) (مائدہ/۱۱۲-۱۱۵)

پروردگار نے ہر حال میں بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے ان سے چاہا ہے کہ غم اور خوشی ہر حال میں بارگاہ رب العزت میں اپنی جبین نیاز کو جھکاتے رہیں اور دست دعا کو بلند رکھیں، شکستہ دل اور نم آنکھوں سے اپنی حاجتوں کو اس سے طلب کریں اور دعا کی قبولیت کے اسکے حتمی و قطعی وعدہ پر بھروسہ رکھیں ان تمام باتوں کو پروردگار نے سورہ غافر کی ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

" وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ" (غافر/۶۰) اور تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور جو لوگ میری (اس) عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

خدا کو کیوں آواز دیں؟

بیشک خدا کے سوا کوئی بھی بندوں سے اتنا قریب نہیں ہے۔ وہ اتنا قریب ہے کہ جس نے انسان کو وجود عطا کیا اسے ماؤں کے رحم میں جگہ دی پھر وہاں سے دنیا میں منتقل کیا اور دنیا میں اپنے اس مہمان کے لئے دستر خوان کرامت کو ہر طرح کی مادی و معنوی نعمتوں سے سجایا اسکی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا جو اسے دنیا وآخرت میں سعید وکامیاب کرے، قرآن اور امام جیسی عظیم نعمتیں اسکے لئے قرار دیں اسکی تشنگی کو شفاف وزلال پانی سے مٹایا، بھوک کے لئے انواع واقسام کی لذیذ غذائیں قرار دیں جب وہ بیمار پڑا تو اسے شفا یابی

عطا فرمائی۔:

الَّذِی خَلَقَنِی فَهُوَ یَهْدِینِ (۷۸) وَالَّذِی هُوَ یُطْعِمُنِی وَیَسْقِینِ (۷۹) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِینِ (۸۰) وَالَّذِی یُمِیتُنِی ثُمَّ یُحْیِینِ (۸۱) وَالَّذِی أَطْمَعُ أَن یَغْفِرَ لِی خَطِیئَتِی یَوْمَ الدِّینِ (۸۲) (شعرا/ ۷۸۔۸۲)

جب اسے بیکس و تنہا پایا تو اسکے لئے بیوی بچے دوست واحباب قرار دیئے، اسکے برہنہ بدن کو نرم و گرم لباس سے ڈھانپا۔

یَا بَنِی آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُوَارِی سَوْآتِكُمْ وَرِیشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَیْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آیَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُونَ (۲۶) (اعراف/۲۶)

لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت قرار دی: إِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (۹۶) (مریم/ ۹۶)

چاہے جیسی بھی مشکلیں ہوں رب نے اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑا، اسکی صحت وسلامتی کو باقی رکھا اور اسکی آبرو و حیثیت میں اضافہ فرماتا چلا گیا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (۱۰) یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْكُم مِّدْرَارًا (۱۱) وَیُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِینَ وَیَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَیَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا (۱۲) مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (۱۳) وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (۱۴) أَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (۱۵) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۱۶) وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (۱۷) ثُمَّ یُعِیدُكُمْ فِیهَا وَیُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (۱۸) وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا (۱۹) لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۲۰) (نوح/۱۰۲۰)

خدا کے علاوہ کون یہ تمام اسباب و وسائل کو فراہم کر سکتا ہے اور اسکی ذات علیم کے سوا کون بندوں کے تمام حالات، ضرورتوں اور حاجتوں کو جان سکتا ہے؟ لاریب کہ وہ ہر ایک سے زیادہ انسان سے نزدیک ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق/ ۱۶) اور ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ اس کا نفس کیا کیا وسوسے پیدا کرتا ہے اور ہم اس سے رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔

قرآن کی نگاہ میں دعا کی اہمیت وفضیلت

قرآن مجید میں دعا کے مختلف پہلو بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ قرآن نے دعا و نیایش کا حکم دیا ہے اور بندوں سے چاہا ہے کہ اس عظیم نعمت سے جو تمام الٰہی فیضان تک پہنچتی اور دنیا وآخرت میں کامیابی کا سبب ہے اس سے غفلت نہ برتیں۔

قرآن کریم میں پروردگار کا ارشاد ہے:'' ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ'' (اعراف/۵۵) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خاموشی کے ساتھ پکارو اور خلق خدا پر زیادتی نہ کرو وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

نہ صرف یہ کہ پروردگار نے بندوں کو دعا و نیائش کا حکم دیا ہے بلکہ اس نے پیغمبروں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ بندوں کو دعا کی ترغیب دلائیں، حدیث قدسی میں پروردگار جناب موسی سے ارشاد فرماتا ہے: ''یا مُوسٰی مُرْ عِبَادِی یَدْعُونِی'' (کلینی، ۲۵۸، ۱۳۸۸) اے موسی! میرے بندوں کو حکم دو کہ مجھے پکاریں۔ اسی طرح سے عیسی ابن مریم سے فرماتا ہے ''یاَ عیسٰی... آمن بِی تَقَرب بِی اِلیَ المُومِنِین وَ مُرْهُم اَنْ یَدْعُونِی مَعَكَ...'' (کلینی، ۲۵۹، ۱۳۸۸) اے عیسی! مجھ پر ایمان لاو اور مومنین کے ذریعہ میرے نزدیک ہو اور انھیں حکم دو کہ تمہارے ساتھ وہ بھی مجھ سے دعا مانگیں۔ قرآن مجید میں نبی کریم (ص) سے ارشاد ہوتا ہے: ''قُلِ ادْعُوا اللَّهَ'' (اسرا/۱۱۰) اے پیغمبرؐ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کہہ کر پکاریں۔

۲۔ قرآن کی نگاہ میں دعا تمام مشکلوں سے نجات اور رنج و غم کے خاتمہ کا سبب ہے قرآن مجید کی ایک آیت میں اس جانب اشارہ اور دعا کرنے والوں سے گلہ بھی کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے: قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (۶۳) قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُم

مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ (انعام/۶۳۔۶۴)

مصیبتوں اور سختیوں کے وقت نہایت خصوع و خشوع سے دعا و گریہ زاری کرتے ہو اور گڑگڑا کر اسکی قبولیت خدا سے چاہتے ہو اور پروردگار سے عہد و پیمان کرتے ہو کہ اگر اس مصیبت سے نجات مل گئی تو اسکے شکر گزار رہوگے لیکن نجات ملنے کے بعد دوبارہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ (سلیمانیان، ۲۰، ۷۷ ۱۳)

۳۔ قرآنی نقطہ نگاہ سے دعا و نیائش فطری امور میں سے ہیں اور سختیوں سے نجات کا تنہا راستہ پروردگار سے دعا و نیائش ہے ساتھ ہی ساتھ قرآن ایسے لوگوں کو بھی پہچنواتا ہے جو دعا کرنے کے بعد اپنے رب کو بھول جاتے ہیں اور اسکے ناسپاس بندے ہیں۔ سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۲ میں ارشاد ہوتا ہے: ''انسان کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اٹھتے بیٹھتے کروٹیں بدلتے ہم کو پکارتا ہے اور جب ہم اس نقصان کو دور کردیتے ہیں تو یوں گزر جاتا ہے جیسے کبھی کسی مصیبت میں ہم کو پکارا ہی نہیں تھا بیشک زیادتی کرنے والوں کے اعمال یوں ہی ان کے سامنے آراستہ کردیئے جاتے ہیں ''

۴۔ وہ لوگ جو دعا نہیں کرتے پروردگار کے نزدیک انکا کوئی مقام و رتبہ نہیں ہے۔ آیت کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پروردگار کے نزدیک انسان کی قدر و منزلت اس حد تک ہے جتنا وہ بارگاہ رب العزت میں دعا و مناجات کرتا ہے۔ ''قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ '' (فرقان/۷۷) آپ کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا و پکار نہ ہو تو میرا پروردگار تمہاری کوئی پروانہ کرے۔ ممکن ہے یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں دعا سے مراد خدا کی عبادت و اطاعت ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حق وہی ہے جو ائمہ معصومین علیہم السلام کی معتبر روایتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے کہ اس آیت میں دعا سے مراد عرف عام میں کہی جانے والی دعا ہے۔ (سید ابن طاووس، ۶۵، ۱۳۸۵) ایک دوسرے مقام پر پروردگار کا ارشاد ہے: '' فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ '' (انعام/۴۳) پھر ان سختیوں کے بعد انہوں نے کیوں فریاد نہیں کی؟۔ بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہوگئے ہیں۔ اس آیت میں پروردگار واضح لفظوں میں اعلان فرمارہا ہے کہ اگر کفار گریہ وزاری کرتے تو پروردگار اپنے عذاب کی سختی کو ان سے اٹھالیتا۔ غور کریں تو پروردگار نے یہ نہیں فرمایا کہ اے کاش جب سختی یا ناگواری ہماری جانب سے ان تک پہنچتی تو وہ نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا حج بجالاتے یا قرآن کریم کی تلاوت

کرتے۔ ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے یہ خود ایک روشن دلیل ہے۔

۵۔ یہ بھی خدائی وعدوں کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے کہ دعا اپنی مرادیں حاصل کرنے کی کنجی ہے: ''وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ '' (بقرہ/۱۸۶) اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں یقیناً قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا و پکار کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔

البتہ اس عنوان پر صرف کچھ ہی آیتوں کو بیان کیا گیا اور اگر دعا کی فضیلت و اہمیت پر اس ایک آیت کے سوا (جس میں پروردگار اپنے پیارے نبی کو حکم دے رہا ہے) اور کوئی آیت نہیں ہوتی تو بھی اسکی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی و شافی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے: '' وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ '' (کہف/۲۸) اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبردار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ زندگانی دنیا کی زینت کے طلب گار بن جاؤ۔

دعا کرنے والوں کی اہمیت کو واضح و روشن کرنے کے لئے یہ آیت بہت بڑی سند ہے کیونکہ پروردگار نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ صبح و شام ان لوگوں کا خیال رکھو اور تمہاری چشم توجہ ان سے ہٹنے نہ پائے۔ (سید ابن طاووس، ۶۵۔۶۶، ۱۳۸۵)

مضطر کی دعا کی قبولیت

'' أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ'' (نمل/۶۲)

مضطر کی دعا کے قبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا دعا کرنے والوں کی دعاوں کو قبول فرماتا ہے اور اگر اضطرار کی شرط لگائی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مضطر کی دعا حقیقت پر منحصر ہوتی ہے، بے مطلب زبانی دعوے سے دور، چونکہ جب تک انسان پریشان حال و لاچار نہ ہو اسکی دعائیں اس حقیقت سے ہمکنار نہیں ہوتی ہیں جس حقیقت کو حالت اضطرار میں وہ درک کرتا ہے۔ نیز دعا کرنے کی بھی شرط لگائی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اِذا

دَعاہ" جب اسے پکارے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا اس وقت بندوں کی دعا کو شرف قبولیت نصیب کرتا ہے جب بندہ سچے دل سے اسے پکارے نہ یہ کہ لبوں پر نام خدا اور دعائیہ کلمات ہوں اور دل ظاہری اسباب پر تکیہ کیے ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تمام ظاہری اسباب و سامان سے دعا کرنے والے کی امیدیں منقطع ہو جائیں یعنی وہ یہ سمجھ لے کہ کوئی بھی انسان یا وسائل اسکی مشکلوں کو آسان نہیں کر سکتے ہیں اور جب وہ یہ سمجھ لے گا تو خود بخود صدق دل سے اسکا ہاتھ رب العزت کی بارگاہ میں بلند ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسکی زبان تو خدا کو پکارے گی لیکن دل غیر خدا کو آواز دے گا۔

لہٰذا اگر دعا سچی ہو یعنی صرف خدا ہی سے امید لگائی گئی ہو اور اسی کو پکارا گیا ہو تو خدا بھی ایسی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے اور ان مشکلات کو جنھوں نے اسے مضطر بنا رکھا تھا اسے برطرف کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "اُدعُونِی اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ" (غافر/۶۰) اس آیت میں کسی بھی طرح کی قید و شرط نہیں لگائی گئی ہے سوائے اس کے کہ صرف اسے پکارا جائے (طباطبائی، ۲۰۵) یہ جو ارشار ہوا ہے "اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ" یعنی غیر کو نہیں معلوم کہ تمام امور کی باگ ڈور کس کے ہاتھوں میں ہے اسی لئے وہ کہتا ہے پہلے خدا پھر طبیب لیکن مضطر بخوبی جانتا ہے کہ پہلا بھی خدا ہے اور بعد میں بھی خدا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص گمراہ ہونے والا تھا کوئی آکر اسے گمراہی میں پڑنے سے بچالیتا ہے اب اگر اس انسان سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہے گا کہ پہلے خدا اور پھر دوسرے اگر وہ انسان مجھے گمراہی سے نہ بچاتا تو میں گمراہی کی دلدل میں دھنس جاتا، لیکن چونکہ مضطر حقیقتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے تو وہ اس طرح سے خدائے قہار کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے کہتا ہے "کَمۡ مِنۡ عِثَارٍ وَقَیۡتَہ" (دعائے کمیل) پروردگارا! تو نے مجھے ہر لغزشوں سے بچایا ہے وہ ہاتھ جس نے مجھے گمراہی سے بچایا وہ تیرا ہاتھ تھا تو نے اسکے دل میں یہ بات ڈالی تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ خدا مضطر کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور غیر مضطر کی دعا کو رد کر دیتا ہے البتہ مضطر جانتا ہے کہ جواب دینے والا کون ہے۔ (جوادی آملی، ۱۳۷۸، ۲۳۴)

قرآن کریم میں انبیاء کی دعا کے آداب

انبیاء علیہم السلام کے دعائیہ کلمات سے آداب کو حاصل کیا جاسکتا ہے:

ا۔انبیاء علیہم السلام کی دعا میں ربوبیت الٰہی کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام اپنی دعاؤں میں ہر چیز سے پہلے "رب، ربنا اور ربی" جیسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، چونکہ ربوبیت، بندوں اور خدا کے درمیان حلقہ وصل ہے اور ہر دعا کے قبولیت کی کنجی ہے۔ باالفاظ دیگر؛ دعا کے وقت چونکہ بندہ مقام اظہار حاجت و ضرورت میں ہوتا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ ایسے نام کا سہارا لے جو اس مقام کے متناسب ہو۔ اسی وجہ سے "رب" جو کہ مالک و تربیت کرنے والے کے معنی میں ہے؛ دعا کے لئے نہایت مناسب ہے اور اس نام کو زبان پر جاری کرکے بندہ خود کو بحر الطاف الٰہی میں غرق اور ہمیشہ کے لئے فیضان الٰہی سے وابستہ پاتا ہے۔ درج ذیل آیتیں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کر رہی ہیں:

جیسا کہ حضرت آدم و حوا کی دعا میں آیا ہے: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا" (اعراف/۲۳)

بارالہا! ہم نے خود پر ستم کیا، یہ دعا و نیائش اس وقت کی ہے جب آدم و حوا نے اس درخت کا پھل کھالیا جس سے پروردگار نے نزدیک ہونے سے انھیں منع کیا تھا۔ ان دعائیہ کلمات سے انھوں نے پروردگار کی صفت ربوبیت سے توسل کیا جو کہ ہر شر کو دور اور ہر خیر کو نزدیک کرنے کا سبب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا اس وقت کی ہے جب آپ علیہ السلام نے ہاجرہ اور اسماعیل کو مکہ میں وادی لم یزرع میں پروردگار کے حکم سے تنہا چھوڑ دیا اور یہ دعا کی: "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (۳۵) رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۶) رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (۳۷) رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (۳۸) الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ (۳۹) رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ (۴۰) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (۴۱)" (ابراہیم/۳۵۔۴۱)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ پروردگار اس شہر کو محفوظ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بت

پرستی سے بچائے رکھنا، پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے تو اب جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو معصیت کرے گا اس کے لئے تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں پروردگار ہم جس بات کا اعلان کرتے ہیں یا جس کو چھپاتے ہیں تو سب سے باخبر ہے اور اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق جیسی اولاد عطا کی ہے کہ بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے پروردگار مجھے اور میری ذریت میں نماز قائم کرنے والے قرار دے اور پروردگار میری دعا کو قبول کرلے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب قائم ہوگا۔

علامہ طباطبائی ان آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''جناب ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں جہاں بہت سے لطیف نکات پائے جاتے ہیں وہیں ایک نکتہ پکارنے کی تعبیر کا مختلف ہونا ہے، ایک جگہ صرف ''ربّ'' کا استعمال ہوا ہے اور دوسری جگہ ''ربنا'' کا۔ پہلے میں پروردگار کی نسبت خود کی طرف دی یہ ان نعمتوں کی وجہ سے ہے جو پروردگار نے خاص کر ابراہیم کو عطا کی تھیں جیسے اسلام میں سبقت اور امامت اور دوسرے میں جمع کا صیغہ استعمال کرکے خود کے علاوہ دوسروں کی جانب بھی پروردگار کی نسبت دی؛ اسکی وجہ وہ نعمتیں ہیں جن سے پروردگار نے ابراہیم کے علاوہ دوسروں کو بھی نوازا ہے۔ اس طرح کی ندا کا مطلب یہ ہے کہ پکارنے والا عالم کے ذرہ ذرہ میں پروردگار کی ربوبیت کا قائل اور اسکا معترف ہے اور اس طرح سے پروردگار عالم کے سامنے اپنی عبودیت کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔'' (طباطبائی، ۷۹)

حضرت عیسی علیہ السلام جو خود بندگی پروردگار اور خضوع و خشوع کی کامل مثال ہیں وہ اس طرح دعا فرماتے ہیں: عیسٰی بن مریم نے کہا: خدایا، پروردگار! ہمارے اوپر آسمان سے دستر خوان نازل کردے کہ ہمارے اول و آخر کے لئے عید ہو جائے اور تیری قدرت کی نشانی بن جائے اور ہمیں رزق دے کہ تو بہترین رزق دینے والا ہے'' (مائدہ/۱۱۴)۔ پروردگار کے تمام اسماء مبارک میں اللہ وہ نام ہے جسکی خاص تاثیر ہے۔ ایک روایت میں

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: تمام مخلوقات امیدوں کے منقطع ہو جانے کے بعد اور مشکلات و پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے بعد تمام ظاہری اسباب و عوامل سے منہ پھیر کر جس ذات سے امید لگاتے ہیں وہی "اللہ" ہے۔ (حویزی، ۲۵۴، ۱۴۱۵ھ)

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عیسی کی دعا کا آغاز "اللھم ربنا" سے ہوتا ہے جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی دعاؤں کو لفظ "رب یا ربنا" سے شروع کرتے تھے۔ مفسرین ندا میں اس لفظ کے اضافہ کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ سخت و دشوار موقع پر کمال ادب کی رعایت کو بتاتے ہیں شاید اسکی ایک وجہ یہ ہو کہ چونکہ حواریوں نے عیسٰی کے واضح و روشن معجزوں کو دیکھا تھا اسکے باوجود انکا عیسٰی سے اس معجزہ کی درخواست کرنا مقام اخلاص و یقین کے شایان شان نہیں تھا اور ممکن تھا عذاب و عتاب الہی کے نازل ہونے کا سبب بن جاتا اسی وجہ سے عیسٰی نے پوری احتیاط سے اور اس لفظ کا اضافہ کرکے جس سے خدا کی رحمت واسعہ جوش میں آجائے اپنے ہاتھوں کو پروردگار کی بارگاہ میں بلند کیا۔ (طوسی، ۶۱) یہی ادب ہمیں پیغمبر اکرم (ص) کی دعاوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے جیسا کہ خود پروردگار نے انھیں یہ حکم دیا ہے:

" وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا "
(اسرا/۸۰)

اور یہ کہئے کہ پروردگار مجھے اچھی طرح سے آبادی میں داخل کر اور بہترین انداز سے باہر نکال اور میرے لئے ایک طاقت قرار دے دے جو میری مددگار ثابت ہو۔

۲۔ دعا کے آغاز میں اوصاف الٰہی کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام لفظ رب کے استعمال کے بعد ایک اور ادب جسکا خاص خیال رکھتے تھے وہ پروردگار کے صفات کا بیان ہے۔ جیسا کہ عبودیت کا بھی یہی تقاضہ ہے انسان کو پروردگار کا تقرب حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اسے تمام اسباب سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور دعا کی حقیقت بھی بارگاہ معبود میں توجہ اور مقصد تخلیق و قرب الہی کی راہ میں حرکت کرنا ہے۔ جوہر و روح دعا، پروردگار کی جانب انسان کی قلبی توجہ ہے اور انسان کی توجہ اسی مقدار میں ہو سکتی ہے جتنا اسے اپنے خالق کی صفات و کمالات سے آشنائی ہو، یہی وجہ ہے کہ دعا سے پہلے اور دعا کے دوران اسماء و صفات اور حمد و ثنائے الہی کی جانب توجہ کرنے کی تاکید کی

گئی ہے۔ محمد بن مسلم امام صادق علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام کی کتاب میں مذکور ہے کہ حمد و ستائش سوال و تقاضہ کرنے سے پہلے ہے۔ (حر عاملی، ۳۴، ۱۴۰۹ھ: انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا جسے قرآن مجید بیان فرماتا ہے جناب یونس علیہ السلام کی دعا ہے جب آپ شکم ماہی میں تھے۔ "۔۔۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بیشک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا" (انبیا/۸۷)

تمام انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام تنہا وہ نبی ہے جنکی دعا کا آغاز لفظ" رب " سے نہیں ہوتا ہے۔ اس دعا میں جناب یونس اپنے عمل سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں چونکہ آپ کا عمل اگرچہ آپ کا قصد و ارادہ نہیں تھا لیکن بظاہر یہ نمایاں کر رہا تھا کہ خدا کے علاوہ بھی کوئی پناہگاہ ہے جسکی چوکھٹ میں پناہ لی جاسکتی ہے لہٰذا انھوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "لَا اله اِلَّا اَنتَ"۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دعا سے پہلے پروردگار کو ہر عیب و نقص و ظلم و ستم سے پاک و منزہ قرار دینا ذات باری تعالیٰ کے سلسلہ میں ہر قسم کی بد گمانی کو ختم کر دیتا ہے۔ چونکہ جناب یونس کا عمل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ ممکن ہے کوئی خدا کے کاموں پر اعتراض کرے یا یہ کہ ممکن ہے کوئی اسکی قدرت کے دائرہ سے باہر چلا جائے، اپنے اسی عمل کی معافی مانگتے ہوئے آپ کہتے ہیں: " سُبْحَانَكَ " (مکارم شیرازی، ۴۱۸، ۱۳۸۲)۔

اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ (ص) کو خدا اس طرح حکم دیتا ہے: " قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ " (آل عمران/۲۶)

" پیغمبر آپ کہئے کہ خدایا! تو صاحب اقتدار ہے جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کر لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ سارا خیر تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہی ہر شے پر قادر ہے"۔

جوہر و روح دعا، پروردگار کی جانب انسان کی قلبی توجہ ہے اور انسان کی توجہ اسی مقدار میں ہو سکتی ہے جتنا اسے اپنے خالق کی صفات و کمالات سے آشنائی ہو یہی وجہ ہے کہ دعا سے پہلے اور دعا کے دوران اسماء و صفات اور حمد و

ثنائے الٰہی کی جانب توجہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی بنیاد پر اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ پروردگار نے پہلے لفظ "اللھم" کا ذکر کیا ہے حقیقت میں جو "یا اللہ" تھا حرف ندا یعنی "یا" کو حذف کر دیا گیا اور اسکی جگہ تشدید کے ساتھ "میم" کا اضافہ کر دیا گیا" اللھم" کے بعد پیغمبر اکرم (ص) کو تعلیم دی جارہی ہے کہ اپنے پروردگار کی کس طرح سے ثناء کریں۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ تو وہ خدا ہے کہ ہر خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور تو قادر مطلق ہے۔

گناہ کا اقرار

خدا کی حمد و ثنا کے بعد انبیاء علیہم السلام کی دعا کا ایک ادب اپنے گناہوں اور لغزشوں کا اقرار ہے۔ گناہوں کا اقرار روح کو پروردگار کی فیض و رحمت سے متصل کر دیتا ہے، گناہوں کا اعتراف دعا میں گریہ وزاری کا سبب بنتا ہے اور توبہ کی توفیق فراہم کرتا ہے۔ جناب نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال بدترین، ستمگر ترین اور سرکش ترین قوم کی آزار و اذیت کو برداشت کرتے رہے اور ہر لحہ انکی ہدایت کے بارے میں فکر مند رہے لیکن اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جب محاسبہ کیا تو خود کو پروردگار کی بارگاہ میں مقروض پایا لہٰذا خدائے سبحان سے معافی کے طلبگار ہوئے اور ہمیں دعا کا ادب سکھا گئے:

" رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا "
(نوح/۲۸)

"پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو جائیں اور تمام مومنین و مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کسی شے میں اضافہ نہ کرنا"

سید قطب بیان کرتے ہیں کہ یہ رب کے بارگاہ میں بندے کے ادب کو ظاہر کر رہا ہے وہ بندہ کو بھولا نہیں کہ وہ انسان ہے اور اس سے بھی خطا و لغزشیں ہوئی ہیں وہ جتنی بھی عبادت و اطاعت کرلے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے مگر یہ کہ پروردگار اپنے فضل و رحم سے اسکے ساتھ پیش آئے۔ (شازلی، ۱۳۲، ۱۴۱۲)

موسی علیہ السلام بھی جب کوہ طور سے واپس پلٹ رہے تھے تو بارگاہ رب العزت میں اس طرح دست دعا بلند کیا: "موسٰی علیہ السّلام نے کہا کہ پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں

داخل کرلے کہ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے" (اعراف/۱۵۱)۔ خود اور ہارون کے لئے عفو کا تقاضہ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ گناہ کے مرتکب ہوئے تھے بلکہ رب کریم کی بارگاہ میں یہ ایک طرح کا خضوع و خشوع اور اسکی جانب پلٹنا تھا۔ نیز بت پرستوں کے اعمال سے بیزاری و نفرت کا اظہار تھا تاکہ ہر ایک کے لئے لمحہ فکریہ قرار پائے اور ہر کوئی یہ سوچے کہ جب موسی وہارون نے کوئی گناہ نہیں کیا اسکے باوجود وہ پروردگار کی بارگاہ میں کس طرح گڑگڑا رہے ہیں تو دوسرے عام انسان اپنے اعمال کا خود ہی جائزہ لیں اور اسکی بارگاہ سے طلب مغفرت کریں۔ البتہ بعض مفسرین کا ماننا ہے کہ موسی علیہ السلام کا معافی چاہنا شاید اسکی وجہ ہارون کا گریبان پکڑنا اور الواح توریت کو زمین پر پھینکنا ہو۔ (مترجمان، ۶۴، ۱۳۶۰)

پروردگار اپنے نبی کو بھی تعلیم فرمارہا ہے کہ کس طرح طلب مغفرت کی دعا کی جاتی ہے: "وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ" (مومنون/۱۱۸) "اور پیغمبر! آپ کہئے کہ پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے"

روشن و واضح ہے کہ پروردگار کے نزدیک مغفرت طلب کرنے کا کیا مقام و رتبہ ہے۔ اس طریقہ سے پروردگار اپنے بندوں کو دستر خوان رحمت الٰہی سے بہرہ مند ہونے کے لئے آمادہ فرمارہا ہے۔ ایسی دعا و تعلیم ہر قسم کی نادانی و غفلت کو ختم کرکے انسان کے قلب و روح کو پاک و مطہر فربناتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعا سے ہم سیکھتے ہیں کہ شاہراہ توحید کا سالک غرور و خود فریبی سے دور ہوتا ہے اور ہر آن اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بروقت حساب وکتاب کرتا ہے۔

نعمتوں کو یاد کرنا

جناب یوسفؑ کے والد اور انکے بھائیوں نے جب انکی عظمت و رتبہ کو دیکھا تو سجدہ ریز ہوگئے، اس وقت جناب یوسف ماضی میں پیش آنے والے حادثات کو یاد کرتے ہوئے اس طرح دعا فرماتے ہیں: "پروردگار تو نے مجھے ملک بھی عطا کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا۔ تو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دنیا وآخرت میں میرا ولی اور سرپرست ہے مجھے دنیا سے فرمانبردار اٹھانا اور صالحین سے ملحق کردینا۔" (یوسف/۱۰۱)۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا میں بندگی و شکر گزاری کا ادب جس خوبصورتی سے بیان ہوا ہے وہ انسان کو غور و فکر

کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اپنی حاجتوں کو طلب کرنے سے پہلے نعمتوں کو یاد کرتے ہیں جن سے پروردگار نے انھیں نوازا تھا، اس طرح کی عبودیت و بندگی سبب بنتی ہے کہ انسان ہمیشہ خدا سے راضی اور اسکی نعمتوں پر شاکر رہے، ساتھ ہی اس سے نفسانی چین و سکون حاصل ہوتا ہے جو سلامتی و امنیت کا ضامن اور انفرادی و سماجی زندگی میں کامیابی کا سبب ہے۔ خدا کی حمد و ثنا کرنے اور مصائب وآلام میں پروردگار کے احسان کو یاد کرنے کے بعد آپ ان نعمتوں کو یاد کرتے ہیں جو آپ سے مخصوص تھیں۔ آپکی نظر میں یہ تمام امور پروردگار کی جانب سے تھے اسی وجہ سے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے میں نے زحمتیں اٹھائیں۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: خداوند عالم کی محبت سے آپ کا دل اس طرح سے مملو و سرشار تھا کہ آپکی پوری توجہ غیر خدا سے منقطع ہو گئی تھی جس کے نتیجہ میں اپنے والد سے گفتگو کے دوران اچانک آپ خدا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اس طرح سے اس ذات لم یزل کو مخاطب قرار دیتے ہیں: "پروردگار تو نے مجھے ملک بھی عطا کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا" (موسوی ہمدانی، ۲۷۴، ۱۳۷۴)۔

اسی طرح فرزند کے لئے جناب زکریاؑ کی وہ مناجات ہے جسے قرآن نے نقل کیا ہے:

" إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (٣) قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا (٤) وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا (٥) يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا" (مریم/۲-۶)

جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دھیمی آواز سے پکارا، کہا کہ پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا ہے اور میں تجھے پکارنے سے کبھی محروم نہیں رہا ہوں اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اب مجھے ایک ایسا ولی اور وارث عطا فرمادے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اسے اپنا پسندیدہ بھی قرار دے۔

سید قطب فرماتے ہیں: اس مرحلہ پر جناب زکریاؑ قرب و اتصال کے اعلیٰ درجہ پر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دست دعا بلند کرتے ہیں اور رب کا استعمال بغیر حرف "ندا" کے کرتے ہیں۔ (شازلی، ۲۷، ۱۴۱۲)۔ اس جملہ "لَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيّاً" سے آپ کہنا چاہتے ہیں کہ جوانی سے لے کر آج ہڈیوں کے کمزور اور بالوں

کے سفید ہونے تک میں تیرے ہی در کا گدا رہا ہوں اور کبھی بھی تیری نظر رحمت سے ناامید نہیں ہوا اور تیری بارگاہ سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہوں، رب رحیم کی بارگاہ میں اس طرح کی عاجزی و انکساری سبب ہوئی کہ پروردگار نے زکریاؑ کی دعا کو قبول فرمایا اور انھیں یحییٰ جیسے بیٹے سے نوازا۔ (مترجمان، ۱۴۱، ۱۳۶۰)۔ ہر زمانہ میں نعمتوں کی کثرت سبب بنتی ہے کہ بعض مومنین دھیرے دھیرے خدا کے لطف و کرم کو فراموش اور اسکی بارگاہ میں راز و نیاز کرنے سے غافل ہو جائیں۔ لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام انسان کامل، امام اور ان کا عمل دوسروں کے لئے میزان و ترازو ہوتا ہے لہٰذا وہ ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ ہمیشہ خدا کے الطاف و کرم کو یاد کرتے رہیں۔

حاجتوں کا طلب کرنا

الٰہی نعمتوں کو یاد کرنے کے بعد حاجت طلب کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ انبیاء کی دعاؤں کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ معنوی حاجتوں کو صراحت کے ساتھ طلب کرتے لیکن مادی حاجتوں کو آشکارا طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو مکہ (وادی لم یزرع) میں پروردگار کے حکم سے تنہا چھوڑ دیا تو آپ نے اس طرح دعا فرمائی: " وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (۳۵) رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۶) رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ " (ابراہیم/۳۵۔۳۷)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ پروردگار اس شہر کو محفوظ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا، پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو اب جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو معصیت کرے گا اس کے لئے تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن

جائیں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں جس ادب کا لحاظ کیا وہ یہ کہ پروردگار سے جو بھی حاجت طلب کی چونکہ جائز و ناجائز دونوں مقاصد کے لئے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا لہٰذا آپ نے اپنے جائز اور صحیح مقصد کو بیان کر دیا تاکہ ہر ایک پر یہ بات واضح و روشن ہو جائے کہ جناب ابراہیمؑ کو کس قدر پروردگار کی رافت و رحمت سے امید تھی۔ مثال کے طور پر جب آپ یہ دعا فرماتے ہیں کہ "مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا" فوراً اسکے بعد آپ اپنے مقصد کو واضح اور سادہ زبان میں بیان فرماتے ہیں "پروردگارا! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے" اور اگر لفظ "رب" کو دہرایا ہے تو اس وجہ سے کہ خدا کی رحمت کو جوش میں لاسکیں۔ اسی طرح سے جب آپ نے یہ دعا کی: "پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے" اسکے بعد اپنے اس عمل کی وجہ کو بھی بیان فرمایا: "تاکہ نمازیں قائم کریں" اور پھر جب آپ نے اپنی حاجت کو طلب کیا: "اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما" تو اس دعا کا مقصد بھی ذکر کر دیا: "تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں" (موسوی ہمدانی، ۲۶۹، ۴ ۱۳۷)

پروردگار کو یاد کرنے والوں اور اسکے شکر گزار بندوں کے لئے یہ دعا کامل نمونہ ہے اور اگر اس سے پہلے سیاق و سباق کو دیکھیں تو درماندگی و عاجزی واضح طور پر سمجھ میں آئے گی۔ حضرت موسی علیہ السلام بھی قبطی کو قتل کرنے کے بعد اس طرح دعا فرماتے ہیں: "قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" (قصص/۱۶)

موسٰی نے کہا کہ پروردگارا! میں نے اپنے نفس کے لئے مصیبت مول لے لی لہٰذا مجھے معاف کر دے، تو پروردگار نے معاف کر دیا کہ وہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس دعا کا چونکہ دنیاوی امور سے تعلق نہیں تھا اور صرف بارگاہ خداوندی میں مغفرت کی دعا تھی لہٰذا جناب موسی نے واضح لفظوں میں اپنی حاجت کو بیان کیا۔ لیکن مصر سے فرار ہونے کے بعد آپ اس طرح دعا فرماتے ہیں: "موسٰی نے دونوں کے جانوروں کو پانی پلادیا اور پھر ایک سایہ میں آکر پناہ لے لی عرض کی پروردگار یقینا میں اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میری طرف بھیج دے" (قصص/۲۴)

"فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ"

جناب موسیٰؑ اپنی اس دعا میں التجا و ربوبیت سے تمسک کے علاوہ جو خود مستقل ادب ہے؛ ایک اور ادب کا استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ جب جناب موسی بن عمران کو شدید بھوک لگتی ہے اور بھوک کی شدت میں آپ پروردگار سے روٹی کی درخواست کرتے ہیں لیکن یہ درخواست بھی آپ واضح و آشکار لفظوں میں بیان نہیں کرتے آپ صرف قتل کے بعد فرار کئے جانے کی حالت کو بیان کرتے ہیں اور ان حالات میں خیر جو روٹی کے سوا کچھ نہیں تھا اسے طلب کرتے ہیں اور بقیہ چیزوں کو پروردگار کے لطف و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ انبیاء و اولیا علیہم السلام کی زندگی میں اس طرح کے ادب کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ (مترجمان، ۱۷۹، ۱۳۶۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کی سرگزشت جہاں حیرت انگیز ہے وہیں پر شکوہ و باعظمت بھی۔ تلخ و دشوار حادثات کے سامنے آپ کا صبر و شکر نہایت عجیب تھا اس طریقہ سے کہ "صبر ایوب" مثال بن گیا، جب جناب ایوب مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں تو اس طرح دعا فرماتے ہیں: "اور ایوب علیہ السّلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے بیماری نے چھو لیا ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے" (انبیا/۸۴)

علامہ طباطبائی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "تمام پیغمبروں کی طرح ایوبؑ بھی طاقت فرسا مشکلات سے نجات کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کے وقت ادب کا خیال رکھتے ہیں، آپ ان تعبیروں سے پرہیز کرتے ہیں جن سے شکوہ و شکایت کی بو آتی ہو، آپ نے ہرگز آہ و نالہ بلند نہیں کیا اور خدا کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، خدا کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں مانگا اور جب اجازت ملی تو صرف اتنا کہا: "مجھے پریشانیوں نے گھیر لیا ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔" اپنے پروردگار کی رحمت بیکراں سے تقاضہ کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ بھی نہیں کہتے کہ میری مشکلات کو دور فرما چونکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ جس ذات کو پکار رہے ہیں وہ نہایت عظیم و بزرگ ہے وہ اچھی طرح بزرگی کے آداب سے آشنا ہے۔ اس دعا میں پروردگار کے حضور جو ادب کا خیال رکھا گیا ہے وہ آیت کے ابتدائی فراز سے اور واضح ہو جاتا ہے۔ جناب ایوبؑ اپنی حاجت یعنی بیماری سے شفاء کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے ہیں، انکی نظر میں انکی حاجت نہایت حقیر و چھوٹی ہے کہ اسکے لئے پروردگار سے درخواست کی جائے۔" (زمخشری، ۱۳۰، ۱۴۰۷ھ)

انبیاء علیہم السلام کبھی بھی دنیاوی امور کے سلسلہ میں اپنی حاجتوں کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے تھے اگرچہ اس طلب میں انکا نفس شامل نہیں ہوتا تھا اسکے باوجود وہ اس سے پرہیز کرتے تھے۔

دعاوں میں عمومیت

انبیاء علیہم السلام کی دعاوں کا ایک ادب یہ ہے کہ انکی دعائیں عمومی و ہمہ گیر ہوتی تھیں۔ مومن دوستوں اور صاحبان حق کے لئے دعا کرنا دعاؤں کی قبولیت کے اسباب و آداب کے علاوہ مومنین کا ایک دوسرے کی گردن پر مسلّم حق ہے۔ مومن شخص بنیادی و عمومی اصول یعنی "جو اپنے لئے پسند کرو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو" کی بنیاد پر اپنی دعاؤں میں ایمانی بھائی اور بہنوں کو فراموش نہیں کرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی خود سے پہلے چالیس مومن بھائیوں کے لئے دعا کرے اور اسکے بعد خود کے لئے دعا کرے تو اسکی دعا چاہے وہ چالیس مومن بھائیوں کے لئے ہو یا خود کے لئے قبول ہوتی ہیں۔ (حر عاملی، ۴۳، ۱۴۰۹ ھ)

حضرت نوح علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اس طرح دعا فرماتے ہیں: "رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا " (نوح/۲۸)

پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو جائیں اور تمام مومنین و مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کسی شے میں اضافہ نہ کرنا۔

اس دعا میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے خود کے لئے پھر اپنے والدین کے لئے اور اسکے بعد تمام مومنین کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔ اپنی قوم کے کافر افراد کے لئے بد دعا کرنے کے بعد الٰہی ادب کا تقاضہ تھا کہ وہ افراد جنھوں نے انکی دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے پروردگار انھیں اپنی نظر رحمت سے دور نہ کرے لہٰذا دنیا و آخرت میں انکی سعادت و کامیابی کی دعا کی اسی وجہ سے پہلے اپنے لئے پھر اپنے والدین کے لئے اسکے بعد اپنی قوم کے مومنین کے لئے اور آخر میں تمام اہل توحید کے لئے چاہے وہ اس وقت موجود ہوں یا مستقبل میں آئیں گے سب کے لئے دعا کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اس طرح دعا فرماتے ہیں:

" خدایا تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق سے فیصلہ فرمادے کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے " (اعراف/۸۹)

اس دعا میں جناب شعیب علیہ السلام نے "ہمارے" فرمایا "میرے" نہیں کہا، اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ تمام اہل توحید کو انھوں نے اپنی دعا میں شامل کرلیا تھا چونکہ آپ کی قوم نے آپ کے علاوہ تمام مومنین کو دھمکی دی تھی: "ان کی قوم کے مستکبرین نے کہا کہ اے شعیب! ہم تم کو اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا تم بھی پلٹ کر ہمارے مذہب پر آجاؤ.... انہوں نے جواب دیا: کہ چاہے ہم تمہارے مذہب سے بیزار ہی کیوں نہ ہوں"؟:

" قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ " (اعراف/۸۸)

اس لئے انہوں نے مومنین کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا اور انہیں لیکر خدا کی بارگاہ کی طرف نکل پڑے اور دعا کی: خداوندا ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو ظاہر فرما۔ اس طرح سے گفتگو کرنا، آداب دعا کہلاتا ہے۔

انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں اگر دقت کی جائے تو ہمیں اس طرح کی بہت مثالیں ملتی ہیں حقیقت میں عاشق دربار احدیت جب اپنے معبود سے گفتگو کرتا ہے تو پھر وہ خود سے بے خبر ہو جاتا ہے وہ اپنا نفس نہیں دیکھتا ہے اور رہروان راہ حق نے بھی ہمیں یہی سکھایا ہے کہ دعا کرتے وقت سب سے پہلے دوسروں پر توجہ دیں انکی خیریت سلامتی اور عزت کے لئے فکر مند رہیں بیشک یہ چیز انانیت و نفس امارہ کی قید سے آزاد اور دعا کے پاک ہونے کے لئے بہت زیادہ موثر ہے۔

دعاؤں کا خاتمہ اسماء حسنیٰ پر

آخر میں دعاؤں کے اختتام اور حاجتوں کو ذکر کرنے کے بعد اسی دعا سے مناسب پروردگار کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی نام کو ذکر کیا جائے۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت نہایت خوبصورت انداز میں بیان ہوئی ہے اور خود یہ قرآنی و عرفانی تحقیق کا موضوع ہے۔ قرآن کریم میں ملتا ہے: خدا کو اسکے اسمائے حسنیٰ سے بلاؤ اگرچہ اسکے نام لامتناہی ہیں اور اسماء و صفات اسکی عین ذات ہیں اور اسکے تمام نام حسنیٰ ہیں لیکن گفتگو دعا میں ادب کی ہو رہی ہے۔

" قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ " (اعراف/۸۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا وہ ہے جو آپ اور آپکے بیٹے اسماعیل نے خانہ کعبہ کی دیوار کو بلند کرتے وقت کی تھی: "اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السّلام و اسماعیل علیہ السّلام خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے اور دل میں یہ دعا تھی کہ پروردگار ہماری محنت کو قبول فرمالے کہ تو بہترین سننے والا اور جاننے والا ہے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک فرمانبردار امت پیدا کر، ہمیں ہمارے مناسک دکھلا دے اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو بہترین توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، پروردگار ان کے درمیان ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انکے نفوس کو پاکیزہ بنائے، بیشک تو صاحبِ عزّت اور صاحبِ حکمت ہے":

" وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱۲۷) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ " (بقرہ/۱۲۷-۱۲۹)

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ہر دعا کے بعد پروردگار کے ناموں میں سے کسی ایک نام کا ذکر کیا ہے جیسے "السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" "التَّوابُ الرَّحِيمُ" "الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" اور انہی اسماء کے تناسب میں اپنی حاجتوں کو ذکر کیا اور تمام حاجتوں میں لفظ رب کو دہرایا۔ چونکہ ربوبیت خدا اور بندوں کے درمیان حلقہ وصل ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ عشق و عرفان سے بھری اس دعا میں عمومیت و ہمہ گیری پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ دعا کرتے وقت جناب ابراہیم علیہ السلام خود کو حق پرست ایمان لانے والے ایک گروہ کے درمیان تصور کرتے ہوئے جس چیز کی آرزو کرتے ہیں وہ ہر ایک کے لئے ہے۔ جناب سلیمانؑ بھی اسی طرح سے دعا فرماتے ہیں: " اور کہا کہ پروردگار مجھے معاف فرما اور ایک ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو کہ تو

بہترین عطا کرنے والا ہے " (ص/۳۵)

اپنی دعا کا اختتام آپ پروردگار کے اسماء میں سے ایک اسم یعنی "وہاب" پر کرتے ہیں جو آپ کی دعا سے تناسب رکھتی ہے۔ جناب سلیمان علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ ایک ایسے ملک کی تمنا کرنا جو ان سے پہلے کسی کو نہیں ملا پروردگار کی مشیت و لازوال قدرت سے سازگار ہے اور ان سب کو ایک دوست کی جانب سے احسان و تحفہ سمجھتے ہیں، اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ توحیدی معیار و عمل کی جزا سے زیادہ بھی پروردگار سے تمنا کی جاسکتی ہے۔ یہ قربت و دوستانہ رابطہ، حقیقت دعا کا نتیجہ ہے جو صرف سخت عمل کرنے والے اور پاکدل انسان کو میسر ہوتا ہے۔

نتیجہ

دعا کا مقصد خدا کی یاد اور قرب الٰہی ہے۔ چونکہ دعا عبادت ہے اس بنیاد پر یہ بہت با فضیلت عبادت ہے جو تقرب پروردگار حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ توجہ رہے کہ پروردگار کی بارگاہ میں دعا و تضرع اضطراب و بے چینی کے خاتمہ کا سبب ہے چونکہ مومن جانتا ہے کہ پروردگار کا ارشاد ہے: " مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا " (غافر/۶۰)۔ لہٰذا وہ پرامید ہے کہ خدا اسکی دعاؤں کو قبول، اسکی مشکلوں کو دور اور حاجتوں کو پورا فرمائے گا، غم و تکلیف کو اس سے دور کردے گا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں ہمیں مندرجہ ذیل آداب دیکھنے کو ملتے ہیں:

۱۔ ہر چیز سے پہلے انبیاء اپنی دعا میں اس مبارک لفظ "رب ربنا اور ربی" کا استعمال کرتے ہیں چونکہ ربوبیت خدا اور بندوں کے درمیان ایک حلقہ وصل ہے جو دعا کے قبول ہونے کی کنجی ہے۔

۲۔ لفظ رب کے استعمال کے بعد پروردگار کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور یہی عبودیت کا تقاضہ بھی ہے۔

۳۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد انبیاء کی دعاؤں کے آداب میں سے ایک ادب اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اعتراف ہے۔ برائیوں کا اعتراف، انسان کی روح کو رحمت و فضل پروردگار سے متصل کرنے کا ذریعہ اور توبہ کی توفیق حاصل ہونے کا سبب ہے۔

۴۔ اسکے بعد جن نعمتوں سے پروردگار نے انھیں نوازا ہے اسے یاد کرتے ہیں اور پھر اپنی حاجتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ انبیاء اپنی معنوی و روحانی حاجتوں کو واضح و صراحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں لیکن مادی حاجتوں کو با واسطہ بیان کرتے ہیں۔ البتہ واضح رہے کہ انکی دعائیں عمومی و ہمہ گیر ہوتی ہیں۔

۵۔ دعا کے آخر میں اپنی حاجتوں سے مناسب پروردگار کے اوصاف میں سے کسی صفت کو بیان کرتے ہیں چونکہ اسکی ہر صفت کی ایک خاص تجلی واثر ہے اور اس صفت و تجلی کے درمیان ایک مخصوص رابطہ پایا جاتا ہے۔ ان دعائیہ آیات کے اختتام میں اوصاف الہی کا ہونا یا با الفاظ دیگر، آیات کے آخر میں اسمائے حسنیٰ کا ہونا حسن ختام کی بہترین مثال ہے۔

منابع:

قرآن کریم

انصاریان، حسین، بی تا، عرفان اسلامی (شرح جامع مصباح الشریعہ و مفتاح الحقیقہ)، ج۶، نشر اول، تہران؛ انتشارات عرفان

انوری، حسن، ۱۳۸۱ش، فرہنگ بزرگ سخن، ج۳، تہران، بی جا

جوادی آملی، عبداللہ، ۱۳۷۸ش، حکمت عبادات، نشر دوم، قم، مرکز نشر اسرا

حر عاملی، محمد بن حسن، ۱۴۰۹ھ، وسائل الشیعہ، بی جا، مؤسسہ آل البیت

راغب اصفہانی، محمد، ۱۴۲۳ھ، مفردات الفاظ القرآن، نشر دوم، قم؛ انتشارات ذوی القربی

زمخشری، محمود، ۱۴۰۷ھ، الکشاف، بیروت، دار الکتب العربی

سلیمانیان، خدامراد، ۱۳۷۷ش، دستان سبز نیائش، نشر اول، قم، انتشارات زائر

سید ابن طاووس، ۱۳۸۵ش، ادب حضور، ترجمہ محمد روحی، بی جا، انتشارات انصاری

شازلی، سید بن قطب بن ابراہیم، ۱۴۰۲ ھ، فی ضلال القرآن، بیروت، دار الشرق

طباطبائی، محمد حسین، بی تا، تفسیر المیزان، ترجمہ سید محمد باقر موسوی ہمدانی، نشر۱۵، قم انتشارات اسلامی

طوسی، محمد بن حسن، التبیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار احیاالتراث العربی

عروسی حویزی، عبد العلی بن جمعہ، ۱۴۱۵ ھ، تفسیر نور الثقلین، قم اسماعیلیان

قرشی، سید علی اکبر، ۱۴۱۲ ھ، قاموس قرآن، ج۱، نشر ششم، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

قمی، عباس، ۱۳۷۵ش، مفاتیح الجنان، ترجمہ الٰہی قمشہ ای، نشر دوم، تہران، نشر محمد

کلینی، محمد بن یعقوب، ۱۳۸۸ش، اصول کافی، ترجمہ لطیف راشدی و سعید راشدی، ج۲، نشر اول، قم، اجود

مترجمان، ۱۳۶۰ش، ترجمہ تفسیر مجمع البیان، تہران، فراہانی

معلوف، لویس، ۱۳۸۶ش، فرہنگ المنجد عربی بہ فارسی، ترجمہ محمد بندر ریگی، ج۱، نشر ششم، تہران، ایران

مکارم شیرازی، ناصر و دیگران، ۱۳۷۶ش، تفسیر نمونہ، ج۱، نشر۵۱، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

Bibliography

The Holy Quran.

Ansarian, Hussein, no date, Islamic Sufism (Comprehensive Description of Sharia and the Key of Truth), Volume 6, First Edition, Tehran: Erfan Publications.

Anwari, Hassan 2002, Farhang Bozorg Sokhan, vol. 3, Tehran: ,No Place,

Javadi Amoli, Abdullah 1999, The Wisdom of Worship, Second Edition, Qom: Asra Publishing Center. Hor Amoli, Muhammad bin Hassan. 1409 H, Vasael Al-Shia, no place, Al-Bayt Institute.

Ragheb Isfahani Mohammad. 1423 H, the contents of the words of the Qur'an, second edition, Qom, Zu al-Qorbi Publications.

Zamakhshari, Mahmoud 1407 H, Al-Kashaf, Beirut, Dar Al-Kotob Al-Arabi.

Soleimanian, Khodamard, 1998, Dastane Sabze Niyayesh, first edition, Qom, Zaer

publications.

Seyed Bin Tavous, 2006, Adab Hozur, translated by Mohammad Rouhi, no place, Ansari Publications.

Shazli, Sayyid ibn Qutb ibn Ibrahim. 1402 H, Fi Zalal Al-Qur'an, Beirut, Dar al-Sharq.

Tabatabai, Mohammad Hussain, no date, Tafsir Al-Mizan, translated by Seyyed Mohammad Baqir Mousavi Hamedani, vol. 15, Qom, Islamic Publications.

Tusi, Muhammad ibn Hassan, no date, Al-Tibyan Fi Tafsir Al-Quran, Beirut, Dar Al-Ahya Al-Tarath Al-Arabi.

Arusi Hoveizi, Abdul Ali bin Juma. 1415 H, Tafsir Noor al-Thaqalin, Qom, Ismailian.

Qurashi, Seyed Ali Akbar 1412 H, Quran Dictionary, vol. 1, sixth edition, Tehran, Dar Al-Kotob Al-Islamiya.

Qomi, Abbas 1996, Mafatih Al-Jannan, Divine Translation of Qeshmahi, Second Edition, Tehran, Mohammad Publishing.

Kelini, Muhammad ibn Ya'qub 2009, Osul Kafi, translated by Latif Rashedi and Saeed Rashedi, Volume 2, First Edition, Qom, Ajoud.

Translators. 1981, translation of Tafsir Majma 'al-Bayan, Tehran, Farahani.

Ma'loof, Lewis. 2007, Farhang al-Munajjid Arabic to Persian, translated by Mohammad Bandar Rigi, vol. 1, sixth edition, Tehran, Iran.

Makarem Shirazi, Nasser and others. 2007, Sample Interpretation, Vol. 1, Edition 51, Tehran, Dar Al-Kotob Al-Islamiya.

نواسۂ رسول امام حسینؑ مذہبی یکجہتی کی گفتگو کا محور

مولف: سید محمد تقی شاکری[1]

مترجم: محمد کاظم دہلی

پیش لفظ

اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ اہل سنت کے اصلی منابع، حدیث، تاریخ اور تراجم کی کتابوں سے رسول خداؐ کی امام حسینؑ سے غیر معمولی محبت وشفقت کا تعین کیا جائے اور آپؑ کے اخلاقی ومعنوی فضائل کی نشاندہی کے ساتھ آپؑ کے قیام کو نمونہ سمجھنے اور اسلامی امت کے درمیان آدمی کی پرورش کے لیے امام حسینؑ کے اسوہ کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے اور اس طرح یہ بات واضح ہو جائے کہ رسولؐ کی سنت کے فصل الخطاب اور حجت ہونے کے مد نظر مسلمانوں کی امام حسینؑ سے محبت، خود مسلمانوں کی ایک دوسرے سے محبت کا سبب بنے اور یہ محبت کہ جس پر سب کا اتفاق ہے اسلامی مذاہب کے اتحاد کا محور قرار پائے۔

مقدمہ

تقریب بین مذاہب کے منصوبوں، فرائض اور ارمانوں میں ان مبہم موضوعات کو صحیح اور واضح طریقہ سے بیان کرنا ہے جو مختلف وجوہ جیسے دین مبین کے معیاروں سے کم آشنائی اور اطمینان بخش مآخذ تک رسائی نہ ہونا وغیرہ جیسی چیزوں نے کج فکر اسلام دشمنوں کے فریب ونیرنگ کو بڑھاوا دیا اور اس طرح دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی روح ودماغ کو متاثر کیا ہے اور دوریاں بڑھتی چلی گئیں۔ایسے حالات میں ضروری ہے کہ حقیقت کے متلاشی دلوں سے ابہامات اور بے شمار سوالات کا زنگ چھڑانے کے لیے برادران اہل سنت کی کثرت کے پیش نظر، شیعہ اعتقادات سے ان کے افکار ونظریات کے ارتباط کو خود اہل سنت کے اصلی منابع سے حاصل کیا جائے۔ اہل سنت کے ماخذ ومنابع کی کثرت وتنوع کے پیش نظر، اس مقالہ میں امام حسینؑ کی

۱۔ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اسلامی فلسفہ وعرفان، مذاہب اسلامی یونیورسٹی

شخصیت کا جائزہ ایسے ماخذ سے لیا گیا ہے جس میں امام حسینؑ کے بارے میں رسولؐ کا کردار واقوال، مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے اور ہر قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے میں بہترین معان ومددگار ثابت ہوگا۔

اور اس طرح سے شیعہ و سنی کے درمیان پہلے سے زیادہ مضبوط ومستحکم، برادری اور بھائی چارہ کا رشتہ قائم وبرقرار ہوسکے گا۔

جہاں "انسان کامل" ایک ایسا حقیقی نمونہ واسوہ ہے کہ جس کی پیروی کرکے نوع بشر خود کو مطلوب کمالات سے نزدیک کرسکتی ہے، وہیں رسولؐ کے اہل بیتؑ ایسے نمایاں ترین نمونے ہیں کہ جن کو اسلام نے مکمل نمونہ کے عنوان سے متعارف کرایا ہے۔ ان میں حسینؑ بن علیؑ رسولؐ سے نسبت کے لحاظ سے خاص حیثیت اور زمانہ کے خاص حالات کے اعتبار سے مخصوص و قابل توجہ خصوصیات کے حامل ہیں آپ فقط آزاد اور اللہ والے انسان کے لیے ہی نمونہ نہیں ہیں بلکہ ظالموں کے ستم کے ستائے ہوئے لوگوں کے لیے مقاومت کی مثال اور احیاء حق اور اعلائے کلمتہ اللہ کی راہ میں ایثار وفداکاری کا مظہر بھی ہیں۔

چنانچہ آج آپ کا نام مقاومت کی علامت اور آپ کی یاد قیام واستقامت کا راز ہے۔ واقعہ کربلا کا جب امام حسینؑ اور ان کے اصحاب اور خاندان پر ہوئے مظالم کے مد نظر تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ بہت بڑا ظلم اور روح انسانیت کی نہایت ہی پستی اور رذالت کا مظہر نظر آتا ہے۔ لیکن جب اسے امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب وانصار کی مظلومیت کے لحاظ سے دیکھا جاتا ہے تو یہ فضیلت وعظمت کی معراج اور انسانی فضائل کا اعلیٰ ترین موقع نظر آتا ہے۔ اسی لئے انسانیت کے ان بہترین نمونوں اور معیاروں کو انسانی فضیلتوں کی پرورش اور روح کی تربیت کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے۔

رسولؐ کی نظر میں امام حسینؑ کی قدر و منزلت

۱۔ امام حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار

بہت سی روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ رسول نے فرمایا: ''حسن و حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔''

یہ روایات متعدد سندوں سے رسولؐ کے مشہور اصحاب، جیسے ابن مسعود، حذیفہ، جابر، ابوبکر، عمر، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ اور انس بن مالک سے منقول ہیں اور ان تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ نے حسن و حسین علیہما السلام کی اس صفت کو بار بار بیان فرمایا ہے اور رسولؐ کے یہ الفاظ ''الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة'' مسلمانوں کے درمیان متواتر و مشہور رہے ہیں۔[۱]

۲۔ حسینؑ رسولؐ کے پیارے

اس بارے میں بکثرت احادیث و روایات موجود ہیں کہ رسولؐ امام حسینؑ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور یہ محبت عام باپ کی بیٹے سے محبت جیسی نہیں تھی بلکہ اس کی بنیاد عشق و مودت اور روحی وحدت پر استوار تھی۔ اور مضبوط معنوی اتحاد و اتصال اور فکری توافق کی غماز تھی اور ''اِنَّهُمْ مِنِّی وَاَنَا مِنْهُمْ''[۲] یا یہ حدیث ''اَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَکُمْ وحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَکُمْ۔''[۳] اسی عشق و محبت کی عکاس ہے۔

آخری جملہ کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اہل بیتؑ کا طرز فکر اور ان کی سیرت، رسولؐ کی رفتار و گفتار ہے اور ان کی جنگ و صلح رسولؐ کی جنگ و صلح ہے۔ یہ نکتہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ ان الفاظ کا کہنے والا اللہ کا رسولؐ

۱۔ سنن ابن ابی ماجہ، ج ۱، ص ۵۶، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر، ج ۱، ص ۷ و ۱۵۲، الصواعق المحرقہ، ص ۱۸۰ و ۱۸۹، سنن ترمذی، ج ۱۳، ص ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۸، خصائص امیر المومنین، ص ۴۸۔ ۴۹ و ص ۵۳، مقتل الحسین خوارزمی، ص ۱۵۱۔

۲۔ نظم درر السمطین، ص ۱۰۱۔

۳۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۶۵؛ سنن ترمذی، ج ۱۳، ص ۲۴۸۔

ہے جو گزاف گوئی اور بے جامداح سرائی سے مبرا و منزہ ہے۔ آپ کا قول و فعل انسان کے لیے حجت اور قانون ہے اور آپ کی حدیثیں "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى * إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۔"[1] کی بنیاد پر حقیقت کی ترجمان ہیں۔

جو حدیثیں رسولؐ کی مخصوص محبت کی غماز ہیں ان میں سے یعلی بن مرہ کی حدیث ہے کہ رسولؐ نے ایک دعوت میں جاتے ہوئے حسینؑ کو دیکھا آپؐ نے انہیں گود میں لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے (امام حسینؑ) ادھر ادھر دوڑنے لگے، رسولؐ ان کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہے یہاں تک کہ آپ نے انہیں پکڑ لیا۔ ان کا بوسہ لیا اور فرمایا: "حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا۔" حُسَينٌ سِبطٌ مِنَ الا سباطِ"[2]۔

شرباصی، قاموس سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد "حُسَينٌ سِبطٌ مِنَ الا سباطِ واُمّةٌ مِنَ الاُمِمْ"[3] تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سبط کے معنی جماعت و قبیلہ کے ہیں اور احتمال ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہوں کہ حسین کے مقام و مرتبہ کی رفعت و بلندی ایک امت کے مرتبہ کے برابر ہے یا ایک امت کے اجر وثواب کے برابر ہے اور انہیں یہ اجر و ثواب ان کی عظیم فضیلت اور کارکردگی کی بناء پر دیا جائے گا۔[4]

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے حسن و حسینؑ کے بارے میں فرمایا: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا۔"[5]۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں کو عزیز رکھ، اور ان سے محبت رکھنے والے کو بھی عزیز رکھ۔ خصوصاً امام حسینؑ کے بارے میں احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّ حُسَيْنا فَأَحِبَّهُ وَاَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ۔"[6]

۱۔ نجم، ۳ و ۴

۲۔ سنن ابن ماجہ،، ج ۱، ص ۶۵؛ سنن ترمذی ج ۱۳، ص ۱۹۵۔۱۹۶؛ اسد الغابہ ج ۵، ص ۱۳۰، اور ص ۵۷۴؛ کنز العمال، ج ۳، ص ۳۹۵؛ اور ج ۶، ص ۲۳۳۔

۳۔ القاموس المحیط، ص ۸۶۴۔

۴۔ حفیدۃ الرسول، ص ۴۰۔

۵۔ الاستیعاب ج ۱، ص ۳۷۶، السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۳۶۸۔

۶۔ کنز الحقائق، ج ۱، ص ۴۴۔

''دوسری روایات جو رسولؐ کی اپنے سبط (نواسہ) سے شدید عشق و محبت کو بیان کرتی ہیں، ان میں سے ایک حدیث ہے کہ '' دونوں دنیا کے میرے پھول ہیں'' حدیث کے الفاظ کے اختلاف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس مضمون کو مختلف الفاظ میں مکرر بیان کیا ہے۔ بعض حدیثوں میں فرمایا ہے: ''اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنُ ھُما رَیْحانَتایَ مِنَ الدُّنیا'' بعض دوسری حدیثوں میں فرمایا ہے: ''اَلْوَلَدُ رَیْحانَۃٌ وَ رَیْحانَتَیَّ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ''۔ یا ان دونوں حدیثوں سے مشابہ تعبیریں ہیں ان سب کا مضمون یہ ہے کہ ''فرزند، ایک خوشبودار پھول ہے اور اس دنیا (کے باغ) سے میرے خوشبودار پھول حسن و حسین ہیں۔''[1]۔ دوسری جگہ رسولؐ، حضرت علیؑ سے فرماتے ہیں: ''سَلامُ اللہِ عَلَیْكَ یا اَبَا الرَّیْحانَتَیْنِ۔''[2]۔

امام حسینؑ سے رسولؐ کو غیر معمولی محبت والفت تھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس محبت کے تجزیہ و تحلیل کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ محبت صرف ایک جذباتی لگاؤ اور رشتہ داری کے تعلق سے تھی۔ بلکہ رسول اکرمؐ ''محبت'' اور ''عداوت'' کے تقابل سے استفادہ کرکے ثابت فرماتے ہیں کہ ان کے دوستوں اور اطاعت گذاروں کو ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہئے۔ اگر ان کے سچے پیروکار ہیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی چاہتے ہیں اور دین اسلام کی زندگی سے عشق رکھتے ہیں انہیں تو رسولؐ کے محبوب سے محبت کرنا چاہئے اور ان سے محبت کی علامت ان کے قول و فعل کی اتباع کرنا ہے۔ در حقیقت رسولؐ کے قول و عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے محبوب سے عداوت خود رسولؐ سے عداوت ہے کہ جس کا نتیجہ دنیا وآخرت میں بد بختی و ناکامی ہے۔

فریقین کی کتب احادیث کے مضامین یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ اسلامی معاشرہ کی آئندہ روش سے آگاہ تھے لہٰذا آپ حق اور باطل کے راستہ کو ایک دوسرے سے مکمل طور پر جدا اور آشکار کرنا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی حدیثوں اور محبتوں کے ذریعہ حقیقت پسند لوگوں کو مستقبل میں اپنے خاندان کے

۱۔ بخاری ج ۲؛ ص ۱۸۸؛ سنن ترمذی، ج ۱۳، ص ۱۹۳؛ اسد الغابہ ج ۲، ص ۱۹؛ خصائص امیر المومنین ص ۵۴؛ کنز العمال ج ۲، ص ۲۲۰؛ الاصابہ ج ۱، ص ۳۳۲۔

۲ کنوز الحقائق ج ۱، ص ۱۴۵۔

خلاف ابھرنے والی عداوتوں اور کینہ توزیوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس بناء پر دوسری روایات میں رسولؐ نے اہل بیتؑ سے جنگ کو خود سے جنگ قرار دیا ہے: ''أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ، وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ۔''[1]

بچوں سے والدین کی محبت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ان کا بوسہ لینا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اعراب (بدوؤں) میں یہ پاک انسانی احساس جو خاص جذباتی اقدار کا حامل ہے ختم ہو گیا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے اعراب، رحم و شفقت، مہربانی اور نرم دلی کو ایک قسم کی کمزوری سمجھتے تھے اور سختی اور تندخوئی کو اقدار تصور کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے اعراب کی بری عادتوں از جملہ قتل و غارت گری، قطع رحمی، بے مہری، غیظ و غضب اور خونریزی کو تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔[2]

زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں کی سنگ دلی کا ایک بڑا ثبوت بے گناہ بچیوں کو زندہ دفن کرنا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔[3] زمانہ جاہلیت کے بارے میں حضرت علیؑ نے بہت سے سبق آموز مطالب بیان کئے ہیں۔[4] زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بچہ کا بوسہ لینے کو عیب و عار تصور کیا جاتا تھا۔ اگر ان کے سامنے کوئی دوسرا اپنے بچہ کا بوسہ لیتا تھا تو انہیں عیب معلوم ہوتا تھا۔[5] رسول اکرمؐ رحمۃ اللعالمین تھے۔ اور رحمت میں وسعت قلبی کا مظاہرہ، خلوص، تمام لوگوں کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آنا اور ان کی عقل و احساس کو صحیح سمت دینا آپ کے بنیادی منصوبوں میں سے تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنے اس پروگرام کا آغاز پہلے اہل بیتؑ سے کیا۔ چنانچہ فاطمہ زہراؑ اور ان کی اولاد سے آپؐ کی پدرانہ شفقت حد کمال پر تھی اور آپؐ اپنے اس عمل سے ثابت کرتے تھے کہ حسن و حسین کا وجود آپ کے وجود کا امتداد ہے آپؐ ان کی بقاء کو اپنی بقاء جانتے تھے۔

۱۔ المعجم الاوسط، ج ۳، ص ۱۷۹؛ المعجم الصغیر ج ۲، ص ۳؛ المعجم الکبیر ج ۳، ص ۴۰؛ کنز العمال ج ۱، ص ۹۷ اور ج ۱۳، ص ۶۴؛ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۱۸ اور ج ۱۴، ص ۵۷؛ اسد الغابہ ج ۳، ص ۱۱؛ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲۲ اور ج ۳، ص ۲۵۸؛ البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۲۲۳؛ المسند، ج ۲، ص ۴۴۲؛ مقتل خوارزمی، ص ۱۵۱۔

۲۔ تاریخ کامل ج ۱، ص ۵۰۲ اور اس کے بعد۔

۳۔ سورہ نحل، ۵۸۔۵۹؛ سورہ تکویر، ۸۔

۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۶، ۸۸۔ ۱۵۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۴۔

۵۔ پرتوی از عظمت امام حسین، ص ۴۰۔

اہل بیتؑ سے محبت پر رسولؐ کی تاکید جس کے بارے میں اہل سنت کی کتابوں میں بہت کچھ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کا سبب ہوئی کہ اہل سنت کے بعض صاحبان علم اس کا اذعان کریں۔ امام شافعی کہتے ہیں:

يَا آلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمْ

فَرْضٌ مِّنَ اللهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ

يَكْفِيْكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْفَخْرِ أَنَّكُمْ

مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهُ[1]

اے رسول خداؐ کے اہل بیتؑ آپ حضرات سے محبت کرنا واجب ہے اس قرآن کے مطابق جس کو خدا نے نازل کیا ہے۔ آپ کی عظیم محبت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو شخص (نماز میں) آپ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔

رسول اکرمؐ کے نزدیک امام حسینؑ کے محبوب ہونے کی ایک وجہ شاید دین کا احیاء اور اس کی حفاظت ہے، مخفی نہ رہے کہ اہل بیتؑ نے زمانہ وجگہ کے پیش نظر دین کو زندہ رکھنے کے لیے بہت سی ثقافتی اور سیاسی سرگرمیاں انجام دی ہیں۔ امام حسینؑ نے احیائے دین کے لیے ایسے زمانہ میں قیام کیا جس میں دین کا دفاع کرنے والے ہی دین کے خلاف ہوگئے تھے۔ ایک طرف یزید "لَعِبَتْ هاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلاَ خَبَرٌ جاءَ وَ لاَ وَحْيٌ نَزَلْ"[2]۔ کا راگ الاپ رہا تھا، تو دوسری طرف لوگوں کے دینی عقائد کمزور ہوتے جارہے تھے، لوگ دین کے اصلی علوم ومعارف سے بیگانہ ہوچکے تھے۔ اسی لئے امام حسینؑ نے اپنے قیام کا ایک مقصد دین کا تحفظ اور بدعت کا خاتمہ بتایا ہے۔[3] اور تمام لوگوں کو قانون شکن اور دین کے مخالفوں سے مقابلہ کی دعوت دی ہے۔

۱۔ الصواعق المحرقہ، ص۸۸۔
۲۔ مقاتل الطالبیین، ص۸۰۔
۳۔ تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۲۶۶۔

بے شک امام حسینؑ کے قیام نے دین کو محفوظ اور اسے زندہ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، اس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام حسینؑ سے رسول اکرمؐ کا اظہار محبت اور امام حسینؑ کا دین کو بچانے کے درمیان ایک خاص رابطہ ہے۔ درحقیقت رسول مستقبل کا علم رکھتے تھے اور جانتے تھے جس اسلام کا پودا میں نے لگایا ہے وہ حسینؑ کے قیام اور ان کی قربانی سے ایک تناور درخت بنے گا اور ان کا ایثار وفداکاری قیام قیامت تک دین کی حفاظت اور ترقی کا ضامن ہوگا۔

شاید امام حسینؑ سے رسولؐ کی محبت ووابستگی کا حقیقی راز اسرار مکتوم (مخفی رازوں) میں سے ہے، لیکن ایک قاصر عقل کے تجزیہ سے ممکن ہے ان دلائل کو بھی اس محبت کی تشریح میں شامل کیا جاسکے: (الف) حسینؑ کی عظمت وکرامت کے درجہ کی وضاحت۔ (ب) امام حسینؑ کی ہتک حرمت کے مقابلہ میں آپ کا احترام ومحبت۔ آپ پر پڑنے والی ہولناک مصیبت اس وقت آشکار ہوتی ہے جب انسان امام حسینؑ کے بچپن میں رسولؐ کو آپ کا استقبال کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ وہی حسینؑ ایک زمانہ میں ایسے غریب وبیکس ہوجاتے ہیں کہ کوئی شخص اس منزل پر اترنا پسند نہیں کرتا جہاں امام حسینؑ اترتے ہیں صرف اس خوف سے کہ کہیں آپ اس سے مدد طلب نہ کریں۔ اس بناء پر لوگ آپ سے بچ کر نکل جاتے تھے۔ (ج) رسولؐ، امام حسینؑ کو خوش رکھتے تھے تاکہ آپ کے غم واندوہ اور مظلومیت کی تلافی ہوسکے، کیونکہ اگر مقصد یہ ہو کہ ان کے غم واندوہ کا جبران ہوجائے تو اس کی تلافی کے لیے امام حسینؑ سے اس قدر محبت وشفقت اور ان پر ایسا لطف وعنایت ہونا ہی چاہئے۔

امام حسینؑ کی ایک غیر اکتسابی فضیلت کہ جس کی وجہ سے رسولؐ کو آپ سے شدید محبت تھی وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ اہل بیتؑ میں سب سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ تھے۔ روایت میں ملتا ہے کہ امام حسینؑ کے سر کو ایک طشت میں رکھ کر جب ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو وہ تلوار یا ایک چھڑی سے آپ کی آنکھ اور ناک پر مار رہا تھا اور ساتھ ساتھ آنحضرتؐ کی خوبصورتی اور خوبیوں کا ذکر کر رہا تھا تو انس نے کہا کہ: یہ اللہ کے رسول سے سب (اہل بیت) سے زیادہ مشابہ تھے۔[1]

۱۔ صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۸۸؛ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۲۰۔

۳۔امام حسینؑ کی شہادت

رسول کا روشن ترین اور نا قابل انکار معجزہ آپ کی وہ پیشین گوئیاں اور خبریں ہیں جو آپ نے مستقبل کے حوادث کے بارے میں بیان فرمائی ہیں۔تاریخ اسلام میں ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔اس کے علاوہ رسولؐ نے آئندہ رونما ہونے والے حوادث اور غیبی امور کے بارے میں جو خبریں دی تھی وہ وقوع پذیر بھی ہوئی ہیں۔

رسولؐ کی ایک غیبی خبر، امام حسینؑ کی شہادت کی پیشین گوئی ہے۔اس بارے میں چند احادیث شیعوں کے متعدد طرق سے اور اہل سنت کی احادیث وتراجم کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں جن کے یقینی اور صحیح ہونے کی تائید قرائن سے بھی ہوتی ہے۔ نیز یہ احادیث اپنے مضمون ومحتویٰ کے اعتبار سے حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔اس کے علاوہ بعض مذکورہ خبریں وقوع پذیر بھی ہوئی ہیں۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر چند حدیثیں نقل کی جارہی ہیں:

عائشہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: "أَخْبَرَنِي جِبْرِيلُ أَنَّ ابْنِي الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بَعْدِي بِأَرْضِ الطَّفِّ، وَجَاءَنِي بِهَذِهِ التُّرْبَةِ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهَا مَضْجَعَهُ۔" جبرئیل نے مجھے بتایا ہے کہ میرے بعد میرا فرزند سرزمین طف (کربلا) میں قتل کیا جائے گا وہ میرے پاس یہ خاک (کربلا) لائے ہیں اور مجھے خبر دی ہے کہ ان کی آرام گاہ (مزار) اسی میں بنے گی۔[1]

دوسری اسناد میں عائشہ سے روایت ہے کہ "اِنَّ جِبْرَءِيْلَ اَرَانِيَ التُّرْبَةَ الَّتِيْ يُقْتَلُ عليهَاالْحُسينُ فَاشْتَدَّ غَضبُ اللهِ علَىٰ مَنْ يَسْفَكُ دَمَهُ"[2] رسولؐ نے فرمایا: مجھے جبرئیل نے وہ سرزمین دکھائی ہے جس پر حسین قتل کئے جائیں گے پس خدا کا غضب اس پر شدید ہوگا جو ان کا خون بہائے گا۔

۱۔الصواعق المحرقہ ص ۱۹۰؛ کنزالعمال، ج ۶، ص ۲۲۳۔
۲۔ایضاً۔

ام فضل بنت حارث سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا "أَتَانِي جَبْرَئِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ ابْنِي هَذَا يعني الحسينَ وَ أَتَانِي بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهِ حَمْرَاء۔"[1]۔ میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھ سے بتایا کہ میری امت میرے فرزند حسین کو قتل کرے گی۔ اور میرے لیے سرخ رنگ کی تھوڑی خاک لائے ہیں۔ اس قسم کی روایتوں میں جو دلچسپ نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ خبریں لوگوں کے سامنے اس وقت بیان ہوئیں جب امام حسینؑ آپ کی آغوش میں یا آپ کے پاس تھے۔ اور اس خبر کو لانے والا وحی پہنچانے کا ذمہ دار اور خدا کا مقرب فرشتہ جبرئیل ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خبریں اہم، یقینی اور ضرور پوری ہونے والی ہیں۔

احمد بن حنبل نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لَقَدْ دَخَلَ عَلَيَّ الْبَيْتَ مَلَكٌ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيَّ قَبْلَهَا فَقَالَ لِيْ اِنَّ اِبْنَكَ هٰذَا حُسَيْناً مَقْتُوْلٌ وَاِنْ شِئْتَ اَرَيْتَكَ مِنْ تُرْبَةِ الْاَرْضِ الَّتِي يُقْتَلُ بِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تُرْبَةً حَمْرَاءَ۔"[2] میرے پاس ایک ایسا فرشتہ آیا جو اس سے پہلے کبھی میرے پاس نہیں آیا تھا، اس نے مجھے بتایا: آپ کا یہ فرزند حسین قتل کیا جائے گا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ سرزمین دکھا سکتا ہوں جس پر یہ قتل ہوں گے۔ پھر اس نے مجھے سرخ رنگ کی خاک دی۔

۴۔ حسینؑ کی مدد کرنا واجب ہے

بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی مدد کرنا واجب ہے۔ اگر مسلمان ان کی مدد کرتے تو تاریخ اسلام کا چہرہ کچھ اور ہوتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب امام حسینؑ آپ کی آغوش میں تھے اس وقت فرمایا: " انَّ ابْنِي هذا يُقْتَلُ فِي ارْضٍ يُقالُ لَهَا الْعِراقُ فَمَنْ ادْرَكَهُ فَلْيَنْصُرْهُ۔"[3] بیشک میرا یہ بیٹا اس سرزمین پر قتل کیا جائے گا جسے عراق کہتے ہیں لہٰذا جو بھی اس وقت موجود ہو اسے چاہئے کہ ان (حسین) کی مدد کرے۔

۱۔ الصواعق المحرقہ، ص ۱۹۰؛ مقتل الحسین، خوارزمی، ص ۲۳۲۔ ۲۳۳۔

۲۔ ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۱۱۔

۳۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۳۴۹؛ الاصابہ، ج ۱، ص ۲۶۶ و ص ۲۶۸۔

انس بن حارث نے رسولؐ سے منقول ایک دوسری روایت میں ذکر کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: "انَّ ابْنی هذا یُقْتَلُ بِاَرْضٍ مِنَ الْعِراقِ یُقالُ لَها کَرْبَلا فَمَنْ شَهِدَ ذلكَ مِنْكُم فَلْیَنصُرْهُ"[1]۔ اس روایت میں آپ اپنے فرزند کے محل شہادت (کربلا) کا نام صریح طور پر بیان کرتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں عبداللہ کہتے ہیں: میں نے رسول خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "حُسَیْنٌ مَقْتُولٌ فَلَئِنْ خَذَلُوهُ وَلَمْ یَنْصُرُوهُ لَیَخْذُلَنَّهُمُ اللهُ اِلی یَوْمِ الْقِیامَةِ۔"[2]۔ حسین قتل کئے جائیں گے لیکن اگر موجود لوگ ان کا ساتھ نہیں دیں گے، انہیں اکیلا چھوڑ دیں گے، اور نصرت سے گریز کریں گے تو خدا انہیں قیامت تک (ان کے حال پر) چھوڑ دے گا اور کبھی بھی ان کی مدد نہیں کرے گا۔

اس باب میں رسولؐ سے کثیر تعداد میں حدیثوں کے وارد ہونے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امام حسینؑ کے لیے شہادت لکھ دی گئی تھی اور شہادت آپ کے عظیم فضائل وافتخارات میں سے ایک تھی۔ اہل سنت کے طرق سے منقول روایات کی رو سے امام حسینؑ کی شہادت کی خبر رسول خداؐ نے دی تھی اور آنحضرتؐ ان خبروں کو یاد کرکے حسینؑ کا غم منایا کرتے تھے۔ رسولؐ کے اعمال وافعال کا مسلمانوں کے لیے حجت و فصل الخطاب ہونا اور اسی طرح امت کے لئے آپ کا اسوۂ حسنہ ہونا تمام مسلمانوں کے نزدیک حتمی اور امر مسلم ہے۔ اہلسنت حضرات بھی رسول اکرمؐ کی سیرت کو حجت اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ اس لئے امام حسینؑ کی شہادت سے متعلق روایتیں آپ کی مظلومی کی یاد دلاتی ہیں اور امام حسینؑ کے حوالہ سے رسولؐ کے کردار کو ایک قابل پیروی سنت اور خدا سے قریب کرنے والا عمل بتاتی ہیں۔

امام حسینؑ کی اخلاقی شخصیت اور آپؑ کا نمونہ عمل ہونا

یہ بات واضح اور روشن ہے کہ انسانوں کی حقیقی قدر و قیمت ان کے فضائل و کمالات ہی سے وابستہ ہوتی ہے۔ گرچہ لوگ ظاہری اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ فرق امتیاز کا سبب نہیں ہے۔ حقیقی برتری وامتیاز کا سبب معنوی واخلاقی فضائل و کمالات کو خود میں پیدا کرنا ہے اور بس۔ لوگوں کا علم واخلاق، ان

۱۔ کنزالعمال، ج ۱۲، ص ۱۲۶۔
۲۔ مقتل الحسین، خوارزمی، ص ۲۷۹۔

کے کمالات ان کے سیر و سلوک کے مراحل، ان کے طے کردہ معنوی مراتب اور سعادتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ انسان ذاتی طور پر نیک اخلاق کا شیفتہ و شیدائی ہوتا ہے اور مکارم اخلاق والوں سے محبت کرتا ہے، ان کے اخلاقی فضائل سے متاثر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کے لیے اچھے اسوہ یا نمونہ بن سکتے ہیں اور مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

امام حسینؑ مصداق مکارم اخلاق ہیں۔ آپ انسان کی ترقی و تکامل کا راز اور نبی کریم، کے اخلاق و عادات حسنہ کا تسلسل ہیں۔ رسولؐ کے روحانی و معنوی اخلاق کی جھلک آپ کے وجود سے آشکار تھی۔ اس بناء پر آپؑ کے انسانی و معنوی کمالات ہمارے آج کے زمانہ میں، اخلاقی اور فضائل سے عاری حالات میں، تمام انسانوں کے لیے نمونہ بن سکتے ہیں۔

بنی امیہ نے آپ کی شہادت کے بعد ساٹھ سال تک آپ پر اور آپ کے پدر بزرگوار پر لعنت کی لیکن کوئی آپ کے ورع، پاک دامنی اور احکام دین کی پابندی کے بارے میں الزام نہیں لگا سکا، بلکہ کسی معمولی کوتاہی کی بھی تہمت تک نہیں لگا سکا، اگرچہ وہ امام حسینؑ میں اپنے خلاف خروج و بغاوت کے علاوہ کچھ کہنا یا عیب لگانا چاہتے تھے لیکن نہ خود ایسا کر سکے اور نہ ہی ان کے نوکر چاکر امام حسینؑ میں کوئی عیب نکال سکے۔[1]

ماحصل گفتگو یہ ہے کہ روحی و معنوی کمالات کے حصول میں امام حسینؑ امت اسلامی کے لیے اسی طرح مثال ہیں جس طرح انبیاء اور الٰہی نمائندے نمونہ ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ سے فقط انقلاب اور ظلم ستیزی ہی کا سبق نہیں ملتا بلکہ عبودیت، مروت، جوانمردی، قرآن سے انس اور تہجد گزاری اور انسان کی تکریم کا بھی سبق لیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر یہاں آپ کے بعض فضائل اور مکارم اخلاق کو اہل سنت کی کتابوں کے حوالے سے نقل کیا جا رہا ہے جو اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کے لیے اسوہ بن سکتے ہیں اور آپ کے ذریعہ شیعہ، سنی معاشرہ کی ایمانی اور ثقافتی قرابت و نزدیکی میں مدد ہو سکتی ہے اور آپ کی ذات گرامی اور بلند اوصاف و کمالات بین مذاہب اتحاد و قربت کا سبب ہو سکتے ہیں:

۱۔ ابوالشداء الحسین بن علیؑ، ص ۱۳۶ و ص ۱۴۴۔

۱۔امام حسینؑ کی عبادت

روایت ہے کہ امام حسینؑ صاحب فضیلت اور دین سے متمسک تھے آپ بڑے نمازی، روزہ دار اور زیادہ حج کرنے والے تھے: "کَانَ الْحُسینُ فَاضِلاًدِیْناً کَثِیْرَالصَّلٰوۃِ وَالصَّومِ وَالْحَجِّ۔"[۱] آپ کی عبادت کے بارے میں عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں "لَقَدْ کَانَ قَوَّاماً بِاللَّیلِ صَوَّاماً بِالنَّہارِ" آپ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ دوسری نمازیں بھی پڑھتے تھے اور ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے روزے بھی رکھتے تھے۔ اور کسی سال بھی خانہ خدا کا حج آپ سے نہیں چھوٹا تھا مگر یہ کہ آپؑ حج ترک کرنے پر مجبور ہوں[۲]۔ روز عاشورہ عین جنگ کے دوران آپ نے نماز ظہر ادا کی تاکہ امت اسلامی کو یہ بتا دیا جائے کہ آپؑ نے دین اور نماز کے لیے جان دی ہے۔ امام حسینؑ نماز پڑھ رہے تھے اور سعید بن عبداللہ حنفی امام کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہیں تاکہ آپ دشمنوں کے تیروں سے محفوظ رہیں۔[۳]

خدا کی بارگاہ میں امام کی عبودیت ودعا اور پرستش وعاجزی کی حالت کا عرفہ کے روز آپ کی معروف دعا (دعائے عرفہ)، اسی طرح شب عاشورہ آپ کی نماز، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۲۔امام حسینؑ کی سخاوت

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابوہشام فتّاد سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ سے امام حسینؑ کے لیے کچھ سامان لایا کرتے تھے اور آپ اپنی جگہ سے اٹھے بغیر، اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔[۴] امام حسینؑ اپنی مدینہ کی زندگی میں اپنی سخاوت اور بزرگواری کے ذریعہ حاجت مندوں کی ضرورت کو پورا کرتے رہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ کھانے پینے کا سامان کندھے پر رکھ کر یتیموں، فقیروں اور ضرورت مند بیواؤں کے گھر پہنچاتے تھے۔ اسی لئے طرح محروموں اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کا سلیقہ بھی آپؑ ہی سے سیکھنا چاہئے۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۲، ص ۲۰؛ الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۷۸۔
۲۔ ابوالشداء الحسین بن علیؑ، ص ۱۴۵۔
۳۔ مقتل الحسین، ابومخنف، ص ۱۴۸۔
۴۔ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۴، ص ۱۸۵۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ کا گذر کچھ فقیروں کی طرف سے ہوا جو زمین پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ جیسے ہی ان کی نظر فرزند رسولؐ پر پڑی انہوں نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ گھوڑے سے اترے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ پھر فرمایا: "قَدْ اَجَبْتُکُمْ فَاَجِیْبُوْنِی" (میں نے تمہاری دعوت قبول کی تم بھی میری دعوت قبول کرو) اس طرح ان کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور ان کی پذیرائی وضیافت کی[۱]۔ تواریخ وتراجم کی کتابوں میں آپ کی سخاوت وبزرگواری کی بہت سی داستانیں نقل ہوئی ہیں۔

۳۔ امام حسینؑ کا الٰہی ادب

امام حسینؑ اجتماعی آداب اور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں بے نظیر تھے۔ عفو ودرگزر کرنا آپ کی عادت تھی۔ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص میرے ایک کان میں مجھے برا بھلا کہے اور دوسرے کان کی طرف سے مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں گا۔ اس لیے کہ امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ آپ نے میرے جد رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "لَا یَرِدُ الحَوضَ مَن لَم یَقبَلِ المَعذِرَةَ مِن مُحِقٍّ أو مُبطِلٍ" یعنی وہ شخص میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہنچے گا جو کسی کا عذر قبول نہیں کرتا ہے۔ خواہ عذر کرنے والا حق کہے یا باطل (یعنی سچ کہے یا جھوٹ)۔[۲]

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں حسینؑ کی خدمت میں تھا اتنے میں ایک چھوٹی کنیز آپ کی خدمت میں گلدستہ لائی۔ آپ نے فرمایا: "تم خدا کے لیے آزاد ہو" انس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ایک گلدستہ دینے پر آپ نے کنیز کو آزاد کردیا؟! فرمایا: خدا نے ہی تو ہمیں ایسا ادب سکھایا ہے، وہ فرماتا ہے: "وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا"[۳]۔ اس گلدستہ سے بہتر اسے آزاد کرنا تھا۔[۴]

۱۔ ابوالشہداء الحسین بن علیؑ، ص ۱۴۰۔
۲۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۳۷۸۔
۳۔ نساء، ۸۶۔
۴۔ ابوالشہداء الحسین بن علیؑ، ص ۱۴۵۔

۴۔ تعلیم وتربیت کی اہمیت

تاریخی دستاویزوں میں لکھا ہے کہ جب معلم نے امام حسینؑ کے کسی فرزند کو سورہ حمد سکھایا تو آپ نے معلم کو ایک ہزار دینار اور ایک ہزار حلے انعام کے طور پر دیئے اور اس کے منہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ اس بخشش پر کسی نے اعتراض کیا اور اس عطا کو اسراف بتایا تو امام نے فرمایا: ''اس نے جو (علم) دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ اس نے میرے بچہ کو سورہ حمد سکھائی ہے''۔ اس وقت آپ نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ اس طرح ہے: ''جب تمہارے لیے دنیا سخی و کریم ہو تو تم بھی دنیا میں لوگوں کے لیے سخی و کریم بن جاؤ۔ قبل اس کے کہ مال تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اگر دنیا تمہاری طرف آرہی ہے تو اس کی آمد میں کوئی سخاوت رکاوٹ نہ بنے کیونکہ اگر دنیا تم سے منھ پھیر رہی ہے تو کوئی بھی بخل اسے نہیں روک سکتا۔'' [۱]۔

۵۔ راضی برقضائے الٰہی

کربلا کی طرف جاتے وقت امام حسینؑ نے اس امید کا اظہار فرمایا کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لیے ارادہ کیا ہے وہ نیک اور اچھا ہی ہوگا، چاہے ہمیں فتح حاصل ہو یا شہادت نصیب ہو: ''لَأَرْجُوْ أَنْ يَّكُونَ خَيْراً مَّا أَرَادَ اللهُ بنا قُتِلْنَا أَمْ ظُفِرْنَا ۔''[۲] یہ جملہ بندگی میں آپ کے خلوص، خدا کے فیصلہ پر راضی ہونے اور آپ کے جہاد وشہادت میں خدائی رنگ کی حکایت کر رہا ہے۔

۶۔ اصحاب کی تربیت

نوع انسان کے اندر ایمان، ایثار وفداکاری، حق کی تعظیم، ذمہ داری کا احساس، پستی وذلت سے اجتناب اور موت کے تئیں شجاعت جیسے عظیم وبالا صفتوں سے بہتر وبرتر صفات نہیں ہیں اور کربلا پہنچتے ہی یہ سارے صفات کاروان حسینی میں جلوہ گر ہوگئے۔ ان جلیل القدر نفوس کی استقامت اخلاق کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام حسینؑ کے ہمراہ شہید ہوگئے، وہ ایسے نہیں تھے جنہوں نے موت سے بچنے کے لیے ایک بات کہی ہو یا ایک قدم پیچھے ہٹایا ہو یا موت سے بچنے کے لیے میدان سے فرار کا خیال آیا ہو، سب نے تشنہ لبی کی حالت میں امام

۱۔ فیض الدموع، ص ۸۷۔
۲۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۴، ص ۳۰۶۔

حسینؑ کے ساتھ نیزہ و شمشیر سے قتل ہو کر مرنا پسند کیا اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ مرنے سے گریز کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی ایسا کوئی اقدام کیا، کیونکہ انہوں نے دنیا کی متاع زندگی پر جمال اخلاق کو ترجیح دی تھی۔[1]

امام حسینؑ کے دیگر اخلاقی فضائل جیسے علم و دانش، عدل پسندی، زہد، تواضع وانکساری، خالص ایمان، شجاعت، بلند ہمتی و شہامت، صبر و شکیبائی سے احادیث و تواریخ کے صفحات مملو ہیں۔ بے شک اسلام میں اور مسلمانوں کے درمیان جو آپ کا خاص مرتبہ ہے وہ انہیں اخلاقی فضائل اور بے نظیر روحی کمالات کی بنیاد پر ہے۔ طاقت فرسا اور شدائد حالات کے مقابلہ میں آپ کی ثابت قدمی، شرافت و شہامت، ایمان حقیقی اور شہادت، تمام امت اسلامی بالخصوص شیعہ و سنی، کے لیے الہام بخش اور نمونہ ہے۔

عدل خواہی کے قیام میں امام حسینؑ کا نمونہ عمل ہونا

امام حسینؑ کا اپنے بعد اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپؑ کو شیعہ، سنی کی عظیم شخصیتوں نے اسوہ حسنہ مانا ہے اور حصول آزادی کی تحریک اور عدل خواہی کے انقلابات میں آپ کی ذات گرامی ان کے لئے رہنما ہی ہے۔ اس انقلاب و قیام کے خصوصیات جو حقیقت و عدل خواہی کے انقلابات میں شیعہ، سنی معاشرہ کے لئے نمونہ بن سکتی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:[2]

۱۔ شجاع اور واقف کار رہبر

اس تحریک کے رہبر و قائد نے سختیوں اور مشقتوں کو نہ صرف یہ کہ جان کے بدلے خریدا تھا بلکہ ان کی خواتین اور بچے، اقرباء بھی جنگ و اسیری اور ہر قسم کی مشکل میں دوسروں سے زیادہ آگے آگے نظر آتے تھے، اور بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ان تمام مصائب و مشکلات کے باوجود امام حسینؑ ذرہ برابر بھی کمزور یا ضعیف نظر نہیں آئے، اور نہ ہی ہراساں ہوئے، آپ نے کہیں پر بھی بے صبری اور عجلت پسندی سے کام نہیں لیا۔[3]

۱۔ ابوالشہداء الحسین بن علیؑ، ص ۱۳۶ و ص ۱۴۴۔
۲۔ انقلاب کربلا از دیدگاہ اہل سنت، تلخیص و تصرف کے ساتھ، ص ۲۷۷۔ و ص ۲۸۱۔
۳۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۶۵۔

آپ زندگی کے آخری لمحہ تک آزادی، بندگی اور ایمان کا نعرہ لگاتے رہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: "یا شیعَةَ آلِ أَبی سُفیانَ! إِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دینٌ، وَ کُنْتُمْ لا تَخافُونَ الْمَعادَ. فَکُونُوا أَحْراراً فی دُنْیاکُمْ" [1] (اے ابوسفیان کی اولاد پیروکار! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تمہیں قیامت کا خوف نہیں ہے تو تم اپنی دنیا میں ہی آزاد ہو جاؤ) یہ جملہ آپ نے اس وقت فرمایا جب دشمن، عرب میں رائج انسانیت اور جوانمردی کے اصول کے برخلاف خیمے لوٹ رہے تھے، ان میں آگ لگا رہے تھے اور عورتوں اور بچوں پر ظلم کر رہے تھے۔ [2]

۲۔ بے نظیر اصحاب و انصار

امام حسینؑ کے اصحاب وانصار خود آپ کے فرمان کے مطابق تاریخ کے باوفاترین اور بے مثل انصار تھے۔ وہ اپنے قتل ہونے کے یقین کے باوجود اپنے امام سے وابستہ رہے۔ انہوں نے دین اور سنت رسول کو زندہ رکھنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے اور بدعتوں سے جنگ کرنے میں ایسی مردانہ استقامت کا ثبوت دیا جو جہاد اور جنگوں کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ شب عاشور امام حسینؑ کا اپنی بیعت اٹھا لینے کے باوجود انہوں نے امام کا ساتھ نہیں چھوڑا اور قوی عقیدہ وحوصلہ، مبدا و معاد پر خالص ایمان اور وفاداری وجوانمردی کے ساتھ دشمن سے جنگ کرتے رہے۔ [3]

۳۔ پیغام رساں خاندان

امام حسینؑ کا خاندان شروع سے ہی ہر جگہ آپ کے ساتھ تھا اور جلا وطنی، طولانی سفر، راستہ کا خوف، کوفیوں کی عہد شکنی، تشنگی اور عزیزوں کی مفارقت کا داغ جیسی تمام مشکلوں کو برداشت کیا۔ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس نے اسیری کے زمانہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شہیدوں کے مقاصد وارمانوں کی تبلیغ اور دشمن کو ذلیل ورسوا کرکے اس کے مظالم کو آشکار کیا۔ انہوں نے کوفہ سے شام تک راستہ میں واقع ہر شہر ودیہات تک یہ پیغام پہنچایا۔ یہ ان کی تبلیغ ہی کا فیض تھا کہ امام حسینؑ کی عزا اور یزید ابن زیاد سے نفرت وبیزاری کی

۱۔ شذرات الذہب ج ۱، ص ۶۷۔
۲۔ مقاتل الطالبین، ص ۷۹؛ ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۷۔
۳۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۱۸۔ ۴۲۲۔

مجلس منعقد ہوئی جس کی بناء پر دشمن اس ظلم سے اپنا دامن بچانے اور اس کی ذمہ داری کارندوں اور ایک دوسروں پر ڈالنے کے لیے مجبور ہوئے۔[۱]

ایک سنی محقق علایلی راقم ہیں:

امام حسینؑ سے متعلق تاریخ وروایات سے جو چیز معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نہایت ہی احتیاط وہوشیاری کے ساتھ کچھ اس طرح سے اپنے جد بزرگوار کی پیروی کررہے تھے کہ آپ ہر اعتبار سے رسولؐ کا مکمل نمونہ تھے۔آپ ایک ایسے شخص تھے جس کے تمام حالات، حرکات وسکنات اور تفکر وتدبر خدائی رنگ لئے ہوئے تھے، اور دوسری طرف وہ میدان جہاد میں فداکارانہ طریقہ سے شمشیر زنی بھی کررہے تھے۔آپ کو اپنی پرواہ نہیں تھی، کوئی بھی چیز انہیں اپنے فریضہ اور ذمہ داری کی انجام دہی سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔اگر ہم امام حسینؑ کو بزرگوں اور باشخصیت لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں تو صرف اس بناء پر نہیں کہ ہم نے ایک ایسے عظیم شخص کو ترجیح دی ہے جس سے عظمت میں ہر عظیم شخص کم ہے اور ہم اس شخص کو برتری دیتے ہیں کہ جو ہر شخصیت سے بالاتر ہے بلکہ ہمارا ان کو ترجیح دینا کوئی نیا اور انوکھا کام نہیں ہے کیونکہ مردان تاریخ نے زمینی عظمت وبزرگی حاصل کرنے کے لیے اپنی عمریں گنوائی ہیں لیکن امام حسینؑ نے آسمانی عظمت وبزرگی حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان فدا کی ہے اور ایسا شخص سیکڑوں کیا ہزاروں سے بھی کہیں بلند وبرتر ہے۔ایسے شخص کو جس زاویہ سے بھی دیکھیں گے، اسے ہر اعتبار سے عظیم پائیں گے اور عظمت کی معراج پر ملاحظہ کریں گے اور اسے عظمتوں سے مالامال اور بزرگیوں کا نقطۂ اتصال پائیں گے۔اسی لئے ان کی یاد اور ان کے حالات کا ذکر فقط ایک عظیم انسان کا ذکر نہیں ہے بلکہ انسانیت کا دائمی ذکر ہے۔اسی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمیشہ ان کی یاد منائی جائے اور آپ کی شخصیت کو اپنے نفس کے الہام کا سرچشمہ قرار دینا چاہئے کیونکہ وہ اس الٰہی الہام کا سرچشمہ ہیں جس نے اس زمان ومکان کے انوار کو بخوبی دیکھا ہے کہ وہ ہر لحظہ آسمان وزمین میں درخشندگی کے ساتھ نفوذ کرتا ہے اور کسی حد واندازہ میں نہیں سماتا ہے، کیونکہ خدا کا نور محدود اور رکنے والا نہیں ہے۔[۲]

۱۔تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۴۔۴۶۵۔

۲۔پرتوی از عظمت حسین، ص۱۵۱، ۱۵۲۔

امام حسینؑ کے بارے میں بعض معاصر صاحب نظر اہل سنت کے افکار وخیالات

پاکستانی شیعہ رہبر محمد علی جناح کہتے ہیں: ''دنیا امام حسینؑ سے بہتر شجاعت کا نمونہ پیش نہیں کر سکی، میرے خیال میں دنیا کو چاہئے کہ اس شہید کو اپنا سر مشق اور نمونہ قرار دیتے ہوئے پیروی کرے جس نے سرزمین عراق پر اپنی قربانی دی ہے''[۱]۔ آج کا مشاہدہ ہے کہ تمام مسلمان امام حسینؑ کو اپنے لئے سر مشق اور نمونہ قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں اہل سنت کا اہتمام قابل غور ہے۔

اہل سنت کے بعض معاصر اہل نظر وصاحبان قلم نے اپنی تحریروں اور بیانات میں امام حسینؑ کی مثالی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ تحریک حسینیؑ کو ایک ایسی منظّم اور مضبوط سیاسی آئیڈیالوجی سمجھتے ہیں جو تاریخی دشمنیوں کا ایک عامل وسبب قرار دینے کے بجائے شیعہ و سنی کی آپسی ہمدردی اور ایک دوسرے کو سمجھنے، قریب کرنے کا باعث اور اپنے اصلی دشمن کے مقابلہ وحدت و تقویت کا سبب ہے۔ یہ معاصر اہل نظر و صاحب قلم، تحریک حسینی کی قابل قبول تصویر پیش کرتے ہیں، یہ ماضی کے ابن عربی جیسے لوگوں کے نظریات وافکار جو لکھتے ہیں کہ'': تحریک حسینی کو کچلنے والوں نے رسولؐ کی حدیث پر عمل کیا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ''جو بھی امت اسلامی کے درمیان تفرقہ اندازی کرنا چاہے اسے تلواروں کی طاقت سے دبادو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''[۲] اس کے برخلاف معاصر سنی محقق اور صاحبان قلم ہر گز امام حسینؑ کو قصوروار نہیں ٹھہراتے اور بالکل یزید کا دفاع نہیں کرتے۔ یہ اور بات ہے کہ چند جگہوں پر منجملہ قیام امام حسینؑ کے مقاصد اور ایسے کچھ دیگر مسائل کے بارے میں شیعوں سے اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ یہ نظریات ہمیشہ مائل بہ ارتقاء اور وسعت پذیر رہے ہیں اور اہل سنت میں سے بہت سے اسی کے طرفدار ہیں ذیل میں ان کے اقوال کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

عظیم مصلح شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں: ''جب دنیا میں عادل حکومت موجود ہے اور اس کا مقصد شریعت کا نفاذ اور الٰہی حدود قائم کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک ظالم حکومت ہے جو عادل حکومت کو برباد کرنا چاہتی ہے

۱۔ العواصم من القواصم، ج ۲، ص ۲۳۲۔
۲۔ درسی کہ حسین بہ انسانھا آموخت، ص ۴۴۷۔

تو اس وقت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عادل حکومت کی مدد کرے۔ اور اسی حکم میں امام حسینؑ کا انقلاب بھی ہے کہ وہ یزید پلید اور لعنتی کی حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے۔"[1]

اقبال لاہوری جو کہ مفکر، عارف اور پاکستانی سربرآوردہ شاعر اور اس زمانہ میں اہل سنت کے دانشوروں میں انکا شمار ہوتا ہے انہوں نے اپنے دیوان میں امام حسینؑ اور حق و حقیقت سے آپ کے عشق اور امام کی پیروی کے لازم ہونے اور آپ کے انقلاب سے آزادی وآزادگی کا سبق لینے کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے واضح طور پر فرماتے ہیں:

زآتش او شعله ها افروختیم

رمز قرآن از حسین آموختیم

تازه از تکبیر او ایمان هنوز

تار ما از زخمه اش لرزان هنوز

اشك ما بر خاك پاك او رسان

اے صبا اے پیك دور افتادگان[2]

ہم نے امام حسینؑ کی آتش (عشق) سے بہت سے شعلے روشن کئے ہیں، قرآن کا راز ہم نے حسین سے سیکھا ہے۔ ان کی تکبیر سے دین وایمان ابھی تک زندہ ہے ان کے ساز سے ابھی تک ہماری رگ حیات میں حرکت ہے۔ اے صبا اے دور رہنے والوں کی قاصد ان کی خاک (تربت) پاک پر ہمارے اشکوں کا نذرانہ پہنچادے۔

اقبال لاہوری نے محرم اور امام حسینؑ کی عزاداری کو زندہ رکھنے کی اہمیت کو اپنے اشعار و قلم کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ اقبال، امام حسینؑ کی مدح وستائش اور انقلاب عاشورہ کے بارے میں دیگر اہل سنت شعرا سے

۱۔ تفسیر المنار، ج۱، ص۳۶۷، ج۲، ص۱۸۳۔

۲۔ کلیات اشعار، ص۷۴۔۷۵۔

ممتاز و منفرد مقام رکھتے ہیں۔ تحریک کربلا پر ان کی توجہ اور ان کا اس تحریک کو فارسی کے منظوم ادبیات میں داخل کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ انقلاب حسینی اہل سنت کے جدید سیاسی افکار، ہنر (آرٹ) اور ان کے ادبیات میں داخل ہو گیا ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے امام حسینؑ سوئی ہوئی ملت مسلمہ کو بیدار کرنے اور انہیں جہاد اور فداکارانہ شہادت پر ابھارنے کے لیے مکمل نمونہ اور کامل شخصیت اور قرآن کے خفیہ راز کے مفسر ہیں۔[1] ہیں۔[1]

سید قطب لکھتے ہیں: ''حسین کی شہادت اتنی عظیم ہے کہ اس نے سوئے ہوئے ضمیروں اور ذہنوں کو بیدار کرکے انقلاب عظیم رقم کیا ہے۔ ان کی شہادت ظاہری طور پر اور چھوٹے انسانی معیار کی رو سے، شکست معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں اور خدا کے عظیم معیار کی رو سے یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔ روئے زمین پر حسین جیسا کوئی شہید نہیں ہے کہ جس کے عشق و محبت میں دل تڑپتے ہوں اور دل اس کی مہر و محبت سے لبریز ہوں اور شیعہ سنی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ان کی غیرت و فداکاری سے جوش پیدا ہو جائے۔ بہت سے لوگوں نے ہزار سال کی زندگی پائی لیکن اپنے عقیدہ و دعوت کو عام نہ کرسکے امام حسینؑ نے اپنے عقیدہ اور دعوت کو اپنی شہادت کے ذریعہ ثابت اور استوار کیا ہے۔ امام حسینؑ کے خطبہ کے علاوہ کوئی بھی خطبہ نہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرسکا اور نہ لاکھوں انسانوں کو ان کے عظیم کارناموں کی طرف متوجہ کرسکا۔''[2]

عبداللہ علایلی لکھتے ہیں: ''ہر شخص کی زندگی میں دو دن ہوتے ہیں۔ ایک زندہ ہونے کا دن اور ایک مرنے کا دن۔ لیکن امام حسینؑ کے پاس صرف ایک دن تھا اور وہ ہے۔ ''زندہ ہونے اور حیات کا دن'' کیونکہ وہ زندہ ہونے کے بعد کبھی نہیں مرے۔ انہوں نے اپنی زندگی، پاک عقیدہ، عظیم مقصد اور مقدس ارمان کی نذر کردی۔ اسی وجہ سے دنیا میں حق، حقیقت اور اسلام زندہ ہے اور وہ خود بھی زندہ ہیں۔''[3]۔

دوسری جگہ رقمطراز ہیں: ''آج ہمیں ہر زمانہ سے زیادہ حسین جیسے مجاہد و رہبر اور پیشوا کی ضرورت ہے تاکہ ہم ان کی پیروی کرتے ہوئے، ان کی راہ پر چلتے ہوئے ان کے وجود کی روشنی میں اپنی خواہشوں اور

۱۔ امام حسینؑ در منظر اہل سنت و تشیع، ج ۱۱، ص ۳۱۶۔
۲۔ فی ظلال القرآن، ج ۱۲، ص ۴۱۶۔۴۱۷۔
۳۔ الامام الحسین، ص ۸۸۔

رجحانات کو معتدل کر سکیں۔ مجھے مورخوں پر تعجب ہوتا ہے جو امام حسینؑ کو ان کے انقلاب کی وجہ سے برا بھلا کہتے ہیں، حالانکہ ہم ہمیشہ ان سورماؤں کو سلام کرتے ہیں جنہوں نے موجودہ حالات کو بدل کر ان کی جگہ مطلوبہ حالات لانے کے لیے اپنے زمانہ کی فاسد حکومتوں کے خلاف قیام کیا، اس میں شک نہیں کہ امام حسینؑ انہیں سورماؤں بلکہ ان سب سے بڑے تھے۔"[1]

مصر کا صاحب قلم اور ادیب عباس محمود عقاد لکھتا ہے: "امام حسینؑ کے قیام نے ظالموں کو کچلنے والے اور آزاد ہاتھوں کے ذریعہ طاغوتیوں کی نابودی کے لئے جو آثار چھوڑے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ زمانہ اور رقبہ کے اعتبار سے امویوں کی وسیع و عریض ظالم حکومت، ایک شخص کے ایک روز کے قیام کے نتیجہ میں پاش پاش ہو گئی، کیونکہ شیعہ اور آزاد مرد ہمیشہ حسین بن علی کے مقصد کے حصول میں کوشاں رہے ہیں جس کے نتیجہ میں روز عاشورہ سے حسینیوں کے ظاہری نقصان کی بہ نسبت دشمنوں کو زیادہ اور حقیقی نقصان پہنچا ہے۔ امام حسینؑ کی تحریک تاریخ کی ایک ایسی بے نظیر تحریک ہے جو دینی دعوتوں یا سیاسی تحریکوں میں آج تک نظر آتی ہے۔"[2]

نتیجہ

اہل سنت کی احادیث کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؑ رسولؐ کی نظر میں عظیم المرتبت، صاحب منزلت اور آپ سے نہایت قریب تھے۔ رسولؐ ہمیشہ آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ رسولؐ کی سیرت وسنت، شیعہ اور سنی نقطۂ نظر سے واجب الاتباع اور حجت ہے۔ واضح ہے کہ امام حسینؑ سے رسولؐ کی غیر معمولی محبت اور رسولؐ کے محبوب سے امت اسلامیہ کی محبت آنحضرتؐ کی سنت کے اتباع میں افراد کے فردی واجتماعی عمل میں کچھ لوازمات واثرات کی حامل ہے جیسے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور آپسی عداوت سے اجتناب۔ بعبارت دیگر، رسولؐ کے محبوب سے محبت کرنے والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے محب ومحبوب بن جائیں۔ دوسری طرف، امام حسینؑ ایسے بے نظیر روحی ومعنوی فضائل کے حامل ہیں جو دوسرے کسی فرد میں نہیں پائے جاتے۔ ان تمام باتوں نے انہیں ایسی بے بدیل شخصیت بنادیا ہے جو تاریخ میں انقلابی تحریک کے لئے نمونہ اور بہت سے قیاموں کے لئے اسوہ قرار پائی اور بہت سے علاقوں

۱۔ الامام الحسین، ص ۱۵ و ص ۲۸۔
۲۔ ابوالشہداء الحسین، بن علیؑ، ص ۱۸۱۔

میں انقلاب کے دھارے کو موڑنے کا سبب بنی ہے۔ تاریخ کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ عاشورہ فقط شیعہ معاشرہ میں باقی نہیں رہا بلکہ اس سے کہیں آگے بڑھ گیا ہے۔ اس بناء پر یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ سید شہداء امام حسین بن علیؑ کی یاد اور ان کے نام کو زندہ رکھنے سے تقریب بین مذاہب کی راہ ہموار ہو سکتی ہے اور ہر زمانہ سے زیادہ شیعہ سنی کے درمیان قربت اور نزدیکیوں کے بڑھنے کا مشترک محور قرار پا سکتا ہے۔ واقعہ عاشورہ سے ہمیں جو درس و پیغام ملتے ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

نیک باتوں کا حکم دینا، بری باتوں سے روکنا، فساد و نظام طبقہ بندی سے جنگ کرنا، عدل وانصاف کرنا، دین کا احیاء اور تحفظ کرنا، دینی اصولوں سے صحیح فائدہ حاصل کرنا یہ ایسے مسائل ہیں جو زمانہ دراز سے شیعہ و سنی معاشروں میں مشترک اور مقبولیت کے حامل رہے ہیں لہٰذا ان چیزوں سے شیعہ اور سنی اتحاد کی گفتگو کو زیادہ تقویت بھی مل سکتی ہے۔

کتاب نامہ

۱۔ قرآن کریم

۲۔ نہج البلاغہ

۳۔ ابن اثیر، عزالدین ابی الحسن، الکامل فی التاریخ، بیروت، مؤسسۃ التاریخ العربی، ۱۴۱۴ھ۔

۴۔ ابن اثیر، عزالدین علی، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۹ھ۔

۵۔ ابن العربی، ابو بکر، العواصم من القواصم، قاہرہ، المطبعۃ الاسلامیۃ، ۱۳۷۵ھ۔

۶۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، تحقیق: عادل احمد عبد الموجود و علی معوض، بیروت، دار الکتبالعلمیۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۷۔ ابن حجر، احمد، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، تحقیق: عبد الوہاب عبد اللطیف، قاہرہ، مکتبۃ القاہرۃ، ۱۳۸۵ھ۔

۸۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحقیق: محمد البجاوی، بیروت، دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۹۔ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن، تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق: علی شیری، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۰ھ۔

۱۰۔ابن عماد حنبلی، ابوالفلاح عبدالحہ، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ۔

۱۱۔ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایہ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۹ھ۔

۱۲۔ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، بیروت، دار احیاء الکتب العربیۃ، بی تا۔

۱۳۔ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ۔

۱۴۔ابوالفرج اصفہانی، علی بن الحسین، مقاتل الطالبین، تحقیق: کاظم المظفر، نجف، مکتبۃ الحیدریۃ، ۱۳۸۵ھ۔

۱۵۔ابومخنف الأزدی، لوط بن یحییٰ، مقتل الحسین، تحقیق و تعلیق: حسین غفاری، قم، مطبعۃ العلمیۃ، بی تا۔

۱۶۔احمد بن حنبل، المسند، بیروت، دار صادر، بی تا۔

۱۷۔اسماعیل زادہ، محمد، "امام حسینؑ در منظر اہل سنت و تشیع"، مجموعہ مقالات ہمایش امام حسینؑ و دیدگاہ ہا، تہران، مجمع جہانی اہل بیتؑ، ۱۳۸۱ش۔

۱۸۔اقبال لاہوری، کلیات اشعار، مقدمہ احمد سروش، کتابخانہ سنایی، ۱۳۶۰ش۔

۱۹۔بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۱ھ۔

۲۰۔ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، سنن ترمذی، تحقیق: عبدالوہاب عبداللطیف، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۳ھ۔

۲۱۔خوارزمی، ابوالمؤید، مقتل الحسین، تحقیق: شیخ محمد السماوی، قم، دار انوار الہدی، ۱۴۱۸ھ۔

۲۲۔ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، العبر فی خبر من غبر، تحقیق: صلاح الدین المنجد، کویت، ۱۹۶۰ء۔

۲۳۔ہمو، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الأرناؤوط و حسین الأسد، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۲۴۔رشید رضا، تفسیر المنار، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۱۴ھ۔

۲۵۔زرندی حنفی، نظم درر السمطین، بی جا، ۱۳۷۷ھ۔

۲۶۔سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۱ھ۔

۲۷۔شرباصی ازہری، احمد، حفیدۃ الرسولؐ: نفحات من سیرۃ السیدۃ زینبؑ، قاہرہ، الدار القومیۃ، ۱۹۶۳ء۔

۲۸۔ صافی، لطف اللہ، پرتوی از عظمت امام حسینؑ، قم، مرکز تنظیم و نشر آثار آیت اللہ صافی، ۱۴۳۰ھ۔

۲۹۔ طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، دار الحرمین، ۱۴۱۵ھ۔

۳۰۔ ہمو، المعجم الصغیر، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، بی تا۔

۳۱۔ ہمو، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی، موصل، مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ، ۱۴۰۴ھ۔

۳۲۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۳ھ۔

۳۳۔ عقاد، عباس محمود، ابوالشہداء الحسین بن علی، تحقیق: محمد جاسم ساعدی، تہران، المجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیۃ، ۱۴۲۵ھ۔

۳۴۔ علایلی، عبداللہ، الامام الحسین، قم، انتشارات شریف رضی، ۱۳۷۴ش۔

۳۵۔ فیروزآبادی، مجدالدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۷ھ۔

۳۶۔ قطب، سید، فی ظلال القرآن، ترجمہ مصطفیٰ خرمدل، تہران، نشر احسان، ۱۳۸۳ش۔

۳۷۔ قندوزی، سلیمان بن ابراہیم، ینابیع المودۃ لذوی القربی، تحقیق: علی جمال اشرف الحسینی، دار الاسوۃ، ۱۴۱۶ھ۔

۳۸۔ متقی ہندی، علاء الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، تحقیق: شیخ بکری حیانی، تصحیح و فہرست: شیخ صفوۃ السقا، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۹ھ۔

۳۹۔ مناوی، عبدالرؤوف، کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق، چاپ سنگی، بمبئی، بی تا۔

۴۰۔ ناصری داوودی، عبدالحمید، انقلاب کربلا از دیدگاہ اہلسنت، قم، مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینیؒ، ۱۳۸۶ش۔

۴۱۔ نسایی، احمد بن شعیب، خصائص امیر المؤمنین، تعلیقات: ابواسحاق الحوینی الاثری، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۴۲۔ نواب تہرانی، محمد ابراہیم، فیض الدموع، تصحیح و تحقیق: اکبر ایرانی قمی، قم، انتشارات ہجرت، ۱۳۷۴ش۔

۴۳۔ ہاشمی نژاد، عبدالکریم، درسی کہ حسین بہ انسانہا آموخت، تہران، فراہانی، ۱۴۱۳ھ۔

Advisory Board

Prof. S.M. Azizuddin Husain, Prof. Akhtarul Wasey
Prof. Syed Ali Mohd Naqvi, Prof. S.Tayyab Raza Naqvi

Editorial Board

Prof. Syed Akhtar Mahdi Rizvi, Dr. Haider Reza Zabit, Dr. Ali Reza Qazveh

Chief Editor

Dr. Mohd Ali Rabbani

Editor

Prof. Syeda Bilqis Fatema Husaini

Joint Editor

H.I.W. Maulana Syed Ghulam Husain Rizvi

ISSN : 2349-0950
Printed at: Alpha Art, Noida, U.P.

Iran Culture House
18 Tilak Marg, New Delhi-110001
Phone No: 23383232, 33, 34 Fax: 23387547
Email: ichdelhi@gmail.com, Website: newdelhi.icro.ir

RAH-E-ISLAM

An Urdu Quarterly Research Journal
of
Islamic and Cultural Studies

NO : 254
Special Issue
Paighambar-e-Akram Wa Quran
2022

Iran Culture House
18 Tilak Marg
New Delhi-110001